فہم القرآن سیریز نمبر 1

# واعلموا 10




سوال و جواب کی صورت میں

قُرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی



# قُرآنًا عَجَبًا

نگہت ہاشمی

# قُرْآنًا عَجَبًا

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب : ''قرآنًا عَجَبًا'' [ پارہ 10 ]

مؤلفہ : نگہت ہاشمی

طبع اوّل : جنوری 2015

تعداد : 1000

ناشر : النور پبلیکیشنز

لاہور : 102H گلبرگ III فردوس مارکیٹ لاہور
36J گلبرگ III فردوس مارکیٹ لاہور

فون نمبر : 03364033044 0423-5748737

کراچی : گراؤنڈ فلور کراچی بیچ ریزیڈنسی، نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن، بلاک 2، کراچی
03364033032 021-35292341

فیصل آباد : 121-A فیصل ٹاؤن، ویسٹ کینال روڈ
03364033086 041-8759191

ای میل : infoalnoorinternational@gmail.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

فیس بک : Alnoor international
Nighat Hashmi
Alnoor products

# فہرست


| | |
|---|---|
| ابتدائیہ | |
| رکوع ❖ 1 | 9 |
| رکوع ❖ 2 | 15 |
| رکوع ❖ 3 | 20 |
| رکوع ❖ 4 | 29 |
| رکوع ❖ 5 | 38 |
| رکوع ❖ 6 | 44 |
| سورہ التوبہ | 51 |
| رکوع ❖ 7 | 52 |
| رکوع ❖ 8 | 60 |
| رکوع ❖ 9 | 74 |
| رکوع ❖ 10 | 90 |
| رکوع ❖ 11 | 98 |
| رکوع ❖ 12 | 111 |
| رکوع ❖ 13 | 120 |
| رکوع ❖ 14 | 137 |
| رکوع ❖ 15 | 146 |
| رکوع ❖ 16 | 157 |
| رکوع ❖ 17 | 167 |
| آخری آیات | 176 |

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# ابتدائیہ

**اِنَّ الْحَمْدَلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِینُہٗ ،وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا،وَمِنْ سَیِّاٰتِ أَعْمالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُضْلِلْ فَلاَھَادِیَ لَہٗ،وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ مُحَمّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ**

بے شک حمد اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ہم اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں اور ہم اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی سے مغفرت چاہتے ہیں، اور اپنے نفس کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں ۔

قرآن مجید کو انسان کے قلب و ذہن اور زندگی میں اتارنے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو طریقے اختیار کیے ہیں ان میں سے ایک اہم طریقہ سوال و جواب کا ہے۔ مثلاً سورہ المدثر میں اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ اور تمہیں کس نے خبر دی کہ وہ دوزخ کیا ہے؟

پھر اگلی ہی آیت میں جواب دیا جاتا ہے:

لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ نہ وہ باقی رکھے گی اور نہ وہ چھوڑے گی۔

سورہ البلد میں اللہ تعالیٰ خود ہی سوال اٹھا کر جواب دیتے ہیں: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۝ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کا چھڑانا۔ یا بھوک والے دن کھانا کھلانا۔ کسی رشتہ دار یتیم کو۔ یا خاک نشین محتاج کو۔ پھر یہ کہ وہ اُن لوگوں میں ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی نصیحت کی۔ (البلد:16-12)

سوال آدھا علم ہے۔ سوال جب اٹھایا جاتا ہے تو ذہن متوجہ ہو جاتا ہے پھر جب جواب آتا ہے تو اس کا اثر گہرا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کثرت سے اس طریقے کو استعمال فرماتے تھے۔ امام بخاری نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے بیان کیا: **وَعَنِ ابنِ مسعودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ :قال رَسُولُ اللہ ﷺ اَیُّکُمْ مَالُ وَارِثِہٖ اَحَبُّ اِلَیہِ مِنْ مَّالِہٖ ؟ قالوا : یَارَسُولَ اللہِ ما مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُہٗ اَحَبُّ الیہ قَال : فَان مَالَہٗ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِہٖ مَا اَخَّرَ ۔**

سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال ہی سب سے زیادہ محبوب ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''پس انسان کا مال تو وہی ہے جو اس نے (صدقہ وخیرات) کر کے آگے بھیجا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو وہ پیچھے چھوڑ گیا۔'' (صحیح بخاری:6442)

ہر آیت میں غور وفکر کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں لیکن انسان عام طور پر انہیں نظر انداز کر کے گزر جاتا ہے۔ یہ پہلو سوال کی صورت میں سامنے آجائیں تو انسان رک کر سوچتا ہے۔ سوال وجواب کی صورت میں سیکھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ انسان کو سوالوں کے جواب مل جائیں تو اطمینان ہو جاتا ہے اور دل جمتا ہے۔

قرآنِ حکیم کو سوال وجواب کی صورت میں قرآناً عجباً کے نام سے مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہر آیت کے اہم پہلوؤں کو سوال کی صورت میں اٹھایا گیا ہے اور نکات کی صورت میں ان کا جواب قرآن حکیم ہی سے لینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ اس طرح اہم نکات حافظے کا حصہ بن جاتے ہیں، وہ نکات جن پر انسان عام طور پر یا تو سوچتا نہیں یا پھر ویسے ہی گزر جاتا ہے۔ قرآن مجید کو اس انداز میں پڑھ کر ہر وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو قرآن کے راستے کا مسافر بننا چاہتا ہے۔

اگرچہ سوال وجواب کے طریقے سے شعور بیدار ہوتا ہے لیکن ایک انسان کا علم محدود ہے، سمجھ محدود ہے، فرشتوں کی بات کو سامنے رکھیں تو اپنے علم کی حقیقت سامنے آتی ہے: قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ انہوں نے کہا: ''آپ پاک ہیں، جو کچھ آپ نے ہمیں سکھایا ہے اُس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں، یقیناً آپ ہی سب کچھ جاننے والے، کمال حکمت والے ہیں۔

میں ان سب افراد کی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اس کاوش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ قارئین سے درخواست ہے غلطیوں کی نشاندہی ضرور کریں۔ اگر اس سے کوئی بھلائی نصیب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھ لیں، آخرت کی فکر لاحق ہو جائے تو دعاؤں میں یاد رکھئے۔ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں۔

دعاؤں کی طلب گار

نگہت ہاشمی

# رکوع نمبر:1

﴿ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾

"اور جان لو کہ جو کچھ بھی مال غنیمت تم حاصل کرو تو بے شک اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور رسول کے لیے اور رشتے داروں، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور اس پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے فیصلے کے دن اپنے بندے پر نازل کیا جس دن دو جماعتیں مقابل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔" (41)

سوال 1: ﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ "اور جان لو کہ جو کچھ بھی مال غنیمت تم حاصل کرو" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ اعْلَمُوْٓا﴾ اللہ رب العزت نے فرمایا: اے مسلمانو! جان لو۔ (ایسر التفاسیر: 520,521) (2) ﴿اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ "کہ جو کچھ بھی مال غنیمت تم حاصل کرو" مال غنیمت میں سے جو تم حاصل کرو تھوڑا ہو یا زیادہ یہاں تک کہ سوئی دھاگہ بھی۔ (3) سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے دھاگہ اور سوئی بھی داخل کر دو اور مال غنیمت کی چوری سے اجتناب رکھو، قیامت کے دن چور کے لیے یہ چوری باعث عار ہو گی۔ (مسند دارمی) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی حدیث عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔ اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ یہ سن کر ایک شخص جس کے ہاتھ میں بالوں کا ایک گچھا تھا بولا میں نے یہ خچر کے زین کی مرمت کرنے کے لیے لے لیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا اور بنی عبد المطلب کا جو حصہ ہے وہ تیرا ہے۔ (تفسیر مظہری 5/68)

سوال 2: مال غنیمت کسے کہتے ہیں؟

جواب: مال غنیمت عربی زبان میں اس مال کو کہتے ہیں جو میدان جنگ میں دشمن سے لڑ کر حاصل کیا گیا ہو۔

سوال 3: ﴿فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ﴾ "تو بے شک اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کیلیے اور رسول کیلیے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے اور باقی تمہارے لئے ہے۔ (2) خمس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے ہے کہ اس نے نصرت اور غنیمت عطا فرمائی۔ (تفسیر قاسمی: 8/57) (3) خمس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے، ان میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص ہے جو کسی تعین کے بغیر عام مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بے نیاز ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حصہ درحقیقت بندگان الٰہی کے لیے ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مصارف متعین نہیں فرمائے اس لئے واضح ہوا کہ اس کو مصالح عامہ میں صرف کیا جائے گا۔ (تفسیر سعدی: 1/989-990) (4) اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اس اعتبار سے کہ نصرت کا اصل سبب وہی ہیں۔ (تفسیر قاسمی: 8/57)

سوال 4: ﴿وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ﴾ "اور رشتے داروں، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ لِذِی الْقُرْبٰى﴾ "اور رشتے داروں" یہ خمس کا دوسرا حصہ ہے۔ ذی القربیٰ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار یعنی بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب ہیں۔ اس میں ان کے مال دار اور محتاج، مرد اور عورتیں سب شامل ہیں۔ (2) ﴿وَ الْیَتٰمٰى﴾ "

اور یتیموں" خمس کا تیسرا حصہ ہے جو ان لوگوں کے لیے ہے جن کے باپ فوت ہو چکے ہیں اور وہ خود کم عمر ہوں وہ اپنی دیکھ بھال نہیں کر سکتے اور ایسی ہستی بھی نہیں جو ان کے مصالح کا خیال رکھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی بنا پر خمس کا پانچواں حصہ مقرر کیا ہے۔(3) ﴿وَ الْمَسٰكِيْنِ﴾ خمس کا چوتھا حصہ محتاجوں اور تنگ دستوں کے لیے ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورتیں چھوٹے ہوں یا بڑے۔(4) ﴿وَ ابْنِ السَّبِيْلِ﴾ خمس کا پانچواں حصہ مسافروں کی فلاح و بہبود کے لیے ہے۔ (5) یہ ضروری نہیں کہ پانچوں میں برابر تقسیم کیا جائے۔ مصالح کے مطابق ان کے درمیان مال کو تقسیم کیا جائے گا۔

سوال5: مال غنیمت کے بارے میں قدیم رواج کیا تھا؟

جواب: قدیم رواج یہ تھا کہ جنگ کے بعد دشمن کی جو چیز جس کے ہاتھ لگے اسی کی سمجھی جائے۔

سوال6: اسلام نے مال غنیمت کے بارے میں کیا طریقہ اختیار کیا؟

جواب: اسلام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کسی سپاہی کو جو کچھ ملے وہ لا کر امیر کہ جمع کروا دے کوئی شخص سوئی' دھاگہ تک چھپا کر نہیں رکھے گا۔

سوال7: غنیمت کی تقسیم کا کیا حکم ہے؟

جواب: غنیمت کی تقسیم کرتے ہوئے ہر چیز کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے اور پانچویں حصے میں رسول اللہ ﷺ کو اختیار ہو گا جس طرح چاہیں خرچ کریں۔

سوال8: چار حصوں کو فوج میں کیسے تقسیم کیا جائے گا؟

جواب: سوار کے دو حصے اور پیدل کا ایک حصہ۔

سوال9: مال غنیمت کے پانچویں حصے سے کیا فائدہ اٹھانا مطلوب ہے؟

جواب: مال غنیمت کا پانچواں حصہ لوگوں کی حقیقی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہے۔

سوال10: مال غنیمت کے پانچویں حصے کی تقسیم آپ ﷺ کے بعد کیسے ہو گی؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کے بعد ایسے سربراہان مملکت جو شریعت پر قائم ہوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوں ان کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ پانچویں حصے کو اللہ تعالیٰ اور سول اللہ ﷺ کی راہ میں، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کریں گے۔

سوال11: ﴿اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ﴾ "اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور اس پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے فیصلے کے دن اپنے بندے پر نازل کیا جس دن دو جماعتیں مقابل ہوئیں" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ﴾ "اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو" اگر تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہو۔ (جامع البیان:10/10) (2) اللہ تبارک و تعالیٰ نے مال غنیمت سے خمس نکالنا اور اس کو اس طریقے سے خرچ کرنا ایمان کی شرط قرار دیا ہے۔ (3) ﴿وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا﴾ اور جو کچھ ہم نے اپنے بندے محمد ﷺ پر نازل کیا ہے۔(جامع البیان:10/10) (4) ﴿عَلٰى عَبْدِنَا﴾ نبی ﷺ کے لئے عبودیت کا لفظ اور اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا آپ کی عزت و شرف کے لئے ہے۔ (صفوۃ التفاسیر:1/474)

(5) ﴿ يَوْمَ الْفُرْقَانِ ﴾ اس سے مراد بدر کا دن ہے۔ جس دن اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کیا تھا۔(6) ﴿ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ ﴾ ”جس دن دو جماعتیں مقابل ہوئیں“ یعنی جس دن مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مڈبھیڑ ہوئی۔ (7) ضمناً اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص نزول ملائکہ یا آپ ﷺ کی ریت یا مٹی پھینکنے سے کافروں کے اندھا ہونے کو یا ایسے ہی دوسرے خوارق کو تسلیم نہیں کرتا یا ان کی تاویل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر پوری طرح ایمان نہیں رکھتا۔ (تیسیر القرآن:2/156)

سوال 12: اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے ایمان کے لیے کیا دلیل دی ہے؟

جواب:(1) انہوں نے مال غنیمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے قانون کو تسلیم کر لیا۔ (2) انہوں نے یوم الفرقان میں اللہ تعالیٰ کے بندے پر نازل ہونے والے احکامات کو تسلیم کر لیا۔

سوال 13: ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۱ ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ تمہاری قلت کے باوجود مدد پر اور دشمنوں کی کثرت کے باوجود ان کی شکست پر قدرت رکھتا ہے۔ (2) وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کو کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔(ایسر التفاسیر:520-521) (3) اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے، غلبہ رکھتا ہے، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور وہ ہر ایک پر غالب ہے۔

سوال 14: مال غنیمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: (1) پہلا سبق یہ ہے کہ انسان جو چیز پائے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی چیز سمجھے۔ (2) دوسرا سبق مستحق بھائیوں کا حصہ رکھنے میں ہے کہ مال کے حق دار ہونے کی بنیاد صرف محنت اور وراثت نہیں۔ دوسروں کے حقوق اور اس کے علاوہ دوسری مدات کا اعتراف کرنا دراصل مال کو اللہ تعالیٰ کا مال سمجھنا ہے۔ (3) ملکیت کی بنیاد قبضہ نہیں اصول ہے۔ کوئی شخص محض اتفاقی طور پر ہاتھ آئی ہوئی چیز پر قابض نہیں ہو سکتا ہاتھ آنے کے باوجود ذمہ دار افراد کے حوالے کر کے اصولی طور پر قبضہ لے اور جو ملے اسے لے کر راضی رہے۔

﴿ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲ ﴾

”جب تم قریبی کنارے پر تھے اور وہ دور کے کنارے پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو ضرور تم وقت مقررہ میں آگے پیچھے ہو جاتے اور لیکن تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے جو کیا جانے والا تھا، تاکہ جو ہلاک ہو، واضح دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ واضح دلیل کے ساتھ زندہ رہے اور بے شک اللہ تعالیٰ یقیناً سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“ (42)

سوال 1: ﴿ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى ﴾ ”جب تم قریبی کنارے پر تھے اور وہ دور کے کنارے پر تھے“ جنگ میں افواج کی پوزیشن کیا تھی؟

جواب:(1) ﴿ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا ﴾ ”جب تم قریبی کنارے پر تھے۔“ مسلمان مدینہ سے نکلے اور وادی میں مدینہ کے قریب اترے۔

(2) ﴿وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى﴾ "اور وہ دور کے کنارے پر تھے۔" وادی کی دوسری طرف کفار نے کیمپ لگایا جو مکہ کے قریب تھی۔ (3) دونوں فوجوں کے درمیان ٹیلہ تھا جو ان کے درمیان جدائی ڈالنے والا تھا۔

سوال2: ﴿وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ﴾ "اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو ضرور تم وقت مقررہ میں آگے پیچھے ہو جاتے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ﴾ "اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے" اگر تمہارے اور کافروں کے درمیان پہلے سے جنگ کا منصوبہ تیار ہو جاتا کہ جنگ کہاں کی جائے؟ پھر تمہیں دشمن کی کثرت اور اپنی قلت کا خیال آجاتا تو تم مقابلے پر نہیں ڈٹ سکتے تھے۔(2) ﴿لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ﴾ "تو ضرور تم وقت مقررہ میں آگے پیچھے ہو جاتے" یعنی جنگ کے مقام، مقررہ میعاد میں اختلاف ہو جاتا جو تمہیں مقررہ میعاد پر پہنچنے سے روک دیتا۔

سوال3: ﴿وَ لٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا﴾ "اور لیکن تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے جو کیا جانے والا تھا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ لٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا﴾ "اور لیکن تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے" تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے جو ہمیشہ سے اس کے علم میں ہے اور وہ اسلام کی نصرت اور کفر کی تباہی ہے۔(تفسیر منیر: 5/ 357) (2) ﴿كَانَ مَفْعُوْلًا﴾ "جو کیا جانے والا تھا" جس کا واقعہ ہونا لازم ہے۔

سوال4: کیا فوجیں جانتی تھیں کہ فریق مخالف کہاں ہیں؟

جواب: دونوں فوجیں نہیں جانتی تھیں، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تھی اگر فریقین جگہ کا تعین کر لیتے تو ایک دوسرے کے قریب نہ آتے۔

سوال5: ﴿وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ "اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا" کی وضاحت کریں؟

جواب(1) ﴿وَ الرَّكْبُ﴾ اور قافلہ یعنی تجارتی قافلہ جس کو ابوسفیان لے کر چلا تھا۔ اور جس کے تعاقب میں تم نکلے تھے۔ (2)﴿اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ "تم سے نیچے کی طرف تھا" قافلہ دونوں فوجوں سے نیچے کی طرف ساحل کی جانب سے جا رہا تھا۔

سوال6: ﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ "تاکہ جو ہلاک ہو، واضح دلیل کے ساتھ ہلاک ہو" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) "تاکہ جو ہلاک ہو، واضح دلیل کے ساتھ ہلاک ہو" تاکہ حق کے ساتھ دشمنی رکھنے والا اگر کفر اختیار کرے تو دلیل روشن کے ساتھ اختیار کرے اسے کفر کے باطل ہونے کا پورا یقین ہو۔ یوں وہ کفر پر مرنا چاہے تو مر جائے اس حال میں جب وہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو۔(2) اس آیت میں ہلاکت کفر کے لیے اور حیات اسلام کے لئے استعارہ ہے۔(تفسیر قاسمی:8/ 67) (3) ﴿عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ ظاہر دلیل ہے یعنی دلائل سے، علم سے، معرفت سے۔ حق واضح ہو گیا۔ اب جو کفر اختیار کرے گا تو پوری بصیرت کے ساتھ اختیار کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر نہیں کرے گا۔

سوال7: ﴿وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ "اور جو زندہ رہے وہ واضح دلیل کے ساتھ زندہ رہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ "اور جو زندہ رہے وہ واضح دلیل کے ساتھ زندہ رہے" تاکہ جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل کے ساتھ ایمان پر زندہ رہے اس حال میں کہ وہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور اسلام حق اور رسول حق ہے

اور آخرت کا گھر حق ہے۔ (ایسر التفاسیر:521) (2) تاکہ حق کے دلائل واضح ہونے پر اہل ایمان کے یقین اور بصیرت میں اضافہ ہو۔(3) تاکہ جو اسلام اختیار کرے وہ دلائل سے دیکھ بھال کر اختیار کرے۔

سوال8:وہ کیا امر تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دونوں فوجوں کو سامنے لے آیا کہ بھاگنے کی صورت ہی نہ رہی کی وضاحت کریں؟

جواب:وہ امر یہ تھا کہ جس کو ہلاک ہونا ہے وہ واضح دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے۔

سوال9:﴿وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲﴾ ”اور بے شک اللہ تعالیٰ یقیناسب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲﴾ ”اور بے شک اللہ تعالیٰ یقیناسب کچھ سننے والا ہے“ اللہ تعالیٰ تمہاری فریاد اور پکار کو سنتا ہے۔(2) وہ قریش کے ارادوں کو بھی سنتا اور جانتا ہے اور مسلمانوں کی دعاؤں اور ارادوں کا بھی اس کو پورا علم ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ علیم ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تم امداد کے مستحق ہو اور فتح و نصرت اور غلبہ و اقتدار کے اہل ہو۔

﴿اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴۳﴾

”جب اللہ تعالیٰ انہیں آپ کے خواب میں تھوڑا دکھا رہا تھا اور اگر آپ کو وہ انہیں زیادہ دکھا دیتا تو ضرور تم ہمت ہار جاتے اور ضرور تم اس معاملے میں آپس میں جھگڑتے لیکن اللہ تعالیٰ نے سلامت رکھا یقیناوہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔“

سوال1: ﴿اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ﴾ ”جب اللہ تعالیٰ انہیں آپ کے خواب میں تھوڑا دکھا رہا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے نبی ﷺ کو خواب میں مشرکین کی تعداد کم دکھائی۔ (2) آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خوش خبری دی وہ مطمئن ہو گئے اور ان کے دل مضبوط ہو گئے۔ (3) سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ بدر کے دن مشرکین کی تعداد ہماری آنکھوں میں اس قدر کم ہو گئی تھی کہ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا جو میرے پہلو میں تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ لوگ ستر (70) تو ہوں گے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے خیال میں سو (100) ہیں۔ اس کے بعد ہم نے مشرکین میں سے ایک شخص کو قید کر لیا اور اس سے پوچھا تمہاری کتنی تعداد ہے تو اس نے کہا کہ ایک ہزار کی نفری ہے۔(معالم التنزیل:2/253)

سوال2: ﴿وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ﴾ ”اور اگر آپ کو وہ انہیں زیادہ دکھا دیتا تو ضرور تم ہمت ہار جاتے اور ضرور تم اس معاملے میں آپس میں جھگڑتے لیکن اللہ تعالیٰ نے سلامت رکھا۔“ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں کفار کی تعداد کیوں کم دکھائی گئی؟

جواب: (1) ﴿وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا﴾ ”اور اگر آپ کو وہ انہیں زیادہ دکھا دیتا۔“ خواب میں کفار کی تعداد اگر زیادہ بتائی جاتی تو مسلمانوں کی نظریں تعداد کی کمی اور سامان جنگ کی قلت پر مرکوز ہو جاتیں اس طرح مسلمان کمزوری کا شکار ہو سکتے تھے۔ (2)﴿لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ ”تو ضرور تم ہمت ہار جاتے اور ضرور تم اس معاملے میں آپس میں جھگڑتے۔“ دشمن کی تعداد کا پتہ چلنے کی وجہ سے تمہارا آپس میں جھگڑا شروع ہو جاتا، جھگڑا کمزوری کا باعث بنتا کچھ لوگ کہتے لڑنا اچھا ہے آگے بڑھ کر کفار سے لڑو اور کچھ کہتے اچھا نہیں۔ یہ انتشار فوج کے لیے مہلک ثابت ہوتا۔

(3)﴿وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ﴾ ”لیکن اللہ تعالیٰ نے سلامت رکھا۔“ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو انتشار کی کیفیت سے بچا لیا۔

سوال3: ﴿ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ ”یقیناوہ سینوں والی بات کوخوب جاننے والا ہے۔“کی وضاحت کریں؟
جواب:(1)﴿ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ ”یقیناوہ سینوں والی بات کوخوب جاننے والا ہے۔“ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کس میں جرأت ہے اور کون بزدل ہے؟کون صبر کرتا ہے اور کون جزع فزع کرتا ہے۔(تفسیر قاسمی: 8/67) (2) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دلی کیفیات کو جان لیا۔وہ جانتا ہے کہ انسان کم ہمتی اور بزدلی کا شکار ہو سکتا ہے لہٰذا اس نے دل کی حالت بدل دی۔ دلوں پر اختیار رکھنے والا جو چاہے کر سکتا ہے۔دل اور شعور کے محاذ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پہلے ہی فتح عطا کر دی۔

﴿ وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾

”اور جب تم مقابل ہوئے، وہ ان کو تمہاری آنکھوں میں کم دکھاتا تھا اور تمہیں ان کی نگاہوں میں بہت کم کرتا تھا، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے جو کیا جانے والا تھا اور سارے معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں۔“ (44)

سوال1: ﴿ وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ ﴾ ”اور جب تم مقابل ہوئے، وہ ان کو تمہاری آنکھوں میں کم دکھاتا تھا اور تمہیں ان کی نگاہوں میں بہت کم کرتا تھا۔“کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿ وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا ﴾ ”اور جب تم مقابل ہوئے، وہ ان کو تمہاری آنکھوں میں کم دکھاتا تھا۔“اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یاد دلایا ہے کہ جب وہ کافروں کو تمہاری نظروں میں کم کرکے دکھا رہا تھا گویا کہ وہ ستر یا سو آدمی ہوں۔ (2) ﴿ وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ ﴾ ”اور تمہیں ان کی نگاہوں میں بہت کم کرتا تھا۔“تمہیں تمہارے دشمنوں کی نظروں میں کم کرکے دکھاتا تھا یعنی ہر گروہ دوسرے کو تھوڑا دیکھتا تھا۔

سوال2:﴿ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ﴾ ”تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے جو کیا جانے والا تھا“کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کے ہاتھوں مشرکوں کو سزا دلوائیں۔ (2) مومنوں کو فتح و نصرت عطا فرمائیں۔ (3) تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی نصرت اور عزت فرمائیں اور ان کے دشمنوں کو شکست اور ذلت سے دوچار فرمائیں۔(ایسر التفاسیر:521) (4) ﴿ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ ﴾ مہایمی نے کہا چونکہ اس میں خیر کثیر تھا تو اس کا کرنا حکیم پر واجب تھا۔(تفسیر قاسمی:8/68) (5)تاکہ اہل ایمان کافروں کو ان کے حال پر چھوڑ کر الگ ہو جائیں۔اس طرح ان کے گمراہ سردار قتل ہوئے تو بعد میں کافروں کو جب اسلام کی دعوت دی گئی تو ان کے لئے قبول کرنا آسان ہو گیا۔

سوال3:﴿ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ ”اور سارے معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں۔“کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔اقتدار اس کا، ارادہ اس کا، قدرت اس کی، اس کائنات میں سارے کام اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق ہیں۔ (2) یعنی مخلوق کے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹتے ہیں، اللہ تعالیٰ پاک اور ناپاک کو علیحدہ علیحدہ کرتا ہے، تمام مخلوقات پر انصاف پر مبنی فیصلے کو نافذ کرتا ہے جس میں کوئی ظلم وجور نہیں ہوتا۔ (تفسیر سعدی:1/992)

# رکوع نمبر2

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مدمقابل ہو کسی گروہ کے تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (45)

سوال1: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا ﴾ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مدمقابل ہو کسی گروہ کے تو ثابت قدم رہو۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ اے لوگو! جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کی ہے۔ (جامع البیان:1/16-17) (2) ﴿ اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا ﴾ "جب تم مدمقابل ہو کسی گروہ کے تو ثابت قدم رہو۔" ﴿ فِئَةً ﴾ سے یہاں مراد کافروں کی جماعت ہے۔ (تفسیر منیر:5/363) (3) ابن اسحٰق نے کہا: اس سے مراد ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کرو۔ ﴿ فَاثْبُتُوْا ﴾ تو ثابت قدم رہو۔ (جامع البیان:10/17) (4) ﴿ فَاثْبُتُوْا ﴾ دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت ثابت قدم رہو، ان سے لڑائی پر صبر کرو نہ میدان جنگ سے بھاگو اور نہ کنجوسی کرو۔ (تفسیر قاسمی:8/70) (5) حق اور باطل کے معرکے میں اپنے آپ پر قابو رکھو اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔

سوال2: کامیابی کے لئے ایمان والوں کو ان آیات میں کیا لائحہ عمل دیا گیا ہے؟

جواب: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو دشمن کے مقابل ہونے کے آداب، دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت شجاعت کے راستے کی تعلیم دی ہے اور یہ جنگوں کے ضروری قواعد ہیں۔ (تفسیر منیر:5/365) دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا، اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہنا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، اپنے لیڈر کی اطاعت کرنا، باہمی اختلافات سے بچنا، مشکلات کو برداشت کرنا، اترانے سے گریز کرنا، ریاکاری سے بچنا اور اپنی قوت کی وجہ سے سرکشی سے بچنا۔

سوال3: ﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾ "اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ذکر اللہ تہلیل (لَا إِلٰهَ إِلَّا الله) تکبیر (اَللهُ أَكْبَرُ) تسبیح (سُبْحَانَ الله) اور دعا اور تضرع ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں کو یاد رکھنا اس کا ذکر ہے۔ (ایسر التفاسیر:522) (3) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہ نے کہا: "المفردون کون ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ!" آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلذَّاكِرُوْنَ اللهَ كَثِيْرًا وَ الذَّاكِرَاتِ» اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔" (صحیح مسلم، جامع الترمذی) (4) سیدنا عبد اللہ بن اوفیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو پھر جب مڈبھیڑ ہو جائے تو جم کر لڑو۔ (صحیح بخاری:2/424) (5) سیدنا عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ دشمن سے مقابلہ ہونے کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو سو جب تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو سو اگر دشمن چیخیں، چلائیں تو تم خاموشی اختیار کرو۔ (مسند دارمی:2/135) (6) حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال تو عافیت ہی کا کریں اور جب دشمنان دین سے لڑنے کا موقع آجائے تو کمزوری نہ دکھائیں، ثابت قدم رہیں، جم کر لڑیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کریں اور قتال کے آداب میں سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ خاموشی سے لڑیں، شور و شغب سے بچیں۔ (7) سیدنا زید بن ارقم سے روایت

ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین مواقع ہیں اللہ تعالیٰ کو خاموشی محبوب ہے: (الف) تلاوت قرآن کے وقت (ب) قتال کے وقت (ج) اور جس وقت جنازہ حاضر ہو۔ (تفسیر ابن کثیر :2/316) (8) سیدنا سہل بن معاذؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ نماز، روزے اور ذکر ان سب کا ثواب فی سبیل اللہ (عزوجل) مال خرچ کرنے کی بہ نسبت سات سو گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ (سنن ابوداؤد :1/338) (9) سیدنا سہل بن معاذؓ اپنے والد سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فی سبیل اللہ ایک ہزار آیات پڑھ لیں اللہ تعالیٰ اسے انبیاء اور صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ لکھ دے گا۔ (مستدرک حاکم فی الترغیب:2/267) (10) سیدنا ابوابراہیم سیدنا عبداللہ بن اوفیؓ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض ان ایام میں، جن میں آپ ﷺ کا مقابلہ دشمن سے ہوا، انتظار فرمایا: (یعنی لڑائی کو مؤخر فرمایا) لوگو! دشمن سے ملاقات (لڑائی) کی آرزو مت کرو، اور اللہ تعالیٰ سے عافیت، (سلامتی) مانگو۔ لیکن جب ایسا موقع آجائے کہ تمہاری دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدمی سے لڑو اور یہ بات جان لو کہ جنت تلواروں کے سایے تلے ہے۔ پھر نبی ﷺ نے دعا فرمائی: ''اے کتاب (قرآن مجید) کے اتارنے والے، بادلوں کو چلانے والے، (دشمن کے) لشکروں کو شکست دینے والے! ان کو شکست فاش سے دوچار فرما اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔'' (صحیح بخاری:2818)

سوال 4: ﴿لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾ ''تاکہ تم فلاح پاؤ۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''تاکہ تم فلاح پاؤ۔'' تاکہ تم دشمنوں کے مقابلے میں فتح و نصرت حاصل کرو۔ (2) اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت کے اسباب اختیار کرنے کا مطالبہ کیا گیا تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور وہ یہ ہیں صبر، ثبات، اور ذکر اللہ کی کثرت۔

سوال 5: دشمن کا سامنا ہونے کے وقت ذکر الٰہی کے کیا فائدے ہیں؟

جواب: (1) ثابت قدمی فتح کا پہلا قدم ہے جو دشمن کے مقابلے میں جم جاتا ہے وہ فتح پاتا ہے۔ اور ثبات اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے سے آتا ہے۔ (2) ذکر الٰہی کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ مومن کا رابطہ ایک ایسی قوت سے ہو جاتا ہے جس پر غلبہ رکھنے والا کوئی نہیں۔ قتال کے وقت ذکر کرنا عبودیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کی وجہ سے مومن اسی پر بھروسہ کرتا ہے (ایمان اور اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کو تفویض کر دیتا ہے۔) (3) اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے کی وجہ سے جنگ کی حقیقت، جنگ کے اسباب اور مقاصد ذہن میں حاضر رہتے ہیں۔ مومن جب اللہ تعالیٰ کی خاطر لڑتا ہے، زمین پر اس کی حکومت کے قیام کے لئے لڑتا ہے، اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے لڑتا ہے طاغوتی قوتوں کو ختم کرنے کے لئے لڑتا ہے تو اسے ذکر الٰہی سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔

﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾

'' اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (46)

سوال 1: ﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اپنے رب اور اس کے رسول کی اطاعت کرو جس کا وہ تمہیں حکم دیں اور جس سے تمہیں روکیں اور ان کی کسی معاملے میں مخالفت نہ کرو۔ (جامع البیان:10/17) (2) یہ عام حکم ہے اور

یہاں تخصیص تاکید کے لیے ہے۔(تفسیر قاسمی:8/71) (3) اپنے تمام اقوال اور افعال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور ان کے کسی حکم کی مخالفت نہ کرو۔(صفوۃ التفاسیر:1/471)

سوال2:اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے حکم کا کیا مقصد ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا مقصد یہ ہے کہ مومن میدان جنگ میں قدم رکھتے ہی سر جھکا دیں تاکہ وہ وجوہات ختم ہو جائیں جن کی وجہ سے مسلمانوں میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔(2) رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اطاعت سے ہی منظم ہوا جاسکتا ہے اور جنگ میں تنظیم کی وجہ سے ہی کامیابی کی امید ہوتی ہے۔(3) لوگوں کے درمیان اختلافات اس وقت ہوتے ہیں جب وہ ہدایات ایک ہستی سے نہیں لیتے۔ (4) جب لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں تو جھگڑے کی وجہ ختم ہو جاتی ہے۔

سوال3: ﴿ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ﴾ ”اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَ لَا تَنَازَعُوْا ﴾ ”اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔“ دشمن کے بالمقابل کبھی آپس میں اختلاف نہ کرو۔(2) یعنی اسطرح نہ جھگڑو کہ تمہارے دل ایک دوسرے سے کٹ جائیں۔(3) ﴿ فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ﴾ ”ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔“ یعنی تم بزدل ہو جاؤ گے، تمہارے ارادے کمزور پڑ جائیں گے، تمہاری قوت بکھر جائے گی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے قوت، نصرت، غلبے اور حکومت کا جو وعدہ مشروط ہے وہ اٹھالیا جائے گا۔(4)﴿ وَ اصْبِرُوْا ﴾ اور صبر کا دامن تھامے رکھو یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثبات اختیار کرو۔

سوال4: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ اپنی نصرت و تائید سے فتح عطا کرتا ہے۔وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اس لیے اس کی مدد پر بھروسہ رکھو۔ 02) زید بن اسلم نے کہا: صبر کے دو دروازے ہیں: (الف) اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں میں صبر کرنا اگرچہ نفس اور بدن پر بھاری ہو۔(ب) اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنا اگرچہ خواہشات اسی جانب دھکیلتی ہوں تو جو ایسا ہے وہ صبر کرنے والوں میں سے ہے۔(ابن ابی حاتم:5/1713)

سوال5:لوگوں کے درمیان جھگڑے کیسے سے پیدا ہوتے ہیں؟

جواب: (1) جب لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔(2) جب لوگوں کی فکر کا ماخذ ان کے جذبات ہوں۔ (3) جب لوگ مختلف سمتوں سے ہدایات لینے والے ہوں۔(4) جب لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے نہ ہوں۔(5) جب لوگ اپنے موقف کو سچائی کے مقابلے میں ترجیح دیں تو آپس کے جھگڑے پھوٹ پڑتے ہیں۔

سوال6: آپس کے جھگڑوں کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: (1) فوج کے اندر کمزوری آجاتی ہے۔(2) فوج کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔(3) شکست مقدر ہو جاتی ہے۔

سوال7:اللہ تعالیٰ کے لیے قتال کرنے والوں کو کیا آداب سکھائے گئے ہیں؟

جواب: (1) ثبات: جس کی وجہ سے میدان جنگ سے فرار اختیار نہیں کیا جاتا۔

(2) ذکر اللہ: دل اور زبان سے تضرع اور دعا نصرت اور فتح کا ذریعہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر فتح نصیب نہیں ہوتی۔(3) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت۔ (4) کلمہ ہدف اور وحدت صف۔ آپس میں اختلاف نہ کرنا اساسی امور ہیں۔ (5)صبر۔

﴿ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ ﴾(47)

"اوران لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاوا کرتے ہوئے نکلے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس کا جو وہ کر رہے تھے احاطہ کرنے والا تھا۔"(47)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ قریش جب مکہ مکرمہ سے بدر کی طرف بڑھے تو گانے اور دف بجانے والیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔(تفسیر ابن عباس:1/492)

سوال 2: ﴿ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ "اوران لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاوا کرتے ہوئے نکلے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) کافروں کا مقصد زمین میں تکبر اور فخر و غرور کا اظہار کرنا تھا۔ اللہ رب العزت نے مومنوں کو اس سے روکا ہے۔ (2) جہاد میں ثابت قدمی، نیک نیتی اور ذکر اللہ کی کثرت کی نصیحت فرما کر مشرکین کی مشابہت سے روک رہا ہے کہ جیسے وہ حق کو مٹانے اور لوگوں میں اپنی بہادری دکھانے کے لئے فخر و غرور کے ساتھ اپنے شہروں سے چلے تم ایسا نہ کرنا۔(تفسیر ابن کثیر:2/302) (3) کافروں کے گھر سے نکلنے کے تین مقاصد اس آیت میں بیان کیے گئے: (الف) ﴿ بَطَرًا ﴾ غرور اور زمین میں تکبر کا اظہار کرنا اور اترانا۔ (ب) ﴿ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ ﴾ "اور لوگوں کو دکھاوا کرتے ہوئے۔" لوگوں کے سامنے فخر و غرور کا اظہار کرنا، اپنی قوت کی نمائش کرنا۔ (ج) ﴿ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ﴾ "اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے۔" یہ ان کا بڑا مقصد تھا کہ ان لوگوں کو روکیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے پر گامزن ہونا چاہتے ہیں۔(تفسیر سعدی:1/994)

سوال 3: کفار مسلمانوں کے ہاتھوں کیوں ذلیل و خوار ہوئے؟

جواب: قریش کا لشکر تھا جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتا تھا، یہ لوگ فخر سے نکلے اور ذلیل و خوار ہوئے۔ ان کے مقاصد غلط تھے وہ سرکشی دکھاوے اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے مقاصد لیے ہوئے تھے، اس لیے بدر میں ان کی کمر ٹوٹ گئی۔

سوال 4: ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ ﴾ "اور اللہ تعالیٰ اس کا جو وہ کر رہے تھے احاطہ کرنے والا تھا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ ﴾ مقاتل بن حیان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔(ابن ابی حاتم:5/1714) (2) اللہ تعالیٰ نے ان کے غرور و تکبر، ان کی قوت کی نمائش اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے جیسے مقاصد سے آگاہ کر کے ان کی مشابہت سے ڈرایا ہے کیونکہ وہ انہیں سخت سزا دے گا۔ اس لیے تم لوگ اپنے مقاصد دیکھ لو۔ تمہارا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب، دین کی سربلندی اور لوگوں کو صراط مستقیم پر چلانا ہو جو انہیں حقیقت تک لے جائے۔

سوال5:انسان اللہ تعالیٰ کی قوت کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی عظمت، قدرت اور قوت کا انسان سے کوئی مقابلہ نہیں۔ (2) انسان کی قوت اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہے انسان کیسے رب کا مقابلہ کر سکتا ہے!

سوال6:اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جماعت کی تطہیر کے لیے کیا ہدایات دی ہیں؟

جواب: (1) جہاد میں شرکت ایسے حالات میں نہ کریں کہ اپنی کثرت پر یا قوت پر نازاں ہوں۔(2) اپنی قوت کو ان راستوں میں خرچ نہ کریں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں۔(3) مومن یاد رکھیں کہ وہ قتال فی سبیل اللہ کے لیے نکلے ہیں اس لیے لوگوں کو صرف اللہ تعالیٰ کا غلام بنانے کی کوشش کریں۔اپنی بڑائی نہیں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے لیے کام کریں۔

﴿ وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَ اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝۴۸ ﴾

”اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیے تھے اور اس نے کہا: ”لوگوں میں سے آج تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں اور بلاشبہ میں تمہارا حمایتی ہوں۔“ مگر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹا اور کہنے لگا: ”بے شک میں تم سے بے زار ہوں، میں واقعی وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے، یقینا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بہت سخت عذاب والا ہے۔“(48)

سوال1: ﴿وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ﴾ ”اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیے تھے اور اس نے کہا: ”لوگوں میں سے آج تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں اور بلاشبہ میں تمہارا حمایتی ہوں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ ”اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیے تھے۔“ یعنی شیطان نے ان کے اعمال انہیں خوشنما بنا کر دکھائے اور انہیں دھوکے میں ڈال دیا کہ تمہارے ارادے نیک ہیں۔ عرب میں تمہارا لوہا مانا جاتا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ہرا نہیں سکتی۔ میدان تمہارے ہاتھ رہے گا۔(2) ﴿وَ قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ﴾ ”اور اس نے کہا: ”لوگوں میں سے آج تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں اور بلاشبہ میں تمہارا حمایتی ہوں“ تمہاری تعداد، تمہاری قوت، تمہارا اسلحہ، تمہارے جنگجو، ہر اعتبار سے تم اتنی قوت والے ہو کہ کوئی تمہارے مقابلے پر ٹھہر نہیں سکتا۔ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ (3) ﴿وَ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ﴾ ”اور بلاشبہ میں تمہارا حمایتی ہوں۔“ ابلیس سراقہ بن مالک جعشم مدلجی کی شکل میں قریش کے پاس آیا۔ قریش اور بنو مدلج کے درمیان دشمنی تھی۔ قریش ان کے شب خون سے خائف تھے۔ ابلیس نے کہا: ”میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ اس طرح ان کے دل مطمئن ہو گئے۔

سوال2: ﴿فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ﴾ ”مگر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹا اور کہنے لگا: ”بے شک میں تم سے بے زار ہوں، میں واقعی وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے، یقیناً میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو کافر مسلمانوں کو اور مسلمان کافروں کو کم دکھائی دینے لگے۔(2)﴿ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ ﴾ ”تو وہ اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹا۔“ ابلیس نے جب سیدنا جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کی صف بندی کر رہے ہیں تو وہ خوف زدہ ہو کر بھاگا۔ (3)﴿ وَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ ﴾ ”اور کہنے لگا: ”بے شک میں تم سے بے زار ہوں“ ابلیس سراقہ بن مالک کی صورت میں آیا تھا اس نے ہی قریش کو دھوکہ دیا تھا۔ وہ کہنے لگا میں تو تمہارے ساتھ نہیں۔ میں تم سے بری الذمہ ہوں۔ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَ مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ لُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ”اور شیطان کہے گا، جب کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا، وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سو میں نے تم سے خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں بلایا تو تم نے میرا کہا مان لیا، چنانچہ مجھے ملامت نہ کرو اور خود ہی کو ملامت کرو میں تمہاری فریاد رسی کرنے والا نہیں ہوں اور تم میری فریاد رسی کرنے والے نہیں ہو، یقیناً میں بالکل انکار کرتا ہوں کہ اس سے پہلے تم نے مجھے شریک بنایا تھا، ظالموں کے لیے یقیناً دردناک عذاب ہے۔“ (ابراہیم :22)(3)﴿ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ ﴾ ”میں واقعی وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے“ میں ان فرشتوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے۔ ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ (4) رب العزت نے فرمایا:﴿ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ”جیسے شیطان کی مثال ہے جب اس نے انسان سے کہا: ”کفر کر!“ پھر جب اس نے کفر کیا تو اس نے کہا: ”میں تجھ سے لاتعلق ہوں، یقیناً میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔“ چنانچہ ان دونوں کا انجام یہ ہے کہ یقیناً وہ دونوں ہمیشہ آگ میں رہنے والے ہیں اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔“ (الحشر:16،17)(5)﴿ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ﴾ ”یقیناً میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔“ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ ایسا نہ ہو آخرت سے پہلے مجھے دنیا میں ہی پکڑ لے اور دنیا میں ہی مجھے عذاب دے دے۔

سوال 3:﴿ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ بہت سخت عذاب والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے۔

## رکوع نمبر 3

﴿ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾(49)

”جب منافق اور وہ لوگ جن لوگوں کے دلوں میں ایک بیماری تھی، کہہ رہے تھے ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا ہے۔ اور جو بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“(49)

سوال 1:﴿ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ ”جب منافق اور وہ لوگ جن لوگوں کے دلوں میں ایک بیماری تھی، کہہ رہے تھے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ ”جب منافق کہہ رہے تھے۔“ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ قریش کی ایک جماعت تھی قیس بن ولید بن مغیرہ، ابو قیس بن فاقہ بن مغیرہ، حارث بن زمعہ اسودہ بن عبد امطلب اور علی بن امیہ بن خلف اور عاص بن منبہ بن حجاج یہ قریش کے ساتھ تھے لیکن یہ متر ودتھے اور اسی میں روکے ہوئے تھے یہاں مسلمانوں کی حالت دیکھ کر کہنے لگے یہ لوگ تو صرف مذہبی مجنون ہیں ورنہ مٹھی بھر بے رسد اور بے ہتھیار آدمی اتنی ٹڈی دل شان وشوکت والی فوجوں کے سامنے کیوں کھڑے ہو جاتے ؟(جامع البیان:10/23) (2) ﴿وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ” وہ لوگ جن لوگوں کے دلوں میں ایک بیماری تھی۔“یعنی جن کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شک تھا، ان کا صحیح یقین نہیں تھا اور نہ ان کے سینے اسلام کے لیے کھلے تھے۔ (جامع البیان:10/23)

سوال2: ﴿غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ﴾ ”ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) جب مومن اپنی تعداد کی قلت کے باوجود کافروں کے بڑے لشکر سے مقابلے کیلیے نکلے تو کمزور ایمان والے جن کے دلوں میں شکوک وشبہات تھے اہل ایمان سے کہنے لگے ان کے دین نے انہیں ہلاکت اور تباہی تک پہنچا دیا ہے۔ یہ مذہبی جنونی ہیں انہیں ان کا جنون موت کی وادی میں کھینچ لایا ہے۔ (2) جس دین پر یہ کاربند ہیں اس دین نے انہیں اس ہلاکت انگیز مقام پر پہنچا دیا ہے جس کا مقابلہ کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہے۔ یہ بات وہ اہل ایمان کو حقیر اور کم عقل سمجھتے ہوئے کہتے تھے۔ (تفسیر سعدی:1/995) (3) ابو جہل نے ایک ٹیلے سے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کو حقارت کی نگاہ سے جھانک کر کہا اللہ تعالیٰ کی قسم آج کے بعد روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی جائے گی اور بزور یہ دین مٹا دیا جائے گا۔ (مختصر ابن کثیر:1/689)

سوال3: ﴿وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝﴾ ”اور جو بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے گا تو یقینا اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ سب سے غالب کمال حکمت والا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کوئی قوت اور اختیار نہیں۔ اس لیے جب مومن اقدام کرتا ہے تو دشمنوں کی کثرت اور قوت کو خاطر میں نہیں لاتا۔ (2) مومن جانتا ہے کہ عزت وذلت، غلبہ واقتدار، حکومت وسلطنت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ اگر پوری دنیا کے لوگ مل کر اسے نفع پہنچانا چاہیں تو اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور اگر پوری دنیا کے لوگ مل کر اسے نقصان پہنچانا چاہیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اس کی تقدیر میں لکھ دیا گیا۔ (3) مومن کو یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور غلبہ اللہ والوں کا ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ غلبے کے حق دار ہوتے ہیں۔ (4) مومن جانتا ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ پر غالب نہیں آسکتا اور اس پر توکل کرنے والا ذلیل نہیں ہو سکتا۔ (فتح القدیر:2/396) (5) مومن جانتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتا ہے وہ اس کی مدد فرماتا ہے۔ (6) جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کر لیتا ہے تو یاد رکھو کہ وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اس کی حکمت کے سامنے سب کی عقل ودانش رکھی رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم لوگ صرف مادہ اور مادیت کو جاننے والے اور اسی پر بھروسہ کرنے والے ہو تمہیں اس مخفی طاقت کی خبر نہیں جو اس مادہ اور مادیت کے پیدا کرنے والے کے خزانوں میں ہے اور ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اعتماد رکھتے ہیں۔ (معارف القرآن:4/259)

سوال4: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۴۹﴾ ”یقینا اللہ تعالیٰ سب پر غالب ،کمال حکمت والا ہے۔“کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) اللہ تعالیٰ عزیز ہے کوئی قوت اس پر غالب نہیں آسکتی۔(2) اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہے جہاں تک عقلیں پہنچنے سے قاصر ہیں۔(فتح القدیر:2/396) (3) اللہ تعالیٰ نصرت عطا فرماتا ہے کیونکہ وہ عزیز ہے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا نہ اس نے جو ارادہ کیا اس کے راستے میں کبھی کوئی رکاوٹ بن سکتا ہے۔(4) اللہ تعالیٰ حکیم ہے وہ اپنی قضاو قدر میں حکمت والا ہے۔(5) اللہ تعالیٰ کی حکمت نصرت کا تقاضا کرتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لیے جواب ہے۔ ان کی بات کا رد ہے۔ (تفسیر قاسمی:8/75)

﴿ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝۵۰﴾
”اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے ان لوگوں کی جان قبض کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا،وہ ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر مارتے ہیں اور (کہتے ہیں) جلنے کا عذاب چکھو۔“ (50)
سوال1: ﴿ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ﴾ ”اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے ان لوگوں کی جان قبض کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا۔“کافروں کی روحیں کیسے قبض کی جائیں گی؟
جواب: اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اگر آپ ﷺ اس وقت دیکھیں جب فرشتے کافروں کی روحیں قبض کر رہے ہوتے ہیں۔کیسے وہ سخت تکلیف اور کرب میں مبتلا ہوتے ہیں یہ ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔انہوں نے کفر کر کے اپنے اوپر ظلم کیا۔
سوال2: ﴿یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ﴾ ”وہ ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر مارتے ہیں۔“کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) فرشتے انہیں آگے اور پیچھے سے مارتے ہیں۔(ایسر التفاسیر: 1/524) (2) فرشتے انہیں کہتے ہیں لاؤ نکالو اپنی جان۔ ان کی جانیں نکلنے سے انکار کرتی ہیں کیونکہ وہ جانتی ہیں انہیں کیسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔(3) ان کے چہروں پر مار ان کے حق سے اعراض، تکبر، خود پسندی اور نخوت کی وجہ سے ہو گی۔(تفسیر قاسمی: 8/75) (4) ﴿اَدْبَارَهُمْ ۚ﴾ ”ان کی پشتوں پر۔“ان کے باطل کی طرف میلان، اس سے وابستگی، شہوت، حرص اور شر کی وجہ سے ان کی پشتوں پر مارا جائے گا۔(تفسیر قاسمی: 8/75)
سوال3: ﴿وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝۵۰﴾ ”اور (کہتے ہیں) جلنے کا عذاب چکھو۔“کی وضاحت کریں؟
جواب: فرشتے کافروں سے موت کے وقت کہتے ہیں سخت جلنے اور جلانے کا عذاب چکھو یہ عذاب گناہوں کی پاداش میں ہو گا ظلم نہیں ہو گا۔یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔
سوال4: فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہوئے کب چہروں اور پشتوں پر ضربیں لگا رہے تھے؟
جواب: (1) یہ ضربیں بدر کے دن لگائی گئیں۔(2) لیکن فرشتوں کا ضربیں لگانا بدر کے لیے مخصوص نہیں ہے جب بھی کافروں پر موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے ان سے یہی سلوک کرتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝۵۱﴾
”یہ اس کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور یقینا اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“(51)
سوال1: ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ﴾ ”یہ اس کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔“کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) یہ دنیا کی زندگی میں تمہاری بد اعمالیوں کی سزا ہے۔(2) کفر اور معاصی یعنی نافرمانی کے کام تم نے آگے بھیجے ہیں۔ (تفسیر قاسمی: 76/8) (3) یہ فرشتوں کا قول ہے کہ یہ مار اور آگ کا عذاب تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے تمہارے کفر، ظلم، شر اور فساد کی وجہ سے ہے۔(ایسر التفاسیر:524)

سوال2:﴿ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ﴾ ”اور یقینا اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہر ایک کو عدل کے ساتھ اس کے اعمال کا بدلہ دیتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور اسے تم پر بھی حرام فرما دیا ہے لہٰذا تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! میں تمہارے اعمال ہی گھیرے ہوئے ہوں پھر جو شخص اچھائی پائے اسے میری حمد کرنی چاہیے اور جو برائی پائے اسے اپنے اوپر ہی لعنت بھیجنی چاہیے۔(مسلم:6572)

﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾

”جس طرح آل فرعون کی اور ان لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا۔ یقینا اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، بہت سخت عذاب والا ہے۔“ (52)

سوال1:﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ ﴾ ”جس طرح آل فرعون کی اور ان لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ ﴾ ”جس طرح آل فرعون کی حالت تھی۔“ الدائب عادت کو کہتے ہیں۔ کفار قریش کی بھی وہی عادت ہے جو آل فرعون کی عادت تھی یعنی کفر اور تکذیب۔ (2) آل فرعون سے وہ سارے قبطی لوگ مراد ہیں جو اس کے دین پر تھے اور اس کے ظلم اور کفر میں شریک تھے۔(ایسر التفاسیر:524) (3) ﴿ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ ﴾ ”اور ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے۔“ جو آل فرعون سے پہلے انبیاء کو جھٹلانے والے تھے۔

سوال2: آل فرعون اور پہلے لوگوں کو کیسے عذاب میں پکڑا گیا؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر انعامات کی بارش کی۔(2) اللہ تعالیٰ نے زمین پر اقتدار دیا۔(3) اللہ تعالیٰ کے انعامات پر انہوں نے سرکشی کا رویہ اختیار کر لیا۔(4) اللہ تعالیٰ کی آیات کو انہوں نے جھٹلایا جب ان کے پاس آئیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا۔

سوال3: ﴿ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ ﴾ ”انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ پہلی امتوں کی عادت تھی وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے تھے۔(تفسیر خازن:320/2) (2) پہلی امتوں نے اس کا انکار کیا جو رسول اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے پاس لے کر آئے۔(صفوۃ التفاسیر: 473/1) (3) ﴿ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ ﴾ ”اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا“ پہلی قوموں نے اللہ تعالیٰ کا، وحی کا، رسولوں کا، انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب کے ذریعے پکڑ لیا۔(4) انبیاء کو نہ ماننے والوں پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ آکر

رہتی ہے۔(5)رب العزت نے نبی ﷺ پر واضح فرمایا کہ ہم نے آپ ﷺ کو نہ ماننے والوں کے ساتھ بھی وہی کیا جو ان سے پہلے دوسری قوموں کے ساتھ کیا تھا۔انہوں نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور مخالفت پر جم گئے ہم نے بھی ان کے ساتھ وہی کیا جو ان جیسے لوگوں کے ساتھ ہمارا طریقہ ہے۔جو ہم نے فرعونیوں کے ساتھ اور ان سے پہلے دیگر جھٹلانے والی قوموں کے ساتھ کیا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو مان کر نہیں دیتے تھے تو ہم نے انہیں ان کے گناہوں میں پکڑ لیا اور انہیں نیست ونابود کر دیا۔(مختصر ابن کثیر:1/690)

سوال4: ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، بہت سخت عذاب والا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) بے شک اللہ تعالیٰ قوی ہے اسے کوئی ہرا نہیں سکتا، اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔(2) ﴿شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲﴾ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے وہ اپنے عذاب کے ساتھ جس کو پکڑنا چاہے کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا۔(3)رب العزت نے فرمایا: ﴿مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۵۶﴾ ”کوئی جان دار ایسا نہیں مگر اس کی پیشانی کے بالوں کو وہ پکڑنے والا ہے، یقیناً میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔“(ہود:56)اللہ تعالیٰ نے بدر میں کفار قریش کو غالب مقتدر کی طرح پکڑا۔

سوال5: آل فرعون اور پہلے لوگوں کو کیسے عذاب میں پکڑا گیا؟

جواب:اس کے ﴿شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲﴾ ہونے پر آل فرعون اور ان سے پہلے کے لوگ عاد، ثمود اور قوم ابراہیم، اصحاب مدین اور الٹائی گئی بستیوں کو دیے جانے والے عذاب گواہ ہیں کہ وہ غالب ہے۔اس کی گرفت سے کوئی بچ کر بھاگ نہیں سکتا۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۵۳﴾

”یہ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو کبھی تبدیل کرنے والا نہیں ہے یہاں تک کہ جو ان کے دلوں میں ہے وہ بدل دیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“ (53)

سوال1: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ﴾ ”یہ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو کبھی تبدیل کرنے والا نہیں ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ذٰلِكَ﴾ وہ عذاب، نافرمانی اختیار کرنا تھا۔(2) ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ﴾ ” اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو کبھی تبدیل کرنے والا نہیں ہے۔“ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو دین ودنیا کی نعمتیں عطا کرتا ہے تو ان کو سلب نہیں کرتا، بلکہ ان کو باقی رکھتا ہے اور اگر وہ شکر کرتے رہیں تو ان میں اضافہ کرتا ہے۔(تفسیر سعدی: 1/997) (3) اللہ تعالیٰ کسی نعمت کو نقمت میں نہیں بدلتے یعنی اسے ان کے لیے سلب نہیں کرتے یا انہیں عذاب نہیں دیتے۔(ایسر التفاسیر:524)(4) ﴿حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝۱۱﴾ ”اس شخص کے لیے اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے باری باری آنے والے کئی پہرہ دار ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے یہاں تک کہ وہ بدل دیں جو ان کے دلوں میں ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو کوئی اس کو ہٹانے والا نہیں ہوتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے لیے کوئی مددگار ہے۔“(الرعد:11) (5)اس آیت کے الفاظ بڑے وسیع معنی رکھتے ہیں اور اس کے کئی معنی ہوسکتے ہیں مثلاً ایک یہ کہ ”ما“ کو کسی قوم کی خوشحالی پر محمول کیا جائے۔اس صورت میں اس کے معنی ہیں

کہ جو ترجمہ میں کیے گئے ہیں۔ البتہ ﴿مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ کا معنی طرز عمل کے بجائے نیت کا فتور بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی جب تک کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی فرمابردار بن کر رہے، اللہ تعالیٰ اس سے یہ نعمت نہیں چھینتا، پھر جب ان لوگوں کی نیت میں فتور آگیا یا بگاڑ پیدا ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ کی نعمت بھی ان سے چھین لی جاتی ہے۔ اور اگر "ما" کو کسی قوم کی بدحالی اور مصائب پر محمول کیا جائے تو اس کا مطلب ہو گا کہ جو قوم بدحالی اور مصائب کا شکار ہے جب تک وہ خود اپنی اس پریشانی اور بدحالی کو بدلنے کی کوشش نہ کرے گی، اللہ تعالیٰ بھی انہیں اسی حال میں رہنے دیتا ہے اور اس کی بدحالی کو دور نہیں کرتا۔ (تیسیر القرآن: 2/ 161-162) (6) یعنی جب تک کہ وہ اطاعت کے رویے کو بدل کر نافرمانی کا رویہ اختیار نہیں کرتے، پس جب وہ نعمتوں کی ناشکری کرتے اور ان کے بدلے کفر کرتے ہیں، تب اللہ تعالیٰ ان سے ان نعمتوں کو چھین لیتا ہے اور ان نعمتوں کو اس طرح بدل ڈالتا ہے جس طرح انہوں نے اپنے رویے کو بدل ڈالا۔ اس بارے میں اپنے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ حکمت اور عدل واحسان پر مبنی ہے، کیونکہ وہ ان کو عذاب نہیں دیتا مگر ان کے ظلم کے سبب سے، اور بندے اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو ان کو عبرت ناک سزا دیتا ہے، جس سے وہ اپنے اولیاء کے دل اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1/ 997)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کسی سے اپنی نعمتوں کو کب تک نہیں چھینتا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی سے اپنی نعمتیں نہیں چھینتا جب تک بندہ خود اپنی نیت نہیں بدل دیتا۔ (2) جب تک بندہ اپنے طرز عمل کو نہیں بدل دیتا۔ (3) جب تک بندہ اپنے طور طریقوں کو نہیں بدل دیتا۔ (4) جب تک بندے اس کی عطا کی قدر کرتے ہیں ناشکری نہیں کرتے۔ (5) جب بندے شکر گزاری کی بجائے سرکشی اختیار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق نعمتیں چھین لیتے ہیں۔

سوال 3: ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ "اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: بولنے والے جو کچھ بولتے ہیں خواہ وہ آہستہ آہستہ آواز سے بات کریں یا اونچی آواز میں، اللہ تعالیٰ سب کی باتیں سنتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو بندوں کے ضمیر میں مخفی اور ان کی نیتوں میں چھپا ہوا ہے، وہ اپنے بندوں کی تقدیر میں وہی کچھ جاری کرتا ہے جس کا اس کا علم اور اس کی مشیت تقاضا کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1/ 997) (2) اللہ تعالیٰ بندوں سے سنتا اور جانتا ہے تو ان پر غضب ناک ہوتا ہے پھر وہ بدل دیتا ہے جب لوگ بدل جاتے ہیں۔ (تفسیر قاسمی: 8/ 78)

سوال 4: انسان کے بارے میں آج کا مادی تصور کیا ہے؟

جواب: (1) انسان ایک حقیر مخلوق ہے۔ (2) انسان مادی قوانین میں جکڑا ہوا ہے۔ (3) انسان معاشی عوامل کے ہاتھوں مجبور ہے۔ (4) انسان تاریخ کے اصولوں کے سامنے بھی مجبور ہے۔ (5) انسان ترقی کے اصولوں میں بھی مجبور ہے۔

سوال 5: اسلام کے تصور انسان سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے انسان کو معزز بنایا ہے۔ (2) اسلام کے تصور انسان سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو انسان کے لئے مسخر کیا ہے۔ (3) انسان اس کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ (4) انسان کامیاب زندگی گزار سکتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارے۔ (5) انسان اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں بندھا ہوا ہے۔ (6) انسان اپنے اعمال کے لئے اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دہ ہے۔

(7)اللہ تعالیٰ نے انسان کی موت اور زندگی کو اس لیے تخلیق کیا ہے کہ وہ جانچ لے کہ کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۵۴ ﴾

"جس طرح آل فرعون کی اور ان لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے، انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا چنانچہ ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا اور وہ سب لوگ ہی ظالم تھے۔" (54)

سوال 1: ﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ ﴾

"جس طرح آل فرعون کی اور ان لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے ، اُنہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا چنانچہ ہم نے اُنہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ ﴾ فرعون اور اس کی قوم کی عادت کی طرح۔(2) ﴿ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ اور جو لوگ ان سے پہلے تھے جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانیاں آئیں تو انہوں نے انہیں جھٹلا دیا۔(3) اللہ تعالیٰ نے بدر کے مقتولوں کا ذکر کیا ہے کہ ان پر ان کے رب نے انعام کیا کہ محمد ﷺ کو ان کی طرف مبعوث فرمایا: جنہوں نے انہیں ہدایت کی طرف بلایا اور انہوں نے ان کو جھٹلایا اور ان کے خلاف جنگ کا میدان گرم کر دیا۔ ان کی عادت بھی ان سے پہلے کی رسولوں کو جھٹلانے والی امتوں کی طرح ہے اور ان کے کام بھی ان جیسے ہیں۔(جامع البیان: 10/26-27)

سوال 2: آل فرعون اور اس سے پہلے لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرنے کی کیا وجوہات بتائی گئی ہیں؟

جواب:(1) انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا۔(2) انہوں نے کفر کر کے ظلم کیا۔(3) اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے سزا دی۔

سوال 3: ﴿ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ﴾ "چنانچہ ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) آل فرعون اور ان جیسی پہلی قوموں نے جب اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا۔ (2) اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ نعمتیں چھین لیں جو انہیں عطا کی تھیں ان کے باغات ،ان کی نہریں، ان کے ہرے بھرے کھیت، ان کے خزانے اور عزت والے گھر اور وہ ساری نعمتیں جن سے وہ لذت حاصل کرتے تھے۔ وہ سب کچھ برباد کر دیا۔

سوال 4: ﴿ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ ﴾ "اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا اور وہ سب لوگ ہی ظالم تھے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ ﴾ "اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا۔" اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کو اور ان سے پہلی قوموں کو جب ان کے جھٹلانے کی وجہ سے پکڑا تو ان پر عذاب مسلط کر دیا۔ آل فرعون کو رب العزت نے غرق کر دیا۔(2) ﴿ وَ كُلٌّ ﴾ اور ساری ہلاک ہونے والی قومیں۔(3) ﴿ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۵۴ ﴾ وہ سب لوگ ظالم تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی ایسے جرم میں نہیں پکڑا جو انہوں نے نہ کیا ہو۔(4) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جن کی طرف یہ آیات نازل کی ہیں مخاطب کیا ہے کہ ظالم قوموں کی مشابہت اختیار نہ کریں ورنہ اللہ تعالیٰ ویسا ہی عذاب نازل کرے گا جیسا کہ پہلے مجرموں پر نافذ کیا تھا جنہوں نے رب کی آیات کو جھٹلایا۔

سوال5: آل فرعون کے ظلم کیا تھے؟
جواب: آل فرعون حقیقی مالک کو نہ پہچانتے تھے۔ وہ ایک رب کی اطاعت نہ کرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اور آخرت کو نہ مانتے تھے۔ وہ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کے قانون کی بجائے اپنا قانون نافذ کرتے تھے۔ وہ انسانوں کو غلام بناتے تھے۔ وہ انسانوں ،بچیوں اور لونڈیوں کو انسانی حقوق نہ دیتے تھے۔

﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۵ ﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا، سو وہ ایمان نہیں لاتے۔" (55)

سوال1: انسان کے لیے ﴿ الدَّوَآبِّ ﴾ کا لفظ استعمال کر کے کیا تاثر دینا مطلوب ہے؟
جواب: ﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ ﴾ "یقیناوہ بدترین جانور ہیں۔" وہ لوگ بدترین جانور ہیں جو کفر کرتے ہیں، ایمان نہیں لاتے اور عہد شکنی کرتے ہیں، جو بات کرتے ہیں اس پر ثابت قدم نہیں رہتے۔ (2) ﴿ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب جانوروں سے برے ہیں کیونکہ ان کے اندر خیر جو نہیں۔ جانور اپنے مالک کو پہچانتے ہیں، اس کی بات مانتے ہیں مگر یہ اپنے مالک کو نہیں پہچانتے لہٰذا ان کو ہلاک کرنا ضروری ہے تاکہ ان کی بیماری دوسروں میں نہ پھیلے انسانوں کے لیے "دواب" کا لفظ استعمال کر کے یہ تاثر دینا مطلوب ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو حالات ایسے موڑ پر لے آئے ہیں کہ وہ ایمان لانے والے نہیں۔

سوال2: ﴿ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۵ ﴾ " جنہوں نے کفر کیا، سو وہ ایمان نہیں لاتے۔" کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی تصدیق نہیں کرتے اور نہ اس کی وحی کا اقرار کرتے ہیں۔ (جامع البیان: 27/10) (2) اللہ تعالیٰ ان کے حالات کو جانتا ہے اس لیے اس نے خبر دی ہے کہ وہ کفر پر ہی وفات پائیں گے۔ (ایسر التفاسیر: 525)

﴿ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝۵۶ ﴾

"جن لوگوں سے آپ نے عہد باندھا پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے۔" (56)

سوال1: ﴿ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ ﴾ "جن لوگوں سے آپ نے عہد باندھا پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟
جواب: ﴿ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ﴾ "جن لوگوں سے آپ نے عہد باندھا۔" جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عہد باندھا ان کی عادت کے بارے میں رب العزت نے واضح فرمایا کہ ادھر وہ معاہدہ کرتے ہیں اور ادھر توڑ ڈالتے ہیں۔

سوال2: اس آیت سے مراد کون لوگ ہیں؟
جواب: (1) کچھ لوگوں نے کہا بنو قریظہ ہیں۔ (2) کچھ لوگوں نے کہا: بنو نضیر ہیں۔ (3) کچھ لوگوں نے کہا بنو قینقاع ہیں۔ (4) کچھ لوگوں نے کہا: وہ عرب مراد ہیں جو مدینہ کے گرد رہتے ہیں۔ (5) حقیقت یہ ہے کہ اس سے سبھی مراد ہو سکتے ہیں جنہوں نے عہد شکنی کی۔

سوال3: عہد شکن لوگوں کے رویے کو یہاں کس طرح سے بیان کیا گیا ہے؟
جواب: (1) وہ کفر میں دور تک چلے گئے ہیں اور ایمان لانے کا کوئی امکان نہیں۔ (2) ان کی فطرت بگڑ گئی ہے اور وہ بدترین جانور بن گئے ہیں۔ (3) وہ عہد کرتے ہیں اور توڑتے ہیں۔ (4) وہ ایفائے عہد سے آزاد ہو گئے ہیں اس لیے جانوروں کی طرح ہیں۔

سوال4:﴿ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ هُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴾ ”پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) وہ اپنا عہد توڑ ڈالتے اور اس سے نکل جاتے ہیں اور اس عہد کو پورا کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔(2) ﴿ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ ﴾ ہر بار جب وہ عہد کرتے ہیں یعنی ہر بار عہد توڑتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:525) عہد شکنی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے نہ عہد کی کسی ذمہ داری کو قبول کرتے ہیں وہ ادھر معاہدہ کرتے ہیں اور ادھر توڑ ڈالتے ہیں۔(3) ادھر قسم کھائی اور ادھر توڑ ڈالی، ان کو نہ جہانوں کے بادشاہ کا کوئی خوف ہے نہ کسی گناہ کی کوئی پرواہ ہے۔(4) ﴿ وَّ هُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴾ وہ عہد شکنی کے انجام سے نہیں ڈرتے اور اپنے معاہدات کے ساتھ خواہشات کے مطابق کھیلتے ہیں ان کو نہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پرواہ ہے نہ گناہ کی۔

﴿ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴾

”لہٰذا اگر آپ انہیں کسی جنگ میں پائیں تو جو ان کے پیچھے ہیں، ان کے ذریعے مار بھگائیں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔“ (57)

سوال1:﴿ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴾ ”لہٰذا اگر آپ انہیں کسی جنگ میں پائیں تو جو ان کے پیچھے ہیں، ان کے ذریعے مار بھگائیں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ ﴾ ”لہٰذا اگر آپ انہیں کسی جنگ میں پائیں۔“ یعنی اگر آپ انہیں لڑائی میں پائیں تو قرار واقعی سزا دیں۔(2) ﴿ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ ﴾ ”تو جو ان کے پیچھے ہیں، ان کے ذریعے مار بھگائیں۔“ ان کے ذریعے سے دوسروں کو سبق سکھائیں۔ انہیں ایسی سزا دیں کہ لوگوں پر آپ کی دھاک بیٹھ جائے۔ ان کا اتنا خون بہائیں کہ لوگ آپ سے ڈرنے لگ جائیں۔(3) ﴿ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴾ ”تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔“ تاکہ بعد میں آنے والے نصیحت حاصل کریں تاکہ بعد والے خوف کھائیں کہ کہیں ان پر بھی وہی عذاب نازل نہ ہو جائے جو ان پر نازل ہوا تھا۔(4) تاکہ وہ آگے چل کر عہد شکنی نہ کریں یہ سزاؤں اور حدود کے فوائد ہیں۔ سزائیں نافذ ہوتی ہیں تو گناہ نہ کرنے والوں کے لیے عبرت بن جاتی ہیں اور جو گناہ کرتے ہیں وہ اعادہ کرنے سے خوف کھاتے ہیں۔(5) دین کے لیے ہیبت، قوت، خوفناک شان اور رعب ضروری ہے۔(6) دین کے لیے سرکش قوتوں کا مرعوب ہونا ضروری ہے تاکہ اسلام کے پھیلاؤ میں رکاوٹ نہ بنیں۔

سوال2: بدعہدوں کے لیے اتنی خوفناک گرفت اور ہولناک رعب و دبدبہ کی تصویر کشی کیوں کی گئی ہے؟

جواب:(1) بدعہدوں سے کوئی مطمئن نہیں اور کوئی محفوظ نہیں، ان کی سزا ہے کہ انہیں بھی امن اور اطمینان سے محروم کر دیا جائے۔ انہیں خوف زدہ کیا جائے، علاقے سے نکال دیا جائے، ہاتھ توڑ دیئے جائیں تاکہ لوگوں کے لیے عبرت بن جائیں۔ (2) ایسی خوف ناک تصویر کشی کا مقصد یہ بھی ہے کہ یہ سنتے ہی وہ بھاگنے اور اپنا مقام چھوڑنے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔(3) یہ ہدایات اس لیے دی گئیں تاکہ امن قائم ہو جائے اور انسانوں کو اطمینان ہو جائے۔

سوال3: اسلام کا پھیلاؤ کیوں ضروری ہے؟

جواب: انسانی آزادی کے لیے اسلام کا پھیلاؤ ضروری ہے۔

﴿ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴾

”اور اگر آپ کسی قوم کی خیانت سے ڈریں تو آپ (ان کا عہد) برابری کے ساتھ ان کی جانب پھینک دیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔“ (58)

سوال 1:﴿ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ﴾ ”اوراگر آپ کسی قوم کی خیانت سے ڈریں تو آپ(ان کاعہد)برابری کے ساتھ ان کی جانب پھینک دیں۔“کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً ﴾ ”اوراگر آپ کسی قوم کی خیانت سے ڈریں۔“جب آپ کا کسی قوم سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو اور آپ کو ان کی جانب سے خیانت اور عہد شکنی کا اندیشہ ہو۔(2) ﴿ فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ ﴾ ”تو آپ(ان کاعہد)برابری کے ساتھ ان کی جانب پھینک دیں۔“تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو اور انہیں اطلاع دے دو کہ آپ کے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔(3) ﴿ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ﴾ ”برابری کے ساتھ۔“یعنی معاہدہ ٹوٹنے کے بارے میں آپ کا اور ان کا علم برابر ہو جائے۔ آپ کے لیے بد عہدی جائز نہیں نہ ایسی کوشش کرنا جو عہد کی خلاف ورزی کرنے والی ہو کیونکہ معاہدے کو مقررہ مدت تک پورا کرنا واجب ہے۔

سوال 2:مسلمان معاہدات کس لیے کرتے ہیں؟

جواب:معاہدات اس لیے کرتے ہیں تاکہ ان پر عمل کیا جائے۔

سوال 3:اگر مخالف فریق معاہدے کی پابندی کا ارداہ نہ رکھتا ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب:(1)اگر مخالف فریق معاہدے کی پابندی کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اعلانیہ معاہدے کو ختم کر دیں یعنی پیشگی اطلاع دیں کہ اب عہد کی حالت ختم ہو گئی۔(2)سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ روم کی سرحد کی طرف بڑھنے لگے تاکہ معاہدہ کی مدت ختم ہو تو ان سے قریب رہیں اور مدت ختم ہوتے ہی اچانک حملہ کر دیں۔اتنے میں ایک سواری سے ایک بزرگ بولے اللہ اکبر اللہ اکبر معاہدہ پورا کیجئے۔ غداری ٹھیک نہیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ جب تک مدت نہ گزر جائے یا انہیں اطلاع دے معاہدے کو نہ توڑے۔“سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی خبر پہنچ گئی وہ واپس آ گئے۔یہ بزرگ عمرو بن عنبہ تھے۔(مختصر ابن کثیر:1/691)

(3)نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:”جس نے کسی عہد والے کو قتل کر دیا جنت کی خوشبو(بھی)نہ سونگھے گا۔“(صحیح بخاری:1/448) (4) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین اشخاص پر میں دعویٰ کرنے والا ہوں ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر اس نے عذر کیا اور ایک وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گیا اور ایک وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا اس سے کام پورا لے لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔(بخاری:1/302)

سوال 4:﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔“کی وضاحت کریں؟

جواب:اللہ تعالیٰ خیانت کاروں کو جو معاہدہ توڑ ڈالتے ہیں پسند نہیں کرتا اگرچہ کافروں کے ساتھ ہی معاہدہ توڑا جائے۔

سوال 5:اسلام کا خیانت کے بارے میں کیا موقف ہے؟

جواب:اسلام خیانت کے سخت خلاف ہے اعلیٰ مقاصد کے لیے بھی اپنے پیروکاروں کو عہد میں خیانت کی اجازت نہیں دیتا۔

## رکوع نمبر 4

﴿ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝﴾

” اور جن لوگوں نے کفر کیا یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ نکلے یقیناوہ عاجز نہیں کریں گے۔“(59)

سوال 1: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا﴾ "اور جن لوگوں نے کفر کیا یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ نکلے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا﴾ "اور جن لوگوں نے کفر کیا یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ نکلے۔" اس سے مراد وہ کفار قریش ہیں جو بدر کی جنگ میں بھاگ نکلے تھے۔(ایسر التفاسیر:528) (2)رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ کفر کرنے والے یہ گمان نہ کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بھاگ سکتے ہیں۔اس سے سبقت لے جاسکتے ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ سے بازی نہیں لے جاسکتے اللہ تعالیٰ ان کی گھات میں ہے۔(3)اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والوں، کفر کرنے والوں کو اگر سزا نہیں دی جارہی، انہیں مہلت دی جارہی ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہے۔رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝﴾ یا ان لوگوں نے جو برے کام کرتے ہیں یہ گمان کیا ہے کہ وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے؟ بہت برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔(العنکبوت:4) (4)کافروں کو سزا دینے میں اگر جلدی نہیں کی جارہی تو اس میں مومنوں کی آزمائش ہے کہ وہ کس حد تک اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قربانی دے سکتے ہیں۔یہ قربانیاں ہی تو رب کے قرب کا باعث بنتی ہیں جو مشکل حالات میں آزمائشوں میں دی جاتی ہیں۔ان قربانیوں سے ہی مومن بلند درجات تک پہنچتے ہیں۔(5)کافروں کو مہلت دینا مومنوں کی آزمائش ہے۔ان ہی آزمائشوں میں مومن اعلیٰ اخلاق کے حامل بنتے ہیں جن کے بغیر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی جنت تک نہیں پہنچ سکتے۔یقینا کافروں کو ڈھیل دینے میں مومنوں کی آزمائش اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت ہے۔(6) ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝﴾ یا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے، ان کو تنگ دستی اور تکلیف پہنچی اور وہ بری طرح ہلائے گئے یہاں تک کہ رسول بھی اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے کہہ اٹھے اللہ تعالیٰ کی مدد کب ہو گی؟ سن لو یقینا اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہی ہے۔ (البقرہ:214)

سوال 2: اسلام اچھے مقاصد کے لیے اچھے ذرائع اختیار کرنے کے لیے مسلمانوں کو کیسے قائل کرتا ہے؟

جواب: (1) خفیہ مشورے اور بد عہدی کے منصوبے انہیں کامیاب نہیں کر سکتے۔(2) اللہ تعالیٰ مومنوں کی پشت پر ہے۔(3)خیانت کار لوگوں کو اللہ تعالیٰ جب پکڑنا چاہے وہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔(4)خیانت کار لوگ اللہ تعالیٰ سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔(5)اللہ تعالیٰ جب مسلمانوں کی مدد کرنا چاہے تو کافر شکست نہیں دے سکتے۔(6) جو لوگ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنا چاہتے ہیں اور انسانوں کو انسان کی غلامی سے آزاد کروانا چاہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہے۔

سوال 3: ﴿اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝﴾ "یقیناوہ عاجز نہیں کریں گے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) کافر یقینا اللہ تعالیٰ پر بازی نہیں لے جاسکتے۔اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لینے والا ہے۔دنیا میں قتل سے ہو یا آخرت میں آگ کے عذاب سے۔(2)اللہ تعالیٰ پر کوئی غالب نہیں آسکتا اس کو عاجز نہیں کر سکتا۔(3)رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝﴾ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔(النور:52) (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝﴾ اور جن لوگوں نے

کفر کیاان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو ہر گز دھوکے میں نہ ڈالے بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا اور وہ بہت ہی برا بچھونا ہے۔(آل عمران:196,197)

﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ ﴾

"اور جو تم استطاعت رکھتے ہو ان کے (مقابلے) کے لیے، قوت سے اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو، تم اس سے اللہ تعالیٰ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور ان کے علاوہ دوسروں کو خوف زدہ کرو گے، جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو چیز بھی تم خرچ کرو گے وہ پوری پوری تمہاری طرف لوٹا دی جائے گی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔(60)

سوال 1:﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾"اور تیاری کرو جو تم استطاعت رکھتے ہو ان کے (مقابلے) کے لیے ، قوت سے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَ اَعِدُّوْا ﴾ "اور تیاری کرو۔" اپنے دشمنوں، رب کا کفر کرنے والوں کے لیے تیار کرو جو دین اسلام کو باطل ثابت کرنے کے لیے اور تمہیں برباد کرنے کے لیے کوششیں کرتے ہیں۔(2) ﴿ مَّا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ "جو تم استطاعت رکھتے ہو۔" جتنا تمہارے بس میں ہو۔(3)﴿ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ "قوت سے" مختلف قسم کے جنگی اسلحہ میں سے۔(ایسر التفاسیر: 527) قوت سے مراد عقلی، بدنی اور جنگی قوت ہے۔(4) نبی ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر دوبارہ فرمایا: یاد رکھو قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔ (ابن ماجہ) مسلم کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرمایا: قوت سے مراد تیر اندازی ہے ۔ (5) نبی ﷺ نے فرمایا: تیر اندازی اور سواری سیکھو، تیر اندازی سواری سے بہتر ہے۔(مسند احمد) (6) یعنی دشمن کے خلاف جنگ میں جو چیز بھی تمہاری مدد کرے اس کی تیاری کرو۔ اپنی طاقت کے مطابق جنگی قوت قائم رکھو۔(7) یعنی قوت عقلیہ، قوت بدنیہ اور مختلف انواع کا اسلحہ، جو دشمن کے خلاف جنگ میں تمہاری مدد کرے۔ کفار کے خلاف اس تیاری میں وہ تمام صنعتیں آجاتی ہیں جن سے اسلحہ اور آلات حرب بنائے جاتے ہیں، مثلاً توپیں، مشین گنیں، بندوقیں، جنگی طیارے، بری سواریاں، دفاعی سواریاں، دفاعی قلعہ بندیاں، مورچے اور دیگر دفاعی آلات حرب وغیرہ۔ نیز حکمت عملی اور سیاست کاری میں مہلت پیدا کرنا، جس کے ذریعے سے وہ آگے بڑھ سکیں اور دشمن کے شر سے اپنا دفاع کر سکیں۔ نشانہ بازی، شجاعت اور جنگی منصوبہ سازی کی تعلیم حاصل کرنا۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ» سن لو! قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔ کیونکہ عہد رسالت میں تیر اندازی، جنگ کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا۔ نیز ان گاڑیوں کی تیاری، جو جنگ میں نقل و حمل کے کام آتی ہیں، جنگی استعداد میں شمار ہوتی ہیں۔(تفسیر سعدی:1/1000-1001) (8) قوت کا مفہوم بہت وسیع ہے، غرض یہ ہے کہ مسلمان کو دشمنوں کے مقابلہ میں ہر وقت صاحب قوت رہنا چاہیے۔ توپ و تفنگ کے مقابلہ میں توپ و تفنگ اور علم وسنان کے مقابلہ میں علم وسنان، جس طرح کے حالات ہوں، جو ذرائع ہوں، قوت وغلبہ کے حصول کے لیے وہ سب مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے۔ ہر زمانے اور ہر دور میں مسلمان کے پاس قوت کا ایک خزانہ ہو، جس سے وہ دشمنوں کو ڈرا دھمکا سکے۔ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ دشمنوں کے مقابلہ میں خوفناک وخطرناک رہے۔ اگر حصول علم قوت کے مفہوم میں داخل ہو تو سب سے زیادہ علم ہو، اگر ثروت و دولت کے اسلحہ کی حاجت

ہو تو سرمایہ دار بنے۔ اگر سائنس اور علوم جدیدہ قوت کے مفہوم میں داخل ہوں تو پھر ان علوم میں اس کا کوئی ثانی نہ ہو اور اگر مادی قوتیں زیادہ لائق اعتناء ہوں تو ان کا خیال رکھے۔ غرض یہ ہے کہ ہر حال دوسروں کے مقابلہ میں عاجز نہ ہو۔ (سراج البیان:2/436)

سوال2: اسلام جنگی تیاریوں اور سازوسامان کی فراہمی کو ضروری کیوں قرار دیتا ہے؟

جواب: اسلام جنگی تیاریوں اور سازوسامان کی فراہمی کو اس لیے ضروری قرار دیتا ہے کہ (1) قوت کے بل بوتے پر ہی آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔ (2) قوت کی وجہ سے آزادی کا تحفظ ہوتا ہے۔ (3) قوت کی وجہ سے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کروایا جاسکتا ہے۔ (4) یہ جنگی سازوسامان اور تیاریاں دشمن کو خوف زدہ کرتی ہیں جس کی وجہ سے وہ دار الاسلام پر حملے کا سوچ ہی نہیں سکتے۔ (5) قوت کی وجہ سے دشمن مرعوب ہوتا ہے۔ پھر وہ اسلام کا راستہ روکنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ (6) اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے مقابلے میں دوسری قوتوں کو پاش پاش کرنے کے لیے قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔

سوال3: ﴿وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ﴾ ”اور گھوڑے باندھنے سے تم اس سے اللہ تعالیٰ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کروگے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ﴾ ”اور گھوڑے باندھنے سے۔“ اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے فراہم کرو۔ گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں: باعث اجر، باعث پردہ پوشی، باعث گناہ۔ باعث اجر وہ گھوڑے ہیں جنہیں انسان جہاد کے لیے پالتا ہے۔ اگر وہ کسی چراگاہ یا باغ میں باندھ کر چھوڑ دیئے جائیں پھر وہ اپنے حلقے میں جتنے گھاس کے تنکے توڑیں گے پالنے والوں کو اتنی ہی نیکیاں ملیں گی اور اگر رسی توڑ کر کسی ایک یا چند ٹیلوں پر چڑھ جائیں تو ان کے اپنے قدموں کے نشانوں پر اور لید پر بھی نیکیاں ملیں گی اور اگر گزرتے ہوئے کسی نہر پر پانی پی لیں اور مالک نے انہیں پلانے کا ارادہ بھی نہ کیا ہو تو بھی نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ یہ گھوڑے کے مالک کے لیے اجر وثواب کا باعث ہیں۔ اور جس نے سوال سے بچنے کے لیے گھوڑا پالا اور اس کی گردن اور پشت میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی یاد رکھا یہ گھوڑا مالک کے لیے باعث پردہ ہے اور جس نے فخر و مقابلہ کے لیے پالا وہ مالک کے لیے باعث وبال ہے۔ آپ ﷺ سے گدھوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ان کے بارے میں جامع اور بے نظیر آیت اتاری ہے۔ ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝﴾ تو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (الزلزال: 7-8) (مختصر ابن کثیر:1/692) (2) گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں: رحمانی، شیطانی اور انسانی۔ رحمانی وہ گھوڑا ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پالا جائے اس کے چارے، لید اور پیشاب میں ثواب ہے۔ شیطانی گھوڑے وہ ہیں جن سے جوا کھیلا جاتا ہے یا گھوڑ دوڑ کرائی جاتی ہے اور انسانی گھوڑے وہ ہیں جو کمائی کے لیے پالے جاتے ہیں۔ (مسند احمد) (3) نبی ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک بھلائی رکھ دی گئی ہے۔ گھوڑے والوں پر اللہ کی مدد ہوتی ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھوڑا پالا اس کے خرچ کا ثواب لگاتار صدقہ جیسا ہے۔ (طبرانی) (4) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کے پاس کھڑے تھے معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ گھوڑا تمہارے کس کام آتا ہے! فرماتے ہیں میرا خیال کہ اس گھوڑے کی دعا میرے بارے میں قبول کرلی گئی ہے۔ بولے بھلا ایک جانور کی کیا دعا۔ فرمایا: اللہ کی قسم! ہر گھوڑا سحر کو یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے مجھے ایک بندے کے حوالے کیا ہے اور میری روزی اس کے ہاتھ میں رکھی ہے لہذا مجھے اس کی نگاہ میں دنیا کی ہر چیز سے پیارا بنادے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہر عربی گھوڑے

کو سحر کو دو دعائیں کرنے کی اجازت ملتی ہے، وہ کہتا ہے کہ اے اللہ! تو نے مجھے جس بندے کے حوالے کیا ہے مجھے اس کی نگاہ میں ہر چیز سے زیادہ پیارا بنادے۔(نسائی) (5) ﴿ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾ "خوف زدہ کرو تم اس سے اللہ تعالیٰ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو" ان سے مراد تم ان دشمنوں کو ڈراؤ گے جنہیں تم جانتے ہو۔ابن عباسؓ نے کہا: ترھبون سے مراد ہے تم انہیں رسوا کرو گے۔(جامع البیان:10/33) (6) تم ان سے اپنے دشمنوں کو ڈراؤ گے وہ مشرکوں میں سے تمہارے بھی دشمن ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بھی دشمن ہیں۔(جامع البیان:10/31) (7) اس حکم کی علت اس زمانے میں بھی موجود ہے اور وہ ہے دشمنوں کو مرعوب رکھنا۔ حکم کا دارومدار علت پر ہوتا ہے اگر دنیا میں ایسے آلات اور سامان حرب موجود ہوں جن کے ذریعے سے دشمن کو مذکورہ چیزوں سے زیادہ خوف زدہ رکھا جاسکتا ہو یعنی گاڑیاں اور ہوائی جہاز جو جنگ میں کام آتے ہیں اور جن کی ضرب بھی کاری ہے، تو ان کو حاصل کرکے ان کے ذریعے جنگی استعداد بڑھانا فرض ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس سامان حرب کو صنعت کی تعلیم حاصل کئے بغیر، حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو اس کی تعلیم حاصل کرنا بھی فرض ہوگا۔(تفسیر سعدی:1/1000-1001) (8) سامان جنگ و دفاع کرنے کا اصل مقصد قتل و قتال نہیں بلکہ کفر و شرک کو زیر کرنا اور مرعوب و مغلوب کر دینا ہے وہ کبھی صرف زبان یا قلم سے بھی ہو سکتا ہے اور بعض اوقات اس کے لئے قتل و قتال ضروری ہوتا ہے۔ جیسی صورت حال ہو اس کے مطابق دفاع کرنا فرض ہے۔(معارف القرآن:4/273) (9) اللہ رب العزت نے دشمنوں کے مقابلے میں قوت فراہم کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اس سے دشمنوں کو مرعوب اور خوف زدہ رکھا جاسکتا ہے۔

سوال4: ﴿ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ ﴾ "اور ان کے علاوہ دوسروں کو جنہیں تم نہیں جانتے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) مجاھد نے کہا ان سے مراد بنی قریظہ ہیں۔(جامع البیان :10/ 33) (2) اس سے مراد کفار قریش کے ماسوا لوگ ہیں۔(ایسر التفاسیر:527-528) (3) اس سے مراد منافق اور یہودی ہیں۔(تفسیر منیر:5/393) (4) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں سے بعد میں جنگ کریں گے جن کے بارے میں مسلمان نہیں جانتے۔

سوال5: ﴿ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ ﴾ "اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ منافقوں کے دلوں میں کتنا نفاق ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔(ابن ابی حاتم:5/1724) (2) ابن زید کا اس آیت کے بارے میں قول ہے کہ تم ان منافقوں کے بارے میں اس لیے نہیں جانتے کہ انہوں نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کہا اور تمہارے ساتھ جہاد کیا ہے۔(جامع البیان: 10/ 34) (3) اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس لیے اس نے دشمنوں کے خلاف قوت فراہم کرنے اور تیار رہنے کا حکم دیا ہے۔

سوال6: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ ﴾ "اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو چیز بھی تم خرچ کرو گے وہ پوری پوری تمہاری طرف لوٹا دی جائے گی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو بھی خرچ کرو گے کم یا زیادہ۔ (2) ﴿ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ ﴾ "وہ پوری پوری تمہاری طرف لوٹا دی جائے گی۔" یعنی قیامت کے روز تمہارا حق نہیں مارا جائے گا، تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا تمہارا اجر کئی گنا بڑھا کر تمہیں دیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھا کر دیا جائے گا۔رب العزت نے فرمایا: ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ

سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک دانے جیسی ہے جو سات خوشے اگاتا ہے، ہر خوشے میں سو دانے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے کئی گنا بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔(البقرہ:261) (3)سیدنا زید بن خالد راویت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مجاہد کا سامان جہاد دیا اس نے خود جہاد کیا اور جس نے مجاہد کے پیچھے اس کے گھر والوں کی نگہداشت اس کی بجائے کی اس نے جہاد کیا۔(متفق علیہ) (4)سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے مالوں جانوں اور زبانوں سے مشرکوں سے جہاد کرو۔(ابوداؤد، نسائی، دارمی) (5)سیدنا ابو مسعود انصاریؓ کا بیان ہے کہ آدمی ایک اونٹنی جس کے نکیل پڑی ہوئی تھی لے کر آیا اور عرض کیا یہ جہاد کے لئے دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اس کے عوض تجھے سات سو اونٹنیاں ملیں گی سب کی نکیلیں پڑی ہوں گی۔(صحیح مسلم) (6)سیدنا خزیمہ راویت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ خرچ کیا اس کے لیے ساتھ سو گنا "اجر" لکھا جائے گا۔(ترمذی، النسائی) (7)سیدنا عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجاہد کے لیے اس کا اجر ہے اور بنانے والے کے لیے اپنے بنانے کا بھی اجر ہے اور مجاہد کا بھی۔(ابوداؤد) (8)سیدنا عمران بن حصینؓ کی روایت میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے جہاد کے لیے کچھ خرچ بھیجا اور خود اپنے گھر بیٹھا رہا اس کے لئے ہر درہم کے عوض سات سو درہم کا ثواب ہو گا اور جس نے خود جہاد کیا اور خود ہی جہاد میں صرف کیا اس کے لیے ہر درہم کے عوض سات ہزار درہم کا ثواب ہو گا پھر نبی ﷺ نے آیت ﴿ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ پڑھی۔ (ابن ماجہ) (9)سیدنا عبدالرحمن بن حبابؓ کا بیان ہے، میں موجود تھا رسول اللہ ﷺ جیش عسرہ "تبوک کو جانے والے لشکر" کو تیار کرنے اور مدد کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! سو اونٹ جھولوں اور پالانوں سمیت میرے ذمے ہیں۔ نبی ﷺ نے پھر جیش عسرہ کی مدد کی ترغیب دی۔ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، میرے ذمے دو سو اونٹ مع ان کی جھولوں اور پالانوں کے ہیں۔ نبی ﷺ نے پھر اپیل کی، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر کھڑے ہو کر عرض کیا، مجھ پر راہ خدا میں تین سو اونٹ جھولوں اور پالانوں سمیت لازم ہوئے۔ راوی کا بیان ہے میں دیکھ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ممبر سے اتر رہے تھے اور فرما رہے تھے، اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ جو عمل بھی کرے عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کا مواخذہ نہیں ہو گا اس کے بعد عثمان جو عمل بھی کر لے عثمان سے اس کا مواخذہ نہیں۔(ترمذی) (10)سیدنا عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ جیش عسرہ کی تیاری کے وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار اپنی آستین میں لے کر آئے اور لا کر رسول اللہ ﷺ کی گود میں بکھیر دیئے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی گود میں وہ اشرفیاں الٹ پلٹ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے، عثمان اس کے بعد جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہ پہنچے گا "یعنی مواخذہ نہ ہو گا" یہ الفاظ نبی ﷺ نے دو بار فرمائے۔(مسند احمد)(11) ﴿ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ ﴾ تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی تمہارے اجر و ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔

سوال 7: اسلام کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا؟

جواب:(1) اسلام کے دشمنوں کے خلاف جنگ میں سب سے زیادہ جو چیز مدد گار رہتی ہے وہ مال خرچ کرنا ہے اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انفاق کی ترغیب دی ہے۔(2) اسلام انسانی آزادی چاہتا ہے۔(3) اسلام کسی لیڈر کی حکومت کا قیام نہیں چاہتا

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنا چاہتا ہے۔(4) اسلام انسانی نظام حیات نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔(5) اسلام کسی طبقے اور فرقے کی حکومت نہیں چاہتا۔(6) اسلام انسان کو غلام بنانا نہیں چاہتا۔(7) اسلام خام مال پر قبضہ کرنا نہیں چاہتا۔(8) اسلام زمینیں ہتھیانا نہیں چاہتا۔(9) اسلام اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا قیام چاہتا ہے۔(10) اسلام انسانیت کو ہر طرح کی غلامیوں سے نجات دلانا چاہتا ہے۔

سوال 8: اسلام جہاد اور انفاق کو کیسے دنیاوی اغراض سے پاک کر دیتا ہے؟

جواب:(1) اسلام یہ کہتا ہے جو کچھ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا مل جائے گا۔(2) ظلم نہ ہو گا۔ اس طرح اسلام ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خاص کر دیتا ہے۔

﴿ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱ ﴾

" اور اگر وہ صلح کے لیے مائل ہو جائیں تو آپ بھی اس کے لئے مائل ہو جائیں اور آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بلاشبہ وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔"(61)

سوال 1: ﴿ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ ﴾ "اور اگر وہ صلح کے لیے مائل ہو جائیں۔" میں کس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے؟

جواب:(1) ﴿ وَ اِنْ جَنَحُوْا ﴾ اور اگر وہ مائل ہو جائیں۔ اس سے مراد جنگ کرنے والے کفار ہیں۔(2) ﴿ لِلسَّلْمِ ﴾ صلح کی طرف۔(3) یعنی جنگ ترک کرنے اور صلح کی طرف، اس سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ کوئی اپنے دل کو صلح کی طرف مائل کر رہا ہے جیسے کوئی پرندہ اپنے پروں کو نرم کرتا ہے۔ اس سے امن کی طرف میلان کی حقیقت واضح ہو رہی ہے۔

سوال 2: ﴿ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ ﴾ "تو آپ بھی اس کے لیے مائل ہو جائیں اور آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔" اگر لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو اسلام کیا حکم دیتا ہے؟

جواب:(1) اسلام یہ حکم دیتا ہے جو لوگ صلح پر مائل ہوں دشمنی کا اظہار نہ کرتے ہوں اور اسلامی حکومت کے خلاف کاروائی نہ کرتے ہوں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور صلح قبول کر لی جائے۔(2) اس معاملے میں اگر وہ خیانت کریں یا سازش کریں تو مطمئن رہیں اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے۔ اس لیے اس پر بھروسہ رکھیں جو سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

سوال 3: صلح کا مطالبہ کرنے والوں سے صلح کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو چیز وہ طلب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے انہیں دے دو کیونکہ اس میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً(1) ہر وقت طلب عافیت مطلوب ہے اور اگر وہ طلب عافیت میں ابتدا کرتے ہیں تو اس کا مثبت جواب دینا اولیٰ ہے۔ اس سے تمہاری قوتیں جمع ہوں گی اور کسی دوسرے وقت اگر ان کے خلاف جنگ ناگزیر ہو جائے، تو تمہاری یہ جنگی استعداد تمہارے کام آئے گی۔ اگر تم نے صلح کر لی اور ایک دوسرے سے مامون ہو گئے اور ایک دوسرے کے اطوار کی معرفت حاصل کر لی، تو اسلام کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ غالب آتا ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

پس ہر وہ شخص جو عقل و بصیرت سے بہرہ ور ہے اگر وہ انصاف سے کام لیتا ہے تو وہ اسلام کو، اس کے اوامر و نواہی کی خوبی، مخلوق کے ساتھ اس کے حسن معاملہ اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کی بنا پر دوسرے ادیان پر ترجیح دے گا۔ وہ یہ بھی دیکھے گا کہ کسی بھی پہلو سے اس میں کوئی ظلم و جور نہیں اور کثرت سے لوگ اس کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ تب یہ کفار کے خلاف مسلمانوں

کے لیے مددگار ثابت ہوتی ہے۔(تفسیر سعدی: 1/ 1002) (2) ﴿ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ ﴾ ”اور آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔“ صلح میں مسلمانوں کو اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ کافر دھوکہ نہ دے دیں اور یہ کہ صلح سے صرف وقت اور مہلت حاصل کر کے کفار فائدہ نہ اٹھالیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ کافروں کے مکر وفریب کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ان کے لیے کافی ہے اور اگر کوئی مکر کرے گا تو ان کے مقابلے میں مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

سوال4:﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ ”بلاشبہ وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ ﴿ السَّمِيْعُ ﴾ ہے ان کے اقوال کو جانتا ہے۔(2) وہ ﴿ الْعَلِيْمُ ﴾ ہے ان کے احوال وافعال کو جانتا ہے۔ ان کا مواخذہ کر سکتا ہے۔

﴿ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

”اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کافی ہے۔ وہی ہے جس نے اپنی مدد اور مومنوں کے ذریعے آپ کو قوت دی۔“(62)

سوال1:﴿ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ ﴾ ”اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کافی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ ﴾ ”اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں۔“ اے محمد ﷺ! اگر آپ کو ان کی طرف خیانت کا اندیشہ ہو اس اعتبار سے کہ وہ صلح کی طرف مائل ہو کر اور آپ کی طرف جھک کر دھوکہ دینا چاہیں۔(2) سیدنا مجاہد کہتے ہیں کہ وہ قریظہ تھے۔(جامع البیان: 10/ 37) (3) ﴿ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ ﴾ ”تو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کافی ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ وہ کافروں کی ایذاؤں اور ان کے مکر وفریب کے مقابلے میں ان کی مدد کے لیے کافی ہے۔ (4) اللہ تعالیٰ ہی آپ ﷺ کے تمام امور کی نگہبانی کرتا ہے۔ وہی آپ ﷺ کا حامی وناصر، وہی آپ ﷺ کا کفیل ہے۔(5) اسی وعدہ خداوندی کے تحت اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ کو عمر بھر کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ دشمنوں کے دھوکہ فریب سے کوئی گزند پہنچی ہو۔ اسی لئے علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ وعدہ نبی ﷺ کے لیے ایسا ہے جیسا کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کا وعدہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے اپنی نگرانی کرنے والے صحابہ کرام کو مطمئن اور سبکدوش فرما دیا تھا۔ اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا۔(بیان القرآن) اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تسلی دلائی ہے کہ اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں گے تو وہی ہے جو آپ کے لیے کافی ہے۔

سوال2:﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ ”وہی ہے جس نے اپنی مدد اور مومنوں کے ذریعے آپ کو قوت دی۔“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) وہ ذات ہے جس نے آپ ﷺ کی غیبی مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے بدر کی جنگ میں مدد کو یاد دلایا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت سے آپ ﷺ کو قوی کر دیا۔ آپ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلے میں آسمانوں سے آپ ﷺ کے لیے مدد نازل فرمائی۔(3) اللہ تعالیٰ مومنوں کی مدد کرتا ہے وہ مدد کرنے کے لیے کافی ہے۔(4) اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے دور کے ٹکڑے ٹکڑے دلوں کو جوڑ دیا اور ان میں ایسا بھائی چارہ قائم کر دیا جس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔

﴿ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۶۳ ﴾

"اور اس نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی، اگر آپ زمین میں جو بھی ہے وہ سب خرچ کر دیتے تب بھی آپ ان کے دلوں کے درمیان الفت نہ ڈالتے اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی یقیناوہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔"(63)

سوال 1: ﴿ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ ﴾ "اور اس نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ کس سبب سے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوا۔(2) وہ اللہ رب العالمین ہے جس نے دلوں کو جوڑ دیا اور وہ سب اکھٹے ہو گئے ورنہ یہ انسانی کوشش اور طاقت سے بڑھ کر معاملہ تھا۔(3) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کلمے کو ایک کر دیا اس ہدایت کے ساتھ جسے دے کر محمد ﷺ کو ان کی طرف بھیجا ورنہ اس سے پہلے تو وہ عصبیت میں مبتلا تھے۔(تفسیر قاسمی: 8/88)

سوال 2: ﴿ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ ﴾ "اگر آپ زمین میں جو بھی ہے وہ سب خرچ کر دیتے تب بھی آپ ان کے دلوں کے درمیان الفت نہ ڈالتے اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اگر آپ ﷺ دنیا کی ساری دولت خرچ کر کے بھی ان کے دلوں کو جوڑنا چاہتے تو ان کی دشمنی اور شدید نفرت کو دور نہیں کر سکتے تھے۔(2) جاہلیت کے دور سے اوس اور خزرج میں ایسی دشمنی چلی آ رہی تھی اور جنگوں کے ایسے اسباب فراہم ہو گئے تھے کہ ان کی باہمی نفرت اور دشمنی کا سلسلہ کہیں رکتا نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کا تذکرہ فرمایا: ﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۳ ﴾ اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔(آل عمران: 103) (3) اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی روشنی عطا فرما کر یہ سلسلہ ختم فرما دیا تھا۔(4) ایک دفعہ حنین کے غنیمت بانٹنے کے وقت نبی ﷺ نے انصار سے ایک خطبے میں فرمایا: انصاریو! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ کیا میں نے تمہیں نادار نہیں پایا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں مال دار بنا دیا۔ کیا تم آپس میں کٹے ہوئے نہ تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم میں محبت پیدا کر دی۔ انصار ہر سوال کا یہی جواب دیتے رہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ہم پر بڑا بھاری احسان ہے۔(بخاری، مسلم)(5) ﴿ ﴾ آپ ﷺ ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

سوال 3: ﴿ مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ﴾ "یقیناوہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کمال درجہ کا غلبہ رکھتا ہے۔(2) اس نے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے ان کو ایک کلمے پر جمع کر دیا۔ اس نے اپنی عظیم قدرت سے ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔(فتح القدیر: 2/401) (3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے روز کہیں گے کہاں ہیں جنہوں نے میری خاطر ایک دوسرے سے محبت کی آج جس دن کوئی سایہ نہیں میں انہیں اپنے سائے تلے جگہ دوں گا۔(موطا: 2/952) (4) ﴿ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ عزیز ہے کمال درجے کا غلبہ رکھتا ہے وہ دلوں پر غالب ہے اسی لیے اس نے دلوں کو جوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے کمال درجے کی حکمت رکھتا ہے اسی حکمت کی وجہ سے اس نے مومنوں کے دلوں میں اخوت پیدا کی۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾

"اے نبی ﷺ! آپ کو بس اللہ تعالیٰ کافی ہے اور مومنوں میں سے ان کو بھی جو آپ کے پیچھے چلے ہیں۔" (64)

سوال 1: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ "اے نبی ﷺ! آپ کو بس اللہ تعالیٰ کافی ہے اور مومنوں میں سے ان کو بھی جو آپ کے پیچھے چلے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ ﴾ "اے نبی ﷺ! آپ کو بس اللہ تعالیٰ کافی ہے۔" اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ اپنے نبی ﷺ سے اور اپنے اطاعت گزار مومنوں سے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے۔ وہ آپ کا حامی و مددگار ہے۔(2) ﴿ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ "اور مومنوں میں سے ان کو بھی جو آپ کے پیچھے چلے ہیں" اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور اتباع رسول ﷺ کرنے والوں کے لیے ان کی تمام پریشانیوں کے مقابلے میں کافی ہے۔(3) اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کفایت ایمان اور اتباع رسول ﷺ کے ساتھ ہے۔

سوال 2: اے نبی ﷺ! آپ کو بس اللہ تعالیٰ کافی ہے کے الفاظ مومن کے دل پر کیا اثرات چھوڑتے ہیں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ کی ضمانت دل کو اطمینان اور اللہ تعالیٰ پر بھروسے سے بھر دیتی ہے۔(2) مومن پوری طرح سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

## رکوع نمبر 5

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴾

"اے نبی ﷺ! مومنوں کو جنگ پر ابھارو، اگر تم میں سے بیس آدمی صبر کرنے والے ہوں گے وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے وہ ہزار کافروں پر غالب آئیں گے کیونکہ بے شک وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔" (65)

سوال 1: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ ﴾ "اے نبی ﷺ! مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ہر طریقے سے مسلمانوں کو قتال پر آمادہ کریں۔(2) یعنی دشمن سے مقابلہ کرنے کی ترغیب دلائیں اور انہیں جہاد چھوڑنے کے برے انجام سے ڈرائیں۔(3) مومنوں کو ترغیب دلائیں گے تو ان کے عزائم پختہ اور ارادے مضبوط ہوں گے۔(4) قتال کی ترغیب دلانے کے لیے بہادری کے فوائد اور بزدلی کے نقصانات واضح فرمائیں۔(5) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ وَ لَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴾ اور اس قوم کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو، اگر تم تکلیف اٹھاتے ہو تو بلاشبہ وہ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں جیسا کہ تم تکلیف اٹھاتے ہو، اور تم اللہ تعالیٰ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ امید نہیں رکھتے اور

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔(النساء:104) (6) نبی ﷺ نے ترغیب دلائی تو مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ رغبت والا کام جہاد فی سبیل اللہ ہو گیا۔(7) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک صبح یا شام اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنا دنیا ومافیہا سے افضل ہے۔'' (بخاری، مسلم) (8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی مثال، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کی راہ میں جہاد کرنے والا کون ہے۔ ایسے ہے جیسے ہمیشہ کا روزہ دار اور شب زندہ دار۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ اگر اسے موت آگئی تو جنت میں داخل کرے گا یا پھر اسے اجر اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹائے گا۔'' ایک اور روایت میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے گھوڑا پالے اور اس کی وجہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے وعدوں کی تصدیق ہو تو بلاشبہ اس گھوڑے کا کھانا پینا، لید، پیشاب قیامت کے دن اس مجاہد کے ترازو میں (بطور نیکی) رکھے جائیں گے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الجہاد)

سوال 2: نبی ﷺ سے یہ کیوں کہا گیا کہ مومنوں کو قتال پر آمادہ کریں؟

جواب: (1) یہ اس لیے کہا گیا کہ مومن اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کے حریص بن جائیں۔ (2) وہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے چھڑانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ (3) وہ انسانوں کو رب کے راستے پر لانے کے لیے تیار ہو جائیں۔

سوال 3: ﴿ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''اگر تم میں سے بیس آدمی صبر کرنے والے ہوں گے وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے وہ ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب: رب العزت نے مومنوں سے خطاب فرمایا ہے کہ ایک مومن دس کافروں کا مقابلہ کرے گا اگر بیس ثابت قدم ہیں تو دو سو پر غالب آئیں گے اگر سو ہوں گے تو ایک ہزار پر غالب آئیں گے۔

سوال 4: اہل ایمان کی غیر اہل ایمان پر غالب آنے کی وجہ کیا ہوتی ہے؟

جواب: اہل ایمان کے اندر دین کی سمجھ (فقہ) ہوتی ہے اور غیر مومن اس فقہ سے محروم ہوتے ہیں جو ایمان کے نتیجے میں انسان کو حاصل ہوتی ہے۔

سوال 5: ﴿ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴾ ''کیونکہ بے شک وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔'' فقاہت (سمجھ) اور جنگ میں غلبے کے درمیان کیا تعلق ہے؟

جواب: (1) ﴿ بِاَنَّهُمْ ﴾ ''کیونکہ بے شک وہ'' اللہ تعالیٰ نے ایک مومن کو دس پر غالب قرار دیا۔ (2) ﴿ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴾ ''لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔'' ایک کے دس پر غالب ہونے کا سبب یہ ہے کہ کافر ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔ وہ قتال کا مقصد نہیں سمجھتے، وہ دنیا کے غلبے کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ وہ موت سے ڈرتے ہیں۔ (3) انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے کیا ثواب تیار کر رکھا ہے۔ (4) یہ جنگ اعلائے کلمۃ اللہ، دین کے غلبہ، کتاب اللہ کی حفاظت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑی کامیابی کے حصول کے لیے ہے اور یہ تمام امور شجاعت، صبر وثبات اور اقدام علی القتال کے اسباب ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1/1604)

سوال6:مومن کو ایمان کیا دیتا ہے؟

جواب:(1) مومن کو ایمان ایسا شعور دیتا ہے جس کی وجہ سے اسے سارے حقائق اصلی صورت میں نظر آنے لگتے ہیں۔(2) مومن سمجھ جاتا ہے کہ اصل زندگی دنیا کی نہیں آخرت کی ہے۔(3) وہ موت کو جنت میں داخلے کا دروازہ سمجھتا ہے۔(4) وہ شہادت کو جنت کا مختصر راستہ سمجھتا ہے۔(5) اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینا اس کی سب سے بڑی خواہش بن جاتی ہے۔

سوال7:کافر کا نقطہ نظر کیا ہوتا ہے؟

جواب:(1) کافر اندھیروں میں رہتا ہے اس لئے وہ دنیا کو جنت سمجھتا ہے۔(2) وہ دنیا میں رہنا چاہتا ہے تاکہ اپنی جنت سے لطف اٹھائے۔(3) وہ لڑتا بھی ہے تو قومی شعور کے تحت لڑتا ہے اور بے جگری سے نہیں لڑتا۔

سوال8:مومن منفی جذبات سے کیسے پاک ہوتا ہے؟

جواب:مومن اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور آخرت کی فکر کرنے والا ہوتا ہے۔یہی وہ چیز ہے جو اس کو منفی جذبات سے پاک کر دیتی ہے۔ملکی و قومی عصبیت،انتقام،ضد،کفر تعصب اور تکبر سے اوپر اٹھ جاتا ہے۔مقصد کی شناخت کرتا ہے،مقصدیت کی وجہ سے۔

سوال9:مومن اور کافر کے اقدامات میں کیا فرق ہوتا ہے؟

| جواب: مومن کے اقدامات | کافر کے اقدامات |
|---|---|
| 1۔مومن اللہ تعالیٰ کی رضا کے تحت اقدام کرتا ہے۔ | کافر قومی شعور کے تحت اقدام کرتا ہے۔ |
| 2۔مومن جنت کے شعور کے تحت اقدام کرتا ہے۔ | کافر دنیا کے حصول کے لئے اقدام کرتا ہے۔ |
| 3۔مومن حقیقت پسندانہ انداز میں اقدام کرتا ہے۔ | کافر جذباتی انداز میں قدم اٹھاتا ہے۔ |
| 4۔مومن انسانوں کی برائی کا دشمن ہوتا ہے۔ | کافر انسانوں کا دشمن ہوتا |
| 5۔مومن انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کرانا چاہتا ہے۔ | کافر انسانوں کو انسانوں کا غلام بنانا چاہتا ہے۔ |
| 6۔ومن وسعت ظرفی کے ساتھ کام کرتا ہے۔ | کافر تنگ نظری اور تنگ دلی کے ساتھ کام کرتا ہے۔ |

دونوں میں فرق واضح ہے۔

سوال10:کیا ایک آدمی کی دس آدمیوں کے ساتھ نسبت حقیقی اور اصلی ہے؟

جواب:جاننے والے، سمجھنے والے اہل ایمان اور نہ جاننے والے کافروں میں یہ اصلی اور حقیقی نسبت ہے۔

﴿ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۶۶ ﴾

”اب اللہ تعالیٰ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے جان لیا ہے کہ یقیناً تم میں کچھ کمزوری ہے،چنانچہ اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں گے وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو ہزار پر وہ غالب آئیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

سوال1:﴿ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ ﴾ ”اب اللہ تعالیٰ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ جان لیا ہے کہ تم میں کمزوری ہے اس لیے اس نے اپنی حکمت اور رحمت سے اس حکم میں تخفیف کر دی۔

سوال 2: ﴿فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ "چنانچہ اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں گے وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو ہزار پر وہ غالب آئیں گے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے تخفیف کرتے ہوئے یہ طے کر دیا کہ ثابت قدم رہنے والے سو دو سو پر غالب آئیں گے اور ہزار دو ہزار پر غالب آئیں گے۔ (2) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہارے بیس صابروں کو دو سو پر غالب آجانا چاہیے تو یہ مسلمانوں پر گراں گزری۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر یہ فرض کیا ہے کہ ایک مومن دس کافروں کے مقابلہ میں نہ بھاگے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تخفیف کر دی اور فرمایا کہ کم از کم سو کو دو سو کے مقابلہ میں ضرور غالب آنا چاہیے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے شمار میں کمی کر دی تو اتنا ہی مسلمانوں میں صبر بھی کم ہو گیا۔ (بخاری، کتاب التفسیر)

سوال 2: اگر اہل ایمان کمزور اور ناتواں ہو جائیں تب ان کے اور کافروں کے درمیان کیا نسبت ہو گی؟

جواب: کمزوری جاننے اور سمجھنے میں آتی ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں سچا ایمان نہیں اترتا یا ابھی تربیت کے ابتدائی مراحل میں ہوتے ہیں تب بھی ان کے اندر ایک اور دو کی نسبت قائم رہتی ہے۔

سوال 3: ﴿وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۶۶﴾ "اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سعید بن جبیر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کے ذریعے ان کے ساتھ ہے۔ (ابن ابی حاتم: 5/ 1730) (2) اللہ تعالیٰ اپنی تائید و نصرت کے ذریعے صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور صبر اللہ تعالیٰ کی تائید اور مدد کے لیے شرط ہے۔

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۷﴾

"کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں، یہاں تک کہ وہ زمین میں (کافروں کا) خوب خون بہالے،! تم دنیا کا ساز و سامان چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔" (67)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بدر کے دن جنگی قیدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا: "تمہاری ان قیدیوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟" پھر اس حدیث میں پورا قصہ ذکر کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان میں ہر ایک کو یا فدیہ دینا ہو گا یا اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔" سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بجز سہیل بن بیضاء کے کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ اسلام کا ذکر کرتا ہے۔" اس بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چپ ہو رہے۔ مجھے اس دن بہت خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں آسمان سے مجھ پر پتھر نہ برسیں میں اسی خوف میں مبتلا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بجز سہیل بن بیضاء کے" اور قرآن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق یہ آیات نازل ہوئیں۔ ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ.... تا آخر۔ (جامع الترمذی، ابواب التفسیر)

سوال2: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ ”کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں، یہاں تک کہ وہ زمین میں (کافروں کا) خوب خون بہالے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی ﷺ اور مومنوں پر عتاب ہے۔ انہوں نے مشرکوں کو جنگی قیدی بنایا تھا اور معاوضہ لینے کے لیے انہیں اپنے پاس رکھا تھا۔(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى﴾ ”کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں۔“ یعنی نبی ﷺ کے شایان شان نہیں تھا کہ ان کے قبضے میں قیدی رہیں۔(3) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رحمت عالم ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کہ یہ قیدی تمہارے قبضے میں ہیں ان کے بارے میں کیا کیا جائے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر بولے: اے اللہ کے رسول ﷺ! انہیں قتل کر دیا جائے مگر آپ ﷺ نے ان کی طرف توجہ نہیں دی اور فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ نے آج تم کو ان پر قادر بنایا ہے یہی کل تمہارے بھائی تھے۔ پھر سیدنا عمر ﷺ نے کھڑے ہو کر کہا: انہیں قتل کر دیا جائے مگر آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا اور پھر وہی سوال کیا۔ اب کے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری رائے میں تو آپ ﷺ انہیں معاف فرمادیں اور فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کی بے قراری دور ہوئی اور آپ ﷺ نے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(مسند احمد، ابن کثیر)(4) ﴿حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ ”یہاں تک کہ وہ زمین میں (کافروں کا) خوب خون بہالے۔“ کافروں کا خون بہانا اس لیے ضروری تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹانا چاہتے ہیں اور اس کی عبادت ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے انہیں قتل کرنے کے بجائے فدیہ لینا بہت ہی حقیر ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے قیدی بنانے کی مذمت کیوں کی ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ دشمن کا زور ٹوٹ جائے۔(2) ان کے اتنے آدمی قتل ہو جائیں کہ مسلمانوں کی قوت برتر ہو جائے۔(3) پوری کاروائی کرنے سے قبل قیدی بنائے گئے اس لئے مذمت کی گئی۔(4) اللہ تعالیٰ نے قید کر کے رقم لے کے چھوڑنے کی وجہ سے مذمت کی کیونکہ اس کی وجہ سے دشمن کا زور نہیں ٹوٹ سکا اور بعد میں وہ اگلے حملوں کے لئے تیار ہو گئے۔

سوال4: ﴿تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۗ﴾ ”تم دنیا کا ساز وسامان چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۗ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم چاہتے ہو کہ ان کی جان بخش دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔(2) ﴿عَرَضَ الدُّنْيَا ۗ﴾ کی بات اس لیے کی کہ آپ ﷺ ایسی مصلحت کی خاطر جان بخشی نہیں کر رہے جو دین سے متعلق ہو۔(3) ﴿وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ دین کو عزت سے نواز کر، اپنے اولیاء کی مدد کر کے اور دیگر قوموں پر انہیں غلبہ بخش کر اہل ایمان کے لئے آخرت کی بھلائی چاہتا ہے۔ پس وہ انہیں انہی امور کا حکم دیتا ہے جو اس منزل مراد پر پہنچاتے ہیں۔(تفسیر سعدی: 1/1006-1007)

سوال5: اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مومنوں کے ارادے میں کیا فرق آ گیا تھا؟

جواب: اللہ تعالیٰ آخرت کی بھلائی کا ارادہ رکھتے تھے۔ مومن دنیا کے مفادات کا ارادہ رکھتے تھے۔

سوال6: آخرت کی بھلائی کب مل سکتی ہے؟

جواب: جب دنیا کے مفادات کو ترک کر دیا جائے۔

سوال 7:﴿ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۶۳ ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کمال غلبہ رکھتا ہے جنگ کے بغیر بھی غلبہ دے سکتا ہے، فتح عطا کر سکتا ہے۔ وہ حکیم ہے ایک دوسرے کے ذریعے آزماتا ہے۔

﴿ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۶۸ ﴾

”اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھی ہوئی بات نہ ہوتی، جو پہلے طے ہو چکی تھی تو اس کی وجہ سے جو تم نے لیا تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔“

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان روایت کیا ہے کہ غنیمتیں حلال نہیں تھیں اور تم سے پہلے کسی بھی جماعت کیلئے یہ حلال نہیں تھی، آسمان سے آگ آتی تھی اور وہ انہیں کھا جاتی تھی، غزوہ بدر کے دن تم لوگ اس کے حلال ہونے کے اعلان سے پہلے ہی اس میں گھس پڑے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ ﴿ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ ﴾ لولا کتاب من اللہ سبق یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا الخ۔ (تفسیر ابن عباس: 1/500)

سوال 2: ”اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھی ہوئی بات نہ ہوتی، جو پہلے طے ہو چکی تھی۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ کی قضاو قدر پہلے مقرر نہ ہوتی، تو تم سے عذاب کو نہ ہٹایا جاتا۔

سوال 3: ﴿ لَمَسَّكُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۶۸ ﴾ ”تو اس کی وجہ سے جو تم نے لیا تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) بدر کے دن قیدیوں سے جو فدیہ لیا اس کے بدلے میں تمہیں دردناک عذاب دیتا۔ (2) اگر عذاب ملتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہ بچتا۔ (الدر المنثور: 3/366)

سوال 4: بدر کے قیدیوں کے بارے میں غلط فیصلے کے باوجود مسلمان بڑے عذاب سے کیسے بچ گئے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کے نامناسب طرز عمل کے باوجود عظیم عذاب سے بچا لیا اس لیے کہ اس نے پہلے سے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ اہل بدر کی غلطیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

﴿ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۶۹ ﴾

”سو جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس میں سے کھاؤ، حلال اور پاک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“ (69)

سوال 1: ﴿ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ ﴾ ”سو جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس میں سے کھاؤ، حلال اور پاک ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے یہ واضح فرمایا کہ ام الکتاب میں یہ بات لکھی جا چکی کہ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت حلال ہے۔ اس سے پہلے کسی امت پر مال غنیمت کو حلال نہیں کیا گیا۔ (2) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہ دی گئی تھیں۔ (الف) مجھے ایک مہینے کی مسافت پر رعب کے ذریعے مدد دی گئی۔ (ب) پوری زمین میرے لیے مسجد بنا دی گئی اور پاک بنا دی گئی، پس میری امت میں سے جس شخص پر (جہاں بھی) نماز کا وقت ہو جائے اسے چاہئے کہ (اسی مقام

پر)نماز پڑھ لے۔(ج)میرے لیے غنیمت کے مال حلال کر دیے گئے ہیں اور مجھ سے پہلے کسی(نبی) کے لیے حلال نہ کیے گئے تھے۔(د)مجھے شفاعت کی اجازت دی گئی۔(ہ)ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا جب کہ میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔(بخاری:332، مسلم:1158)

سوال2:﴿ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۹ ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ ﴾ اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کے روکے ہوئے سے رک جاؤ اور اس سے ثواب کی امید رکھ کر نیک کام کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔(2) اللہ تعالیٰ کے احکامات میں اس کی مخالفت سے بچ جاؤ۔(3) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا۔“ جو توبہ کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔(4) ﴿ رَّحِيْمٌ ۝۶۹ ﴾ ”نہایت رحم والا ہے۔“ اس کی رحمت ہے کہ اس نے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔

## رکوع نمبر6

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۰ ﴾

”اے نبی! تمہارے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی معلوم کرے گا تو جو (فدیہ) تم سے لیا گیا ہے وہ اس سے بہتر تمہیں دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“

سوال1:﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ ﴾ ”اے نبی ﷺ! تمہارے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ ﴾ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے نبی ﷺ! (2) ﴿ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ ﴾ ” تمہارے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو۔“ اس سے مراد بدر کے جنگی قیدی ہیں جن سے فدیہ لیا گیا۔ یہ آیت کریمہ اسیر ان بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جب رہائی کے عوض ان سے فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ انہوں نے اس سے قبل اسلام قبول کیا ہوا تھا، مگر مسلمانوں نے ان سے فدیہ کو ساقط نہ کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی اور ان لوگوں کی دل جوئی کی خاطر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی جو اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں۔ فرمایا: یعنی جو مال تم سے لیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے بدلے خیر کثیر عطا کرے گا۔ (تفسیر سعدی: 1/ 11008) (3) بدر کے قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس اور آپ ﷺ کے داماد ابو العاص اور آپ ﷺ کے چچازاد بھائی نوفل اور عقیل بھی شامل تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ابو العاص رضی اللہ عنہ کو چھڑانے کے لیے آپ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے مکہ سے ایک ہار بھیجا جو انہیں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔ اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ پر رقت طاری ہو گئی اور آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ”اگر تم راضی ہو تو میں زینب کے قیدی کو یہ ہار لیے بغیر رہا کر دوں؟“ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے بخوشی منظور کر لیا پھر آپ ﷺ نے اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فدیہ طلب فرمایا: تو وہ کہنے لگے میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آپ کا وہ مال کہاں ہے جسے آپ نے اور آپ کی

بیوی ام الفضل نے مل کر زمین میں دفن کیا ہے؟" یہ سنتے ہی سیدنا عباسؓ بولے: بے شک آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس لیے کہ اس سونے کا میرے اور ام فضل کے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔" پھر سیدنا عباسؓ نے اپنا اور اپنے دو بھتیجوں کا اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ ادا کیا۔ (ابن کثیر)

سوال 2: اسلام قیدیوں سے کیا چاہتا ہے؟

جواب: (1) اسلام قیدیوں کے دلوں میں بھی بھلائی تلاش کرتا ہے۔ (2) اسلام ان کی فطرت کو بے دار کرنا چاہتا ہے۔ (3) اسلام ان کو امید کی کرن دکھاتا ہے تاکہ ان کے دل ایمان کے نور سے بھر جائیں۔ (4) اسلام چاہتا ہے کہ ماضی کے مقابلے میں ان کا مستقبل سنور جائے۔

سوال 3: اسلام قیدیوں کے بارے میں کیا نہیں چاہتا؟

جواب: (1) اسلام قیدیوں سے انتقام نہیں لینا چاہتا۔ (2) اسلام قیدیوں کا استحصال نہیں کرنا چاہتا۔ (3) اسلام قیدیوں کو ذلیل نہیں کرنا چاہتا۔

سوال 4: ﴿ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ﴾ "کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی معلوم کرے گا تو جو (فدیہ) تم سے لیا گیا ہے وہ اس سے بہتر تمہیں دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں بھلائی یعنی اسلام دیکھے گا۔ (جامع البیان: 10/51) (2) یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایمان صادق اور خالص ایمان دیکھے گا۔ (ایسر التفاسیر: 531) (3) وہ تمہارے دلوں میں خالص ایمان اور نیت کی صحت دیکھے گا۔ (الاساس: 4/2198) (4) ﴿ يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ ﴾ "تو جو (فدیہ) تم سے لیا گیا ہے وہ اس سے بہتر تمہیں دے گا۔" جو تم سے فدیہ لیا گیا اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمہیں خیر کثیر عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عباسؓ سے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس کے بعد انہیں بہت زیادہ مال حاصل ہوا حتیٰ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت زیادہ مال آیا۔ سیدنا عباسؓ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے کپڑے میں جتنا مال اٹھا سکتے ہیں لے لیں۔ انہوں نے اتنا مال لیا کہ ان سے اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔ (تفسیر سعدی: 1/1008) (5) ﴿ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ﴾ "اور تمہیں بخش دے گا۔" یعنی تمہارا اللہ تعالیٰ اور رسول کا کفر کرنے جیسے گناہ پھر اللہ تعالیٰ اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے جیسے گناہوں کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ (ایسر التفاسیر: 531-532)

سوال 5: یہاں خیر سے کیا مراد ہے؟

جواب: خیر سے مراد ایمان ہے۔

سوال 6: ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ "اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ ﴾ اللہ تعالیٰ غفور ہے جب بھی بندے اس سے توبہ کرتے ہیں وہ گناہ بخش دیتا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ ﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ ہے وہ ان سے توبہ کے بعد مؤاخذہ نہیں کرتا، انہیں سزا نہیں دیتا۔ (جامع البیان: 10/51)

﴿ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

اور اگر وہ آپ سے خیانت کا ارادہ کریں تو بے شک پہلے اللہ تعالیٰ سے بھی انہوں نے خیانت کی تو اس نے ان پر قابو دے دیا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔(71)

سوال 1:﴿ وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ﴾ "اور اگر وہ آپ سے خیانت کا ارادہ کریں تو بے شک پہلے اللہ تعالیٰ سے بھی انہوں نے خیانت کی تو اس نے ان پر قابو دے دیا۔" خیانت سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿ وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ ﴾ "اور اگر وہ آپ سے خیانت کا ارادہ کریں۔" اگر وہ آپ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کی کوشش کر کے خیانت کرنا چاہیں۔(2) ﴿ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ ﴾ "تو بے شک پہلے اللہ تعالیٰ سے بھی انہوں نے خیانت کی۔" انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بدر کے واقعے سے پہلے بھی مخالفت کی ہے۔(3) ﴿ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ﴾ "تو اس نے ان پر قابو دے دیا۔" اللہ تعالیٰ نے بدر میں مومنوں کو کافروں پر قابو دے دیا۔(4) رب العزت نے انہیں خیانت کرنے سے روکا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ خیانت کرنے سے بچیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قابو میں ہیں۔

سوال 2: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیانت کرنے سے بچانے کے لیے قیدیوں کو کیا دعوت دی گئی؟

جواب: قیدیوں کو دعوت دی گئی کہ غور کریں پہلی خیانت کے کیا نتائج نکلے کہ اب وہ مسلمانوں کی قید میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے دوبارہ خیانت کرنے سے باز آجائیں۔

سوال 3:﴿ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ ﴾ "اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ پر ہے ہر چیز کا علم رکھتا ہے وہ لوگوں کے ارادوں کا بھی علم رکھتا ہے اور جانتا ہے کس کے دل میں کیا ہے۔(2) اللہ تعالیٰ پر ہے وہ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھتا ہے۔ اس نے اپنے علم و حکمت کے ذریعے سے یہ احکامات نازل فرمائے اور تمہاری کفایت کا ذمہ لیا۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا ۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ ﴾

"بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا، اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی، یہ لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تمہارے لیے ان کی دوستی میں سے کچھ نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تو مدد کرنا تم پر لازم ہے، مگر ایسی قوم کے خلاف نہیں کہ ان کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔"

سوال 1:﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ﴾ "بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا، اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی، یہ لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے رشتہ ولایت اور محبت کی وضاحت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ رشتہ انصار اور مہاجرین کے درمیان قائم کیا۔ ان میں مہاجرین کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایمان لائے، انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اور دوسری طرف انصار جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو پناہ دی۔ اپنے گھر، مال اور ان کے دیگر معاملات میں ان کی مدد کی۔ یہ سب لوگ ایمان اور ایک دوسرے کے ساتھ مکمل ہم آہنگی کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔

سوال 2: سچا ایمان کیسے نصیب ہو سکتا ہے؟

جواب: (1) مہاجر ہونے کی صورت میں۔ (2) مہاجرین کے لیے انصار ہونے کی صورت میں۔

سوال 3: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا﴾ ”اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تمہارے لیے ان کی دوستی میں سے کچھ نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: رب العزت نے وضاحت فرمائی ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لا کر ہجرت نہیں کی اور ایسے وقت میں ولایت کا رشتہ قائم نہ کیا جب کہ تمہیں ان کی مدد کی ضرورت تھی، انہوں نے ہجرت نہیں کی اس لیے وہ مومنوں کے ولی نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔

سوال 4: جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی ان کو ولایت کا حق کیوں نہ دیا گیا؟

جواب: جو لوگ ہجرت کر کے نہیں آئے تھے وہ اسلامی معاشرے کے ممبر نہیں بنے تھے اس لیے ان کی ذمہ داریاں اسلامی معاشرے پر عائد نہیں کی گئیں۔

سوال 5: ﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ ”اور اگر وہ دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تو مدد کرنا تم پر لازم ہے، مگر ایسی قوم کے خلاف نہیں کہ ان کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو۔“ جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی ان پر دشمن کی دست درازی کی صورت میں مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے؟

جواب: (1) ﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ ”اور اگر وہ دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تو مدد کرنا تم پر لازم ہے۔“ دین کے معاملے میں مدد مانگنے کی صورت میں مدد کرنا فرض ہے اگر وہ کسی اور مقصد کے لیے جنگ کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا واجب نہیں۔ ﴿اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جن سے تمہارا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو۔ اگر وہ مومن جنہوں نے ہجرت نہیں کی ان کے خلاف جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو مومنوں کی مدد نہ کرو کیونکہ تمہارا اور ان کا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے۔

سوال 6: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ”اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال، احوال اور رویوں کو دیکھتا ہے اس لیے اس کی حدود کو توڑنے سے بچو۔ (2) اللہ تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت نہ کرو۔ (تفسیر قاسمی: 8/106)

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾

”اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اگر تم یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بہت بڑا فساد ہو گا۔“

سوال 1: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔“ کافروں کے درمیان تعلق کو قرآن حکیم نے کیسے واضح کیا ہے؟

جواب: اللہ رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ مومنوں کے مقابلے میں کافروں کو ان کے کفر نے اکٹھا کر دیا ہے۔ اس لیے وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ ایک دوسرے کے ولی ہیں، ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اسلام کے مقابلے میں وہ اپنے آپ کو ایک محاذ تصور کرتے ہیں۔

سوال 2: ﴿اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾ "اگر تم یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بہت بڑا فساد ہو گا۔" مسلمان اگر اپنے اجتماعی وجود کی بنیاد گہری اخوت پر نہیں رکھتے اور کافروں سے دشمنی نہیں رکھتے تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟

جواب: (1) اللہ نے واضح فرمایا ہے کہ مسلمان اگر مومنوں سے موالات اور کافروں سے عداوت نہیں رکھیں گے، اگر کافروں سے دشمنی اور اہل ایمان کی حمایت نہیں کریں گے تو ملکوں میں فتنہ برپا ہو گا۔ (2) ﴿تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾ "تو زمین میں بڑا فتنہ اور بہت بڑا فساد ہو گا۔" یعنی مومنوں اور کافروں کے مل جانے سے، حق اور باطل کا فرق اٹھ جانے سے ایسی برائیاں، ایسے فتنے، ایسے بڑے فسادات جنم لیں گے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا مثلاً جہاد اور ہجرت ختم ہو جائیں گے۔ شریعت اور دین کے مقاصد ہی ختم ہو جائیں گے۔ (3) نبی ﷺ نے فرمایا: دو مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے نہ مسلمان کافروں کے وارث ہوں گے نہ کافر مسلمانوں کے۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مستدرک حاکم) (4) نبی ﷺ نے ایک نو مسلم سے اقرار کروایا کہ نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور جب شرک کی آگ بھڑکتے دیکھو تو جہاد کے لیے تیار رہنا۔ (5) جو مشرکوں میں رہتا بستا ہو اور اٹھتا بیٹھتا ہو ان ہی کی مانند ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1/699)

سوال 3: کافر ایک دوسرے کے ولی کیسے ہیں؟

جواب: مختلف مذاہب کے لوگوں کی اصل ایک ہے جو اسلام دشمنی ہے۔ جو لوگ بھی اسلام قبول نہیں کرتے ہیں، اسلام دشمنی میں یکجا ہوتے ہیں لہٰذا وہ اصل پر نہیں ہیں۔

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾

"اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی، وہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے بخشش اور باعزت رزق ہے۔"

سوال 1: ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ "اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی، وہی لوگ سچے مومن ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ رب العزت نے ان لوگوں کی مدح کی ہے۔ ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر ایمان لائے اور اس کے وعدوں اور وعیدوں کی تصدیق کی۔ (2) ﴿وَ هَاجَرُوْا﴾ اور انہوں نے اپنے گھر بار چھوڑے اور مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ سے آملے۔ (ایسر التفاسیر: 2/53) (3) ﴿وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ "اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔" یعنی دین کی ذمہ داری

کو پورا کیا۔(4)﴿ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا ﴾ یعنی جنہوں نے پناہ دی اور مہاجرین کی مدد کی۔(5) ﴿ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ﴾ ”وہی لوگ سچے مومن ہیں۔“ وہی سچے مومن ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے ایمان کی تصدیق کی۔(6) وہی لوگ ایمان میں کامل ہیں۔(فتح القدیر:2/413)

سوال2: ایمان کی حقیقی صورت کیا ہے؟

جواب: ایمان کی حقیقی صورت اجتماعی معاشرے کی شکل میں وجود میں آتی ہے۔جب ایمان والے اجتماعیت کی شکل اختیار کرتے ہیں تو دین کی حقیقت وجود میں آجاتی ہے۔

سوال3: ﴿ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ ﴾ ”ان کے لیے بخشش اور باعزت رزق ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ﴾ ان کے گناہوں کی ستر پوشی ہے اور ان سے مؤاخذہ نہیں ہو گا۔(2) ﴿ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ ﴾ اور ان کے لیے ان کے رب سبحانہ وتعالیٰ کے پاس جنت کی نعمتیں ہیں۔(ایسر التفاسیر:533) (3) اور ان کی لغزشیں اور گناہ ختم ہو جائیں گے اور ان کے لیے نعمت بھری جنتوں میں کثیر بھلائیاں ہیں۔

سوال4: یہاں رزق کریم کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وضاحت کریں؟

جواب: یہاں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد، انفاق، پناہ گاہ فراہم کرنا، مدد کرنا اور دوسری مشکلات کا ذکر ہو رہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے رزق کریم کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ ان سب کاموں سے اوپر اس کا صلہ ہے، اس کا اجر ہے، مغفرت اور رزق کریم ہے۔

﴿ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ مِنْكُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ ﴾

”اور جو اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور انہوں نے تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ تم ہی میں سے ہیں اور رشتے دار اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“ (75)

سوال1: ﴿ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ مِنْكُمْ ؕ ﴾ ”اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا تو وہ تم ہی میں سے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) جو لوگ رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے بعد آئے یعنی ان کے نقش قدم پر چلے ان کا آخرت میں بہترین انجام ہو گا کیونکہ وہ ایمان اور اعمال صالحہ میں پہلے لوگوں جیسے تھے۔آخرت میں بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔(2) ان بعد والوں میں اسلام لانے، ہجرت کرنے اور جہاد میں شامل ہونے والوں کے قانونی حقوق بالکل وہی ہوں گے جو ﴿ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ ﴾ کے بارے۔کیونکہ اب یہ سب ایک برادری سے منسلک ہو چکے ہیں۔تقدیم و تاخیر کی وجہ سے ان کے فرائض و حقوق میں کوئی فرق نہ ہو گا۔معاہدات میں برابر کے شریک ہوں گے، صلح و جنگ اور وراثت وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔(تیسیر القرآن:2/174) (3) ان کے وہی حقوق ہیں جو تمہارے حقوق ہیں اور ان کے ذمے وہی فرائض ہیں جو تمہارے ذمے ہیں۔ایمان پر مبنی یہ موالات اسلام کے ابتدائی زمانے میں تھی۔اس کی بہت بڑی وقعت اور عظیم شان ہے۔حتیٰ کہ نبی مصطفیٰ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان جو اخوت قائم کی تھی، وہ خاص اخوت تھی جو اخوت عامہ و ایمانیہ کے علاوہ ہے، حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بنے۔پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی۔(تفسیر سعدی:1/1011)

سوال2: ﴿ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ”اور رشتے دار اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ”اور رشتے دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔“ میت کی وراثت صرف انہی لوگوں کو ملے گی جو اصحاب الفروض ہیں یا وہ میت کا عصبہ ہیں۔ اگر میت کا عصبہ اور اصحاب الفروض موجود نہ ہوں تو ذوالارحام میں سے وہ لوگ وارث بنیں گے جو رشتہ میں میت کے سب سے زیادہ قریب ہیں جیسا کہ آیت کریمہ کا عموم دلالت کرتا ہے۔“ (تفسیر سعدی:1/ 1011) (2) ﴿ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی کتاب میں۔“ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے فیصلوں میں جو لوح محفوظ میں مدون ہیں۔(ایسر التفاسیر: 534-535)

سوال3: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ ”یقینا اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔ اس کا علم وسیع ہے ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔(2) یہ جملہ وعدہ اور وعید لیے ہوئے ہے۔ وعدہ اہل ایمان سے اطاعت کی وجہ سے اور وعید اہل شرک اور نافرمانوں کے لیے۔(ایسر التفاسیر: 533-534) (3) اللہ تعالیٰ انسانوں کے تمام معاملات کو جانتا ہے۔ اس نے انسانوں کی ضرورت کے مطابق احکامات دیے ہیں۔

سوال4: رشتہ داریوں کو اسلامی معاشرے کے قیام کے بعد کیسے فطرت کے مطابق قائم کیا گیا؟

جواب: اسلامی معاشرے کے قیام کے بعد اجتماعی کفالت، دیت کی ادائیگی اور وراثت کے تعلقات کو رشتہ داری کی طرف لوٹا دیا گیا۔

# سورۃ التوبہ

سوال 1: سورۃ التوبہ کب نازل ہوئی؟ اس کی کتنی آیات اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب: (1) سورۃ التوبہ مدنی سورت ہے۔ اس کی 129 آیات اور 16 رکوع ہیں۔ (2) مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ نویں سورت ہے اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے 113 نمبر کی سورت ہے۔ (3) یہ سورۃ غزوۂ تبوک سے واپسی پر زمانہ حج سے قبل 9 ہجری میں نازل ہوئی۔ (مختصر ابن کثیر: 1/700)

سوال 2: سورۃ التوبہ کا موضوع کیا ہے؟

جواب: (1) اس سورت کے کثیر نام ہیں اور اس کے نام ہی دراصل اس کے موضوعات ہیں۔ اس سورت کے نو (9) نام ہیں۔ (زادالمیسر: 3/265) (2) اس سورت کے 14 ناموں کا تذکرہ تفسیر قاسمی میں ملتا ہے۔ اس کا نام براءۃ ہے۔ اسی سے اس سورت کا آغاز ہو رہا ہے۔ سورت کے آغاز میں ہی مشرکوں سے اظہار براءت کر کے انہیں چار ماہ کی مہلت دی گئی اور اس کے بعد ان کے ساتھ معاہدے ختم کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ (3) اس سورت کا نام التوبہ ہے۔ اس میں توبہ کی تکرار ہے اور غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے تین مومنوں کی توبہ کا تذکرہ بھی ہے۔ (4) یہ سورۃ الفاتحہ فضیحت کرنے والی ہے۔ سعید بن جبیرؓ نے بیان کیا ہے کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے سورۃ التوبہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ سورۂ توبہ کی ہے یا فضیحت کرنے والی ہے اس سورت میں برابر یہی اترتا رہا بعض لوگ ایسے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں یہاں تک کہ لوگوں کو گمان ہوا یہ سورت کسی کا کچھ بھی نہیں چھوڑے گی بلکہ سب کے بھید کھول دے گی۔ سورۃ الانفال کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ یہ جنگ بدر کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ میں نے سورۃ الحشر کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ قبیلہ بنو نضیر کے یہود کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر: 4882) (5) اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو جہاد کے لیے نکلنے کی ترغیب دی ہے۔ (6) اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی حقیقت واضح کی ہے کہ وہی حقیقی اسلام دشمن اور اسلام کے خلاف بغض رکھنے والے ہیں۔ (7) اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے صدقات واجبہ کی تقسیم بیان کی ہے۔ (8) اس سورت میں اہل ایمان کی محبت، موالات اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار ہونے کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔ اس سورۃ میں اہل ایمان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سودا چکانے کے معاملے کو واضح کیا گیا ہے۔ (9) سورت کے اختتام پر بعثت رسول اللہ ﷺ کے احسان عظیم کا ذکر کیا گیا ہے۔

سوال 3: سورۃ التوبہ کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: ابو عطیہ ہمدانی راوی ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لکھ کر بھیجا سورہ برات "خود" سیکھو اور اپنی عورتوں کو سورئہ نور سکھاؤ۔ (تفسیر مظہری: 5/120)

سوال 4: اس سورت کے آغاز میں بسم اللہ کیوں نہیں؟

جواب: (1) اس سورۃ کے شروع میں بسم اللہ اس لیے نہیں لکھی گئی کہ مصحف امام میں بسم اللہ لکھی ہوئی نہ تھی اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پیروی کی۔ (2) ترمذی میں ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے آپ نے سورہ انفال کو جو مثانی میں سے ہے اور سورۃ براۃ کو جو مئین میں سے ہے ملا دیا ان کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی اور پہلے کی سات لمبی سورتوں میں انہیں رکھیں، آپ نے جواب دیا کہ بسا اوقات نبی ﷺ پر ایک ساتھ کئی سورتیں اترتی تھیں اس

آیت کو فلاں سورت میں رکھ دو جس میں یہ ذکر ہے سورہ انفال مدینہ شریف میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی اور سورۃ براۃ سب سے آخر میں اتری تھی بیانات دونوں کے ملتے جلتے تھے مجھے ڈر لگا کہیں یہ بھی اس میں نہ ہو نبی ﷺ کا انتقال ہو گیا آپ نے ہم سے نہیں فرمایا کہ یہ اس میں سے ہے اس لئے ان دونوں صورتوں کو متصل لکھیں اور ان کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی اور ساتھ پہلے لمبی سورتوں میں انہیں رکھا۔(ابن کثیر:2/319)

## رکوع نمبر7

﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾

"بری الذمہ ہونے کا اعلان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکوں کی طرف جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔"

سوال 1: ﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ ﴾ "بری الذمہ ہونے کا اعلان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب سے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے مشرکوں سے اظہار براءت ہے یعنی دست برداری کا اعلان ہے۔

سوال 2: ﴿ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ "ان مشرکوں کی طرف جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) یعنی جن مشرکوں سے تم نے عہد و پیمان باندھے تھے۔(2) اس اصول کا اطلاق جزیرہ عرب میں قائم اسلامی حکومت اور مشرکین کے درمیان جو معاہدے تھے ان پر ہوا تھا۔

سوال 3: اس آیت میں معاہدات کو ختم کرنے کی بات کی گئی ہے منسوخی کا اطلاق کن کن معاہدوں پر تھا؟

جواب: اس کا تعلق اس معاہدے سے ہے جس کا کوئی وقت متعین نہ تھا یا اس معاہدے سے جو چار ماہ سے کم تھا۔ البتہ جن کا معاہدہ طویل تھا وہ بدستور باقی رہا۔ کیونکہ ارشاد ہے: ﴿ فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ﴾ تو ان کے ساتھ ان کا معاہدہ ان کی مدت تک پورا کرو۔(التوبہ:4) حدیث میں ہے کہ اگر کسی کا اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ معاہدہ ہے تو وہ پوری مدت تک رہے گا۔(مختصر ابن کثیر:1/701)

سوال 4: معاہدات کی منسوخی کے ساتھ اور کیا ہدایات دی گئیں؟

جواب:(1) آئندہ مشرکوں کو بیت اللہ کا طواف کرنے کی اجازت نہیں نہ ہو گی۔(2) آئندہ مشرکوں کو بیت اللہ یا دوسری مساجد کی تعمیر میں حصّہ نہیں لینے دیا جائے گا۔

سوال 5: رسول اللہ ﷺ نے معاہدات کی منسوخی کا اعلان کیسے کروایا؟

جواب: ترمذی کی کتاب التفسیر میں نقل کیا گیا کہ جب سورت توبہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے چار باتوں کے اعلان کے لیے بیت اللہ میں آدمی بھیجا۔(1) بیت اللہ میں کوئی شخص ننگا طواف نہ کرے۔(2) کوئی مشرک آج کے بعد بیت اللہ میں نہ آئے۔(3) رسول اللہ ﷺ اور جس قوم کے درمیان معاہدے ہیں وہ اپنی مدّت تک رہیں گے۔(4) جنت میں مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور شخص داخل نہ ہو گا۔

﴿ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

"چنانچہ تم لوگ ملک میں چار ماہ چل پھر لو اور جان لو کہ یقیناً تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔"(2)

سوال 1: ﴿فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ﴾ "چنانچہ تم لوگ ملک میں چار ماہ چل پھر لو" چار مہینے چلنے پھرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1) ﴿فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ "چنانچہ تم لوگ ملک میں چل پھر لو۔" یعنی کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے امن میں ہیں اس مدت میں وہ زمین میں اپنے اختیار سے چل پھر لیں۔(2) ﴿اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ﴾ "چار ماہ" چار ماہ کے بعد ان سے کوئی معاہدہ نہیں۔(3) ان چار ماہ کا آغاز عید الاضحیٰ کے دن ہوا۔(ایسر التفاسیر:534) (4) ان چار ماہ کے بعد وہ اپنے شرک اور کفر پر برقرار رہنا چاہتے ہوں تو وہ ان چار ماہ میں وہ اپنے عقائد اور دین پر خوب غور و فکر کر لیں۔

سوال 2: ﴿وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ﴾ اور جان لو کہ یقیناً تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو مشرکین کو مہلت دینے کے ساتھ ساتھ وارننگ کیوں دی گئی ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اگرچہ چار ماہ کے دوران وہ امن اور حفاظت سے رہیں گے مگر اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے بچ کر کہیں جا نہیں سکیں گے۔ مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دینے کے ساتھ دل دہلا دینے والی وارننگ دی گئی کہ آخر تم کہاں جاؤ گے؟ کون سی زمین ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہ پکڑ سکتا ہو جب اس نے فیصلہ کر دیا کہ کافروں کو ذلیل و خوار کرے گا اور تم اس کو عاجز نہیں کر سکتے تو اب دیکھ لو کیا کرنا ہے۔ (2) یہ وارننگ اس لیے دی گئی تاکہ ان کی آنکھیں کھل جائیں۔ (3) تاکہ وہ خبردار ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (4) تاکہ یہ جان لیں کہ بھاگ نہیں سکتے۔ ذلت اور خواری ان کا مقدر ہے۔ (5) یہ وارننگ اس لیے دی گئی تاکہ ان کی فطرت بیدار ہو جائے اور وہ دین اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

سوال 3: ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ﴾ "اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ جو اپنے شرک پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ اسے ضرور رسوا کرے گا۔(2) اللہ تعالیٰ کی جانب سے کی گئی تنبیہ کا اثر تھا کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا سوائے کچھ لوگوں کے جنہوں نے مخالفت کی اور کفر کا رویہ اختیار کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وعید کی کوئی پرواہ نہیں کی۔(3) اللہ رب العزت نے مشرکین مکہ اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: ﴿كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلا دیا تو ان پر عذاب آیا جہاں سے وہ سوچتے نہ تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ بڑا ہے، کاش وہ جانتے ہوتے۔(الزمر:25-26)

﴿وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾

"اور صاف اعلان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کی طرف کہ یقیناً اللہ تعالیٰ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی۔ چنانچہ اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم منہ موڑو تو جان لو کہ یقیناً تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں آپ دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیں۔"(3)

سوال1:﴿ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ ﴾ ”اور صاف اعلان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کی طرف کہ یقیناً اللہ تعالیٰ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَ اَذَانٌ ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب سے اذان سے مراد اعلان ہے۔(2) ﴿ اِلَى النَّاسِ ﴾ تمام لوگوں کی طرف اور وہ مشرک ہیں۔(ایسر التفاسیر:535) (3) ﴿ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ ﴾ حج اکبر کے دن۔حج اکبر سے مراد قربانی والا دن یعنی 10 ذوالحجہ ہے۔(4) ﴿ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ ﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی۔“ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے یہاں اب ان کا کوئی عہد وپیمان نہیں۔اب وہ جہاں ملیں گے ان کو قتل کیا جائے گا اور اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب بھی نہیں آئیں گے یعنی 9 ہجری کے بعد۔(5) صحیح روایات میں ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جنہوں نے مکہ معظمہ پہنچ کر حج کے موقعہ پر مشرکین کو یہ سورہ سنائی اور اس کے ساتھ چار چیزوں کا اعلان کیا۔(الف) جنت میں کوئی غیر مومن داخل نہ ہو گا۔(ب) کوئی شخص ننگا ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے۔(ج) اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے (د) جن لوگوں سے اللہ کے رسول ﷺ کا معاہدہ موقت ہے اور انہوں نے اس کی خلاف ورزی نہیں کی ان کے ساتھ مدت معاہدہ تک وفا کی جائے گی اور جن سے معاہدہ نہیں ہے یا جنہوں نے خلاف ورزی کی ہے انہیں چار ماہ کی مہلت ہے۔(ابن کثیر)(6) رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو 9 ہجری میں امیر بنا کر بھیجا اور علی رضی اللہ عنہ کو تیس یا چالیس براءت کی آیتیں دے کر بھیجا۔انہوں نے عرفے کے دن وہ آیات لوگوں کو پڑھ کر سنا دیں۔اور مشرکوں کو چار ماہ ملک میں چلنے پھرنے کی اجازت دے دی۔

سوال2:﴿ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ ﴾ ”چنانچہ اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم منہ موڑو تو جان لو کہ یقیناً تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔“ اس اعلامیے میں مشرکین کو کیا راستہ بتایا گیا تھا؟

جواب:(1) ﴿ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ ﴾ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو توبہ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمای: اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے لیے بہتر ہے یعنی شرک کو چھوڑتے ہو تو تمہارے لیے زیادہ نفع مند ہے۔(2) ﴿ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ ﴾ تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے دنیا میں تم اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کو بچا لو گے اور آخرت میں جہنم کی آگ سے نجات دلا کر جنت میں داخل کریں گے۔(البحر محیط:370/5) (3) ﴿ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ ﴾ ”اور اگر تم منہ موڑو تو جان لو کہ یقیناً تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔“ اگر منہ پھیرتے ہو تو تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کر دینے والے نہیں ہو۔یعنی تم اللہ تعالیٰ سے نہیں بھاگ سکتے تم اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہو۔(4) اور اگر تم ایمان اور اسلام سے منہ موڑتے ہو۔(تفسیر منیر:450/5) (5) مہلت کے عرصے میں اسلام ترغیب دے رہا ہے کہ مشرک لوٹ آئیں شرک چھوڑ کے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئیں۔(6) اللہ تعالیٰ سرکشی کے انجام سے خبر دار کرتے ہیں اور انہیں مایوس کرتے ہیں کہ سرکشی کا فائدہ نہ ہو گا۔تم اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہو وہ تم پر اپنے مومن بندوں کو مسلط کر سکتا ہے۔(7) قتل سے امان دینے کا مقصد کہ وہ غور و فکر کریں، احتیاط کریں اور جان لیں کہ اس کے بعد صرف تلوار ہے اور تاکہ وہ مسلمانوں کی قوت کو جان لیں۔(تفسیر قاسمی:126/8)

سوال3:﴿ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمِ ۙ۝ ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں آپ دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:”اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں آپ دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیں۔“یعنی دنیامیں قید، جلاوطنی اور قتل کی صورت میں انہیں عذاب دیا جائے گا اور آخرت میں جہنم کی آگ اور رسواکن عذاب دیاجائے گا۔رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ اے نبی ﷺ آپ انہیں کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ سے بھاگو گے تووہ تمہیں رسواکن عذاب دے گا۔

﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا وَّ لَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۝ ﴾

”مگر مشرکوں میں سے جن لوگوں سے تم نے معاہدہ کیا، پھر انہوں نے عہد میں تم سے کچھ بھی کمی نہیں کی اور تمہارے خلاف انہوں نے کسی کی مدد بھی نہیں کی تو ان کے ساتھ ان کا معاہدہ ان کی مدت تک پورا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔“ (4)

سوال1:﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا وَّ لَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۝ ﴾ ”مگر مشرکوں میں سے جن لوگوں سے تم نے معاہدہ کیا، پھر انہوں نے عہد میں تم سے کچھ بھی کمی نہیں کی اور تمہارے خلاف انہوں نے کسی کی مدد بھی نہیں کی تو ان کے ساتھ ان کا معاہدہ ان کی مدت تک پورا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴾ مگر مشرکوں میں سے جن لوگوں سے تم نے معاہدہ کیا۔جو مشرک اپنے عہد پر قائم ہیں۔(2) ﴿ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا ﴾ ”پھر انہوں نے عہد میں تم سے کچھ بھی کمی نہیں کی۔“ جنہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو معاہدے کی خلاف ورزی کا باعث ہے۔ جنہوں نے معاہدے میں کوتاہی نہیں کی۔ (3) ﴿ وَّ لَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا ﴾ ”اور تمہارے خلاف انہوں نے کسی کی مدد بھی نہیں کی۔“ جنہوں نے تمہارے خلاف کسی کی مدد نہیں کی۔(4) ﴿ فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی مُدَّتِهِمْ ؕ ﴾ ”تو ان کے ساتھ ان کا معاہدہ ان کی مدت تک پورا کرو۔“ان لوگوں کے معاہدے کو اس کی مقررہ مدت تک پورا کرو خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ۔(5) اسلام معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے، خیانت کی اجازت نہیں دیتا۔(6) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۝ ﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔“(الف) جو لوگ اس سے بچے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا، انہوں نے عہد کو پورا کیا اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے۔(فتح القدیر:2/ 424)(ب) وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کی اور خیانت، شرک اور دیگر گناہوں سے بچے اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے۔

سوال2: کن لوگوں سے معاہدے پورے کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟

جواب: بنی بکر کی ایک شاخ بنو خزیمہ جنہوں نے حدیبیہ میں قریش اور اس کے حلیفوں کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اسے قائم رکھا اور بنو خزاعہ کے خلاف لشکر کشی میں شامل نہ ہوئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کسی دشمن کی مدد نہ کی نبی ﷺ نے ان کے ساتھ عہد کو مدّت تک پورا کرنے کا حکم دیا۔

سوال3: اسلام نے یہ استثنائی دفعہ کیوں رکھی ہے؟

جواب:اسلام نے یہ دفعہ اس لیے رکھی ہے کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ وفاداری کی ہے ان کے ساتھ وفاداری کی جائے۔
سوال3:﴿فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ﴾ "توان کے ساتھ ان کا معاہدہ ان کی مدت تک پورا کرو۔" اسلام نے عہد پورا کرنے والوں کی مہلت کو چار مہینوں تک محدود کیوں نہ کیا؟
جواب:اسلام نے عہد پورا کرنے والوں کی مہلت کو چار مہینے تک اس لیے محدود نہیں کیا کہ۔(1)انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئے گئے عہد کو نہیں توڑا تھا۔(2)انہوں نے مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد نہیں کی تھی۔
سوال4:طویل المدّت پالیسی کا مقصد کیا تھا؟
جواب:معاہدات پورا کرنے والوں کے لیے طویل المدّت پالیسی دی گئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ جزیرۃ العرب کو مشرکین سے پاک کر دیا جائے۔
سوال5:طویل المدّت پالیسی کا نتیجہ کیا نکلا؟
جواب:(1)حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ جن لوگوں کو اس آیت کے ذریعے مستثنیٰ کیا گیا وہ عہد کی مدّت ختم ہونے سے پہلے مسلمان ہو گئے۔(2)جن کو چار ماہ کی مہلت دی گئی انہوں نے بھی چلنے پھرنے اور جلاوطنی کی بجائے اسلام قبول کر لیا۔
سوال6:ایفائے عہد کی اسلام میں کیا حیثیت ہے؟
جواب:ایفائے عہد تقویٰ کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو پسند کرتے ہیں۔
﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾
" چنانچہ جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو تم مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور ان کو پکڑو اور ان کو گھیر و اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"(5)
سوال1:﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ﴾ "چنانچہ جب حرمت والے مہینے نکل جائیں" کی وضاحت کریں؟
جواب:جب وہ حرام مہینے گزر جائیں جس میں مشرکوں کو امان دی گئی تھی۔(ایسر التفاسیر:1/536)اس سے اصطلاحی حرام مہینے مراد نہیں بلکہ وہ چار مہینے ہیں جن کا آغاز 10 ذوالحجہ سے اعلامیہ کے دن سے ہوا اور 10 ربیع الآخر تک مہلت دی گئی۔
سوال2:﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ "تو تم مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو" کی وضاحت کریں؟
جواب:"تو تم مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔" ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان مہینوں سے وہ مہینے مراد ہیں جن میں مشرکوں کو امان دی گئی تھی کہ وہ چار ماہ تک ملک میں چل پھر لیں پھر جب یہ مہینے گزر جائیں تو پھر جہاں کہیں مشرکوں کو پاؤ قتل کر دو یا گرفتار کر لو۔ یہ حکم عام ہے حرم اور غیر حرم دونوں کو شامل ہے۔(مختصر ابن کثیر:1/703)
سوال3:﴿وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ﴾ "اور ان کو پکڑو اور ان کو گھیر و۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:(1)﴿وَخُذُوْهُمْ﴾ "اور ان کو پکڑو" اور ان کو قیدی بناؤ۔(2)﴿وَاحْصُرُوْهُمْ﴾ "اور ان کو گھیر و" یعنی ان پر زمین تنگ کر دو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر رہنے کے قابل نہیں ہیں کیونکہ وہ زمین کا خالق ہے، مالک ہے اور کافر اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں وہ

اپنے رب کے خلاف اوراس کے رسول کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔وہ تو ایک بالشت زمین کا بھی حق نہیں رکھتے۔وہ چاہتے ہیں کہ زمین سے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے طریقہ زندگی کو،اس دین کو ختم کر دیں۔اس لیے انہیں اس زمین پر جسے اللہ تعالیٰ نے عبادت گاہ بنایاہے،اس طرح نہ چھوڑو کہ وہ کھلے عام جو چاہیں کرتے پھریں۔

سوال4:﴿وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ﴾ ”اوران کے لیے ہر گھات کی جگہ بیٹھو۔“کی وضاحت کریں؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیاہے کہ ہر گھات کی جگہ میں ان کے لیے بیٹھو۔کوئی راستہ نہ چھوڑو جہاں سے وہ گزرتے ہیں ،کوئی طریقہ نہ چھوڑو جس کو اختیار کر کے تم ان کی کوششوں کو کند کر سکتے ہو ان کے خلاف پوری کوشش صرف کر دو۔اس راستے میں تاک لگا کر بیٹھو اور ان کے خلاف جہاد کرتے رہو جب تک وہ اپنے شرک سے توبہ نہ کر لیں۔(4)ابن زید نے کہا کہ انہیں شہروں میں چلنے پھرنے اور تجارت کرنے کے لیے نہ چھوڑو۔(ابن ابی حاتم:6/1753) (5)اس آیت کو آیت سیف کہا جاتا ہے جس کے بارے میں وارد ہے کہ اس آیت سے تمام معاہدے اور ان کی مدتیں ختم ہو گئیں۔(مختصر ابن کثی:1/703)

سوال5:اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدّت معاہدہ کے اختتام پر کیا کرنے کا حکم دیا؟

جواب:(1)جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کریں گے۔(2)جہاں پائیں گے پکڑیں گے۔(3)مشرکین کو گھیریں گے اور ہر گھات میں خبر لینے کے لیے بیٹھیں گے۔(4)اگر مشرکین توبہ کر کے نماز قائم کریں گے،زکوۃ دیں تو انہیں چھوڑ دیں گے۔

سوال6:مشرکین کے خلاف کوئی ایکشن کہ ”جہاں بھی ملیں قتل کر دیں یا قید کر لیں“کس مقصد کے لیے تھا؟

جواب:(1)مشرکین کے خلاف ایکشن انہیں ختم کرنے کے لئے نہیں شرک کو ختم کرنے کے لیے تھا۔اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ وہ اسلام قبول کر لیں اسی لیے کہا گیا کہ اگر وہ سچے دل سے اسلام اور اسلامی شعائر کو قبول کر لیں تو ان سے ہاتھ کھینچ لو۔(2)اسلام کی جنگ نسلیں ختم کرنے کے لئے نہیں بلکہ ہدایت کی ایک مہم ہے۔

سوال7:﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ﴾ ”پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔“کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿فَاِنْ تَابُوْا﴾ پھر اگر وہ اپنے شرک سے توبہ کر لیں۔(2)یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئیں۔(ایسر التفاسیر:536) (3) ان کی توبہ سے مراد بتوں اور ان کی عبادت کو چھوڑ دینا ہے۔(ابن ابی حاتم:6/1753) (4) ﴿وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور نماز قائم کریں یعنی ارکان اسلام میں سے عظیم رکن کو پورا کریں۔(فتح القدیر:2/423) (5)یعنی نماز کو اس کے آداب و شرائط ،ارکان اور دل کی حاضری کے ساتھ ادا کریں۔(6) ﴿وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ اور زکوۃ ادا کریں یعنی مالی عبادت بھی کریں۔(6)ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:« أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ ، وَيُقِيمُوا الصَّلاَةَ ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّى دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلاَّ بِحَقِّ الإِسْلاَمِ ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ » ”مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے جب تک کہ وہ توحید اور رسالت کا اقرار نہ کر لیں اور نماز اور زکوۃ کے پابند نہ ہو جائیں پھر جب وہ ایسا کریں تو مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال بچا لیں گے اس کا حساب اللہ پر ہے۔“(بخاری،مسلم) (8)مشرکوں کے اسلام کے لیے تین امور کو شرط قرار دیا گیا۔زبان سے شہادتیں جس سے غیر اللہ کی عبادت چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنا ممکن ہوتا ہے ان سارے معاملات میں جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے

پہنچے اور دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرنا جو معاشرے میں مسلمانوں کے درمیان دینی رابطے کا ذریعہ ہے اور زکوٰۃ ادا کرنا جو اسلامی معاشرے کے مالی نظام کے احترام کی دلیل ہے۔(تفسیر منیر:5/413) (9)سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے بارے میں کہا تھا میں اس میں فرق نہیں کروں گا جس کو اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا۔ میں ضرور ان سے جنگ کروں گا جنہوں نے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا ہے۔ بے شک زکوٰۃ مال کا حق ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائیں وہ کس قدر سمجھ رکھنے والے تھے۔(تفسیر منیر: 5/ 455) (10) اس آیت یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ خواہ کوئی مسلمان موروثی مسلمان ہو یا نو مسلم اگر وہ نماز قائم کرتا اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو ایک اسلامی حکومت میں اسے حقوق شہریت مل سکتے ہیں اور اگر نہیں تو اسے مسلمانوں جیسے حقوق نہیں مل سکتے۔(تیسیر القرآن: 2/ 180) (11) ﴿فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ﴾ ”تو ان کا راستہ چھوڑ دو“ یعنی انہیں چھوڑ دو اور ان کو نہ پکڑو نہ گھیرو اور نہ انہیں قتل کرو۔(12) انہیں چھوڑ دو اب وہ تمہاری طرح ہیں۔ ان کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے تمہارے حقوق ہیں اور ان کے بھی وہی فرائض ہیں جو تمہارے فرائض ہیں۔

سوال 8: ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“ کی حفاظت کریں؟

جواب: (1) یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے اسلام کے بعد ان کی مغفرت فرمائے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ (2) قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے“ وہ کثیر اور کبیرہ گناہوں کو بخش دیتا ہے وہ رحیم ہے یعنی اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔(ابن ابی حاتم:6/1755) (3) یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ توبہ کرنے والوں کا شرک اور ان کے دیگر کم تر گناہ بخش دیتا ہے۔ انہیں توبہ کی توفیق بخش کر اور پھر اس توبہ کو قبول کر کے انہیں اپنی رحمت کے سائے میں لے لیتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی نماز قائم کرنے یا زکوٰۃ ادا کرنے سے رکے گا، اس کے خلاف اس وقت تک جنگ کی جائے گی جب تک کہ وہ نماز قائم نہیں کرتا اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ جیسا کہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا تھا۔(تفسیر سعدی:1/1014)

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

”اور مشرکوں میں سے کوئی اگر تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ تک پہنچا دو۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یقیناً وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔“(6)

سوال 1: ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ ”اور مشرکوں میں سے کوئی اگر تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دو حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے۔“ کی حفاظت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ﴾ اور مشرکوں میں سے کوئی اگر تم سے پناہ مانگے۔“ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ ﷺ کی حمایت اور مدد چاہے یعنی وہ چاہے کہ آپ ﷺ اس کو نقصان سے بچالیں۔(2) ﴿فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ ”تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے۔“ تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن سن لے اور اس پر غور و فکر کرے اور معاملے کی حقیقت کا اسے علم ہو جائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جائے پھر اگر وہ اسلام لے آئے تو اس کے لیے بھی وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے

ہیں اور اگر وہ انکار کرے تو پھر اسے امن کی جگہ اس کے گھر پہنچادیں پھر چاہو تو اس سے جنگ کرو۔(تفسیر قاسمی:8/137) (3)یعنی اگر کوئی مشرک اس چار ماہ کی معینہ مدت کے اندر یا بعد میں پکڑ دھکڑ کے دوران یہ درخواست کرے کہ مجھ اسلام کی تعلیم پوری طرح سمجھادو،تو اس کی اس درخواست کو رد نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کو اپنے ہاں پناہ دو تاکہ کوئی دوسرا مسلمان بھی اس سے معترض نہ کرے۔ پھر اسے اسلام کے اصول وارکان اور اس کے حقائق پوری طرح سمجھادو۔ پھر بھی اگر وہ اسلام نہیں لاتا اور معاندانہ روش اختیار کرتا ہے تو وہیں اس کو قتل نہ کرو بلکہ اس کو اس کی حفاظت کی جگہ پہنچادو۔ پھر اس کے بعد تم اس سے وہی سلوک کرسکتے ہو جو دوسرے مشرکوں سے کرنا چاہیے۔ یہ رعایت اس لیے دی گئی کہ کسی مشرک کے لیے اتمام حجت کا عذر باقی نہ رہے۔(تیسیر القرآن:2/180) (4) حسن نے کہا کہ یہ آیت محکم ہے اور قیامت تک کے لیے سنت ہے۔(تفسیر ثعالبی:146) (5)پناہ یا امان بھی دراصل ایفائے عہد کی ایک قسم ہے جس میں پناہ لینے کا یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ اس کی جان ومال کی دشمن سے حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے۔ اور وہ خود بھی کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے گا۔ مسلمانوں کا اس قسم کا ایفائے عہد یا امان کی پاسداری اس قدر زبان زدعام تھا کہ دشمن نے بعض دفعہ مسلمانوں کی کسی واقعہ سے لاعلمی سے فائدہ اٹھاکر امان حاصل کی اور عظیم فائدے حاصل کیے۔ مسلمان جو پناہ دے چکے تھے یہ جاننے کے باوجود کی یہ امان مکروفریب سے حاصل کی گئی ہے اپنا نقصان اٹھاکر بھی اس عہد کو پورا کیا۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اگر صرف ایک مسلمان خواہ وہ آزاد ہو یا غلام یا عورت ہو کسی کو پناہ دے دے تو وہ تمام مسلمانوں کی طرف امان سمجھی جائے گی۔ چنانچہ خوزستان (ایران) کی فتوحات کے سلسلہ میں ایک مقام شابور کا مسلمانوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ایک دن شہر والوں نے شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے اور اطمینان سے اپنے کام کاج میں لگ گئے۔ مسلمانوں کو اس بات پر حیرت ہوئی۔ سبب پوچھا تو شہر والوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امان دے چکے ہو۔ اب کیا جھگڑا رہا(واضح رہے کہ جزیہ کی شرط پر امان کا اصل وقت جنگ شروع ہونے سے پہلے ہے۔ دوران جنگ یا فتح کے بعد نہیں)سب کو حیرت تھی کہ امان کس نے دی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپ کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ ابوموسیٰ اسلامی سپہ سالار نے کہا کہ ایک غلام کی امان حجت نہیں ہوسکتی۔ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد غلام نہیں جانتے۔ آخر سیدنا عمرؓ کو خط لکھا گیا۔ آپؓ نے جواب دیا:"مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دی سارے امان دے چکے۔"(الفاروق: ص231) (6) فتح مکہ کے موقعہ پر ام ہانی رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں۔ اس وقت آپ ﷺ پس پردہ غسل فرمارہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا"کون ہے؟"ام ہانی کہنے لگیں:"میں ام ہانی ہوں۔"پھر ام ہانی نے عرض کیا:اے اللہ کے رسول ﷺ!میری ماں کے لڑکے (علی رضی اللہ عنہ) یہ کہتے ہیں کہ وہ ہبیرہ(ام ہانی کے خاوند کا نام) کے لڑکے کو قتل کردیں گے جب کہ میں ان کو پناہ دے چکی ہوں۔"آپ ﷺ نے فرمایا: جس کو تم نے پناہ دی ہم نے بھی اس کو پناہ دی۔(صحیح بخاری کتاب الغسل) (7)حاکم نے کہا: یہ آیت دلیل ہے کہ کافر کا اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ (تفسیر قاسمی:8/138)

سوال2: اللہ تعالیٰ جنگ کے دوران بھی مشرکوں کو کلام اللہ سنانے اور امن کی جگہ پہنچانے کا حکم دیتے ہیں اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ دوران جنگ مشرکوں کو کلام اللہ سنانے اور امن کی جگہ پہنچانے کا اس لیے حکم دیتے ہیں کہ ہر شخص ہدایت پاجائے۔ اللہ تعالیٰ مشرکوں کے دلوں کو اسلام اور ہدایت کے لیے کھولنا چاہتے ہیں۔

سوال3: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ "یہ اس وجہ سے ہے کہ یقیناوہ لوگ علم نہیں رکھتے۔"کی وضاحت کریں؟

جواب: کافروں کو قرآن سنانے کا حکم دیا گیا کہ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو مسلمانوں جیسے حقوق پائیں اور اگر قبول نہ کریں تو ان کے ٹھکانے تک پہنچادیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ علم نہیں رکھتے۔ بعض اوقات کافر اپنی لاعلمی کی وجہ سے کفر پر قائم رہتے ہیں جب وہ حق کو جان لیتے ہیں تو اسلام قبول کرلیتے ہیں۔

سوال 3: مشرکین کے لئے دار الاسلام کی پناہ گاہ اسلام کے کس مقام کو ظاہر کرتی ہے؟

جواب: مشرکین اسلام کے دشمن ہیں اور کوئی دشمن اسلام کی طرف آنا چاہے تو اسلام مسلمانوں کو مشرکین کا محافظ بنا دیتا ہے تاکہ ان کے دلوں تک اسلام پہنچ جائے۔ یہ اسلامی رواداری کا اعلیٰ مقام ہے۔

## رکوع نمبر 8

﴿ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾

"ان مشرکوں کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر وہ لوگ جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ تمہارے لیے پوری طرح قائم رہیں تو تم بھی ان کے لیے پوری طرح قائم رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے۔(7)

سوال 1: ﴿ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ ﴾ "ان مشرکوں کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد کیسے ہو سکتا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اس حکمت کو واضح فرمایا ہے کہ کیوں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہوں۔

(2) ﴿ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ ﴾ "ان مشرکوں کا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے نزدیک کوئی عہد کیسے ہو سکتا ہے۔" کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ نہیں کی، کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے خلاف باطل کی مدد نہیں کی، کیا انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو اذیتیں نہیں دیں، کیا انہوں نے زمین میں فساد پھیلا کر خود کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بری الذمہ ہونے کے اسباب مہیا نہیں کیے۔ اب ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں کوئی عہد کیسے ہو سکتا ہے۔ مشرکوں کے لیے کوئی عہد کیسے ہو سکتا ہے جب کہ مومنوں پر واجب ہے کہ انہیں جہاں چاہیں قتل کریں سوائے ان کے جن کے ساتھ مسجد حرام کے پاس عہد کیا گیا۔ (جامع البیان: 164/7)

سوال 2: مشرکوں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی عہد کیوں نہیں ہو سکتا؟

جواب: (1) مشرک ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔ (2) مشرک اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے دشمنی رکھتے ہیں پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی معاہدہ کیا جاسکے۔ (3) مشرک محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔

سوال 3: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ ﴾ "مگر وہ لوگ جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ ﴾ "مگر وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔" مشرکوں میں سے جن کے ساتھ آپ ﷺ نے معاہدہ کیا۔ (2) ﴿ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ ﴾ "مسجد حرام کے پاس" اس عہد میں مسجد حرام کی حرمت کی رعایت رکھنے کا حکم ہے اس لیے کہ وہ فضیلت والی جگہ ہے۔ اس کے پاس جو معاہدہ کیا تھا وہ پورا کیا جائے گا۔

سوال4: مشرکین کے ساتھ کوئی معاہدات نہیں ہوسکتے تو پھر ان کے ساتھ معاہدات کی اجازت کیوں دی گئی؟
جواب:(1) مشرکین کے ساتھ جتنے معاہدات ہوئے وہ عبوری مدّت کے لیے تھے۔(2) مشرکین کے ساتھ معاہدات اپنے وقت کے لحاظ سے جنگ کی ضرورت تھے۔(3) اسلام نے آخری ہدف کا اعلان کیا تو فقط ان سے معاہدے برقرار رہے جو غیر جانب دار تھے۔(4) غیر جانب دار لوگوں کے معاہدے کی مدّت کے بعد مشرکین کے سامنے دو صورتیں رکھی گئیں اسلام لائیں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔

سوال5: ﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ "چنانچہ وہ تمہارے لیے پوری طرح قائم رہیں تو تم بھی ان کے لیے پوری طرح قائم رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:(1) ﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ﴾ "چنانچہ وہ تمہارے لیے پوری طرح قائم رہیں تو تم بھی ان کے لیے پوری طرح قائم رہو۔" جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تو تم بھی اپنے معاہدے پر قائم رہو وہ تمہارے حقوق کی رعایت رکھیں تو ان کے معاہدے پر قائم رہیں۔(تفسیر قاسمی:8/139) (2) رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس تشریف لا کر مطمئن ہو چکے تو ایک مسلمان جسے مدینہ میں اذیتیں دی جارہی تھیں چھوٹ کر بھاگ آیا ان کا نام ابو بصیر رضی اللہ عنہ تھا وہ قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے تھے اور قریش کے حلیف تھے قریش نے ان کی واپسی کے لیے دو آدمی بھیجے اور یہ کہلوایا کہ ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان جو عہد پیمان ہے اس کی تعمیل کیجیے نبی ﷺ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو ان دونوں کے حوالے کر دیا۔(الرحیق المختوم:473) (3) بئر معونہ کے حادثہ میں 70 میں سے ایک شخص عمرو بن امیہ بچ نکلے لیکن بعد میں گرفتار ہوگئے عامر بن طفیل جس نے ان قاریوں کو شہید کروایا تھا۔ نے عمرو بن امیہ کو دیکھ کر کہا: "میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی لہٰذا میں یہ منت پوری کرنے کے خاطر عمرو بن امیہ کو آزاد کرتا ہوں۔" عمرو بن امیہ وہاں سے چلے تو اسی قاتل قبیلہ کے دو آدمی مل گئے جنہیں آپ نے قتل کر دیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ان ہی دو آدمیوں کو رسول اللہ ﷺ امان دے چکے تھے جس کا عمرو بن امیہ کو علم نہ تھا۔ اب حالات کا تقاضہ یہ تھا کہ بنو عامر کی غداری کی بنا پر ان کو جتنی بھی سختی برتی جاسکے برتی جائے مگر آپ ﷺ نے اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہوئے خون بہا ادا کر دیا۔(البدایہ والنہایہ:4/473) (4) صلح حدیبیہ کا معاہدہ ابھی لکھا ہی جارہا تھا کہ سہیل کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے آپہنچے انہوں نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمانوں میں ڈال دیا سہیل نے کہا کہ یہ پہلا شخص ہے جس کے متعلق میں آپ سے معاملہ کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اسے واپس بھیج دیں نبی ﷺ نے فرمایا: ابھی تو ہم نے نوشتہ مکمل نہیں کیا اس نے کہا تب میں آپ ﷺ سے کسی بات پہ صلح کا کوئی معاملہ ہی نہیں کروں گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اچھا تو تم اس کو میری خاطر چھوڑ دو اس نے کہا کہ میں آپ ﷺ کی خاطر نہیں چھوڑ سکتا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ زور زور سے چیخ کر کہنے لگے مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ مجھے میرے دین کے متعلق فتنے میں ڈالیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو جندل رضی اللہ عنہ صبر کرو اور اسے باعث ثواب سمجھو اللہ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ جو دوسرے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا ہم نے قریش سے صلح کر لی اور ہم نے ان کو اور انہوں نے ہم کو اس پر اللہ تعالیٰ کا عہد دے رکھا ہے اس لیے ہم بد عہدی نہیں کر سکتے۔(الرحیق المختوم:467) (5) آپ ﷺ کے ایفائے عہد کے واقعات اس کثرت سے ہیں کہ دشمن بھی آپ ﷺ کی اس خوبی کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ جنگ احزاب کے واقعہ پر یہود کے قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب نے بنو قریظہ کے

سردار کعب بن اسد اس کو عہد شکنی پر مجبور کیا تو کعب نے اسے کہا: "إني لم ارمن محمد إلا صدقا ووفاء" (میں نے ہمیشہ محمد ﷺ کو سچا اور عہد کو پورا کرنے والا دیکھا ہے۔) (طبری) (6) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے۔" تقویٰ کی وجہ سے ہی معاہدے پورے ہوسکتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے جو اپنے عہد پورے کرتے ہیں۔

﴿ كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ ﴾

"کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ وہ اگر تم پر قابو پائیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت کا لحاظ کریں گے اور نہ کسی عہد کا، وہ اپنے مونہوں سے تمہیں خوش کرتے ہیں اور دل ان کے انکار کرتے ہیں اور ان کے اکثر فاسق ہیں۔" (8)

سوال 1: ﴿ كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ ﴾ "کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ وہ اگر تم پر قابو پائیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت کا لحاظ کریں گے اور نہ کسی عہد کا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) "کیسے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں مشرکوں کے لیے کیسے کوئی معاہدہ ہو سکتا ہے۔ (2) ﴿ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ ﴾ "حالانکہ وہ اگر تم پر قابو پائیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت کا لحاظ کریں گے اور نہ کسی عہد کا۔" اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے معاہدہ نہ ہوسکنے کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ ان کے ساتھ کیسے معاہدہ ہو سکتا ہے جب انہیں تم پر غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ کسی معاہدے کا یا رشتہ داری کا پاس لحاظ نہیں رکھیں گے۔ وہ تم پر غالب آجائیں تو تمہیں برے عذاب دیں گے اور تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈریں گے۔ (3) ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ﴿ اِلًّا ﴾ کے معنی قرابت اور ﴿ ذِمَّةً ؕ ﴾ کے معنی عہد کے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: 220) (4) سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تبلیغ اسلام کے لیے بھیجی انھیں قاری کہا جاتا تھا راستے میں بنو سلیم کے دو قبیلے رعل اور ذکوان نے ایک کنویں کے قریب ان کے ساتھ مزاحمت کی یہ کنواں بئر معونہ کے نام کے ساتھ مشہور تھا۔ صحابہ نے ان سے کہا خدا کی قسم ہم تمھارے ساتھ یہاں لڑنے نہیں آئے بلکہ ہمیں تو رسول اللہ کی طرف سے ایک ضرورت پر یہاں مامور کیا گیا ہے لیکن کفار کے ان قبیلوں نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا اس کے بعد نبی ﷺ نے ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں ان پر بد عا کرتے رہے۔ (صحیح بخاری: 4088) (5) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عیاش بن ربیعہ اور ہشام بن وائل نے آپس میں طے کیا کہ فلاں جگہ صبح صبح اکٹھے ہو کر وہیں سے مدینہ کو ہجرت کی جائے گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور عیاش رضی اللہ عنہ تو وقت مقررہ پر آ گئے لیکن ہشام رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا گیا۔ پھر جب یہ دونوں حضرات مدینہ پہنچ کر قبا میں اتر چکے تو عیاش رضی اللہ عنہ کے پاس ابو جہل اور اس کا بھائی حارث پہنچے۔ تینوں کی ماں ایک تھی۔ ان دونوں نے عیاش سے کہا: تمہاری ماں نے نذر مانی ہے کہ جب تک وہ تمہیں دیکھ نہ لے گی سر میں کنگھی نہ کرے گی اور دھوپ چھوڑ کر سائے میں نہ آئے گی۔" یہ سن کر عیاش کو اپنی ماں پر ترس آگیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت دیکھ کر عیاش رضی اللہ عنہ کہا: عیاش رضی اللہ عنہ! دیکھو خدا کی قسم یہ لوگ تم کو محض تمہارے دین سے فتنے میں ڈالنا چاہتے ہیں لہذا ان سے ہوشیار رہو خدا کی قسم اگر تمہاری ماں کو جوؤں نے اذیت پہنچائی تو وہ کنگھی کر لے گی اور اسے مکہ کی ذرا کڑی دھوپ لگی تو وہ سائے میں چلی جائے گی، مگر عیاش رضی اللہ عنہ نہ مانے انہوں نے اپنی ماں کی قسم پوری کرنے کے لیے ان دونوں کے ہمراہ نکلنے کا فیصلہ

کرلیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا!" اچھا جب یہی کرنے پر آمادہ ہو تو میری یہ اونٹنی لے لو۔ یہ بڑی عمدہ اور تیز رو ہے۔ اس کی پیٹھ نہ چھوڑنا اور لوگوں کی طرف سے کوئی مشکوک حرکت ہو تو نکل بھاگنا۔" عیاش رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار ان دونوں کے ہمراہ نکل پڑے۔ راستے میں ایک جگہ ابوجہل نے کہا: "بھئی میرا اونٹ تو بڑا سخت نکلا' کیوں نہ تم مجھے بھی اپنی اس اونٹنی پر پیچھے بٹھالو۔" عیاش رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے اور اس کے بعد اونٹنی بٹھا دی۔ ان دونوں نے بھی اپنی اپنی سواریاں بٹھائیں تاکہ ابوجہل عیاش رضی اللہ عنہ کی اونٹنی پر پلٹ آئے' لیکن جب تینوں زمین پر آگئے تو یہ دونوں اچانک عیاش رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے اور انہیں رسی سے جکڑ کر باندھ دیا اور اس بندھی ہوئی حالت میں دن کے وقت مکہ لائے اور کہا اے اہل مکہ اپنے بیوقوفوں کے ساتھ ایسا ہی کرو کہ جیسا ہم نے اپنے بیوقوف کے ساتھ کیا ہے۔ (الرحیق المختوم:220)

سوال2: معاشرتی زندگی میں تعلقات کی کون سی بنیادیں ہوتی ہیں؟

جواب: (1) رحم کے رشتے جن کے حقوق کا لحاظ انسان رشتہ داری کی بنیاد پر رکھتے ہیں۔ (2) قول و قرار جس کی بنیاد پر انسان دوسروں کے حقوق کا خیال رکھتا ہے۔

سوال3: انسان دوسروں کا لحاظ پاس کیسے بھول جاتا ہے؟

جواب: انسان پر جب دنیا کا مفاد اور مصلحتیں غالب ہوں تو وہ لحاظ نہیں کرتا، حد سے گزر جاتا ہے۔

سوال4: مشرکین سے معاہدات کو کیوں ختم کیا گیا؟

جواب: مشرک اس وقت معاہدہ کرتے ہیں جب تم سے مقابلے میں عاجز ہو جائیں۔ اگر وہ غلبہ پالیں تو ایسا سلوک کریں جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اپنی ذمہ داری کا لحاظ رکھتے ہیں نہ کسی عہد اور رشتہ داری کا، ان کے دل میں تمہارے خلاف بغض بھرا ہوا ہے، وہ تم پر ظلم زیادتی میں ہر حد پار کرسکتے ہیں۔ وہ عہد پر قائم نہیں رہ سکتے کیونکہ ان میں نہ وفاداری ہے نہ محبت۔

سوال5: ﴿يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ﴾ "وہ اپنے مونہوں سے تمہیں خوش کرتے ہیں اور دل ان کے انکار کرتے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: مشرک اپنی لچھے دار گفتگو سے، اپنے منہ سے تمہیں خوش کرتے ہیں اور ان کے دل تمہاری محبت سے خالی ہیں۔ ان کے دل تمہاری نفرت، دشمنی اور بغض سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ تمہارے حقیقی دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مشرکوں سے عداوت کا اظہار کرنے کے لیے تیار کر رہے ہیں تاکہ وہ ان سے معاہدات منقطع کریں۔

سوال6: ﴿وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝﴾ "اور ان کے اکثر فاسق ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ان میں سے اکثر فاسق ہیں بد عہد ہیں۔ (2) ہر کافر فاسق ہے لیکن یہاں برائی کا اظہار کرنے والے اور عہد توڑنے والے لوگ مراد ہیں۔ (قرطبی:4/15)

سوال7: فاسق کون ہے؟

جواب: (1) جو اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت قبول کرلیتا ہے۔ (2) معاہدات پورے نہیں کرتا۔ (3) اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتا ہے۔ (4) اللہ والوں سے انتقام لیتا ہے۔

﴿اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

"انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے بہت تھوڑی قیمت خرید لی ہے، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا۔ یقیناً بہت برا ہے جو وہ عمل کرتے رہے ہیں۔" (9)

سوال 1: ﴿اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ "انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے بہت تھوڑی قیمت خرید لی ہے۔" اللہ تعالیٰ کی آیات کے عوض تھوڑی قیمت قبول کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے دنیا کے مفادات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات کو پس پشت ڈالنا۔ ان پر ایمان لا کر عمل کرنے کی بجائے دنیا کے تھوڑے سے فائدے کو ترجیح دینا۔

سوال 2: ﴿فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ﴾ "پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کے راستے سے وہ خود رکتے ہیں اور دوسروں کو روکتے ہیں۔ (2) یہ وہ لوگ ہیں جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور اہل اسلام کے خلاف بغض چھپا ہوا ہے۔

سوال 3: ﴿اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ "یقیناً بہت بُرا ہے جو وہ عمل کرتے رہے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: مشرکوں کے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے قابل مذمت قرار دیا ہے، جو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے خود رکتے اور دوسروں کو روکتے ہیں۔

﴿لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝﴾

"کسی مومن کے بارے میں نہ وہ کسی قرابت داری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ کسی عہد کا اور یہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔"

سوال 1: ﴿لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ﴾ "کسی مومن کے بارے میں نہ وہ کسی قرابت داری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ کسی عہد کا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: اہل ایمان سے دشمنی اور بغض کی وجہ سے مشرک کسی قرابت داری کا کسی معاہدے کی ذمہ داری کا لحاظ نہیں کرتے۔ وہ مومنوں سے ان کے ایمان کی وجہ سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اس لیے دین کے دشمنوں سے دشمنی رکھو اور اپنے دین کا دفاع کرو دوستی اور دشمنی اپنی پسند ناپسند کے مطابق نہیں دین کی بنیاد پر کرو۔

سوال 2: قرابت داری اور معاہدے کی ذمہ داری کا کون لوگ لحاظ نہیں رکھتے؟

جواب: (1) وہ لوگ قرابت داری اور معاہدے کی ذمہ داری کا لحاظ نہیں رکھتے جن لوگوں کے اندر زیادتی کی صفت رچ بس جاتی ہے۔ (2) ایمان کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ (3) جنہیں غلبہ مل جائے ایمان والوں پر وار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

سوال 3: ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝﴾ "اور یہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی جو لوگ ظلم کی انتہا تک پہنچ جاتے ہیں۔ (تفسیر قاسمی: 8/141) (2) جو معاہدے توڑ کر حلال سے تجاوز کر کے حرام تک پہنچ جاتے ہیں۔ (قرطبی: 4/16)

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝﴾

"چنانچہ اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم ان لوگوں کے لیے آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔" (11)

سوال 1:﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ ﴾ "چنانچہ اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿فَاِنْ تَابُوْا﴾ پھر اگر وہ شرک سے توبہ کریں اور اسلام کے احکامات کی پابندی کریں۔(تفسیر قرطبی:16/4)

(2) ﴿ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ ﴾ ابن زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نماز اور زکوٰۃ کو اکھٹے فرض کیا گیا ان دونوں میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی اور نماز کی زکوٰۃ کر بغیر قبولیت کا انکار کیا اور کہا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کیا سمجھ تھی اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔(جامع البیان :16444) (3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے تو عرب کے کچھ قبائل کافر ہو گئے (اور کچھ نے زکوٰۃ سے انکار کر دیا اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے لڑنا چاہا) تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی موجودگی میں کیونکر جنگ کر سکتے ہیں "مجھے حکم ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی شہادت نہ دے دیں اور جو شخص اس کی شہادت دے دے تو میری طرف سے اس کی جان و مال محفوظ ہے اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہو گا اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ قسم اللہ کی میں ہر اس شخص سے جنگ کروں گا جو زکوٰۃ اور نماز میں تفریق کرے گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے خدا کی قسم اگر انھوں نے زکوٰۃ میں چار مہینے کی بکری کے بچے کو دینے سے انکار کیا جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے تو میں ان سے لڑوں گا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بخدا یہ بات اس کا نتیجہ تھی کہا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا تھا اور بعد میں میں بھی اس نتیجہ پر پہنچا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے۔(صحیح بخاری:1399,1400) (4) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے پس جو شخص زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی (قابل اعتبار) نہیں۔(مظہری:130) (5) ﴿فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ﴾ "تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔" یعنی توبہ کرنے کے بعد جب وہ ایمان کی طرف لوٹ آئیں اور نماز اور زکوٰۃ کو قائم کریں اور مشرک ہوتے ہوئے جو دشمنی تھی اسے بھول جائیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں بے شک مسلمانوں میں سے افضل وہ ہے جو اخوت اسلامی کی رعایت کرے۔ یا ارحم الراحمین اپنے فضل و کرم سے ہمیں ان بندوں میں شامل فرمالینا جو آیات کا علم حاصل کرتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

سوال 2: کوئی شخص ماضی میں خواہ کتنا ہی برا رہا ہو اسلامی برادری کا رکن کیسے بن سکتا ہے؟

جواب:(1) جب توبہ کر لے۔(2) جب نماز قائم کر لے۔(3) جب زکوٰۃ دے تو مسلمانوں کے دینی بھائی ہیں۔

سوال 3:﴿ وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ "اور ہم ان لوگوں کے لیے آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کی ہیں کیونکہ ان ہی کے ذریعے اسلام اور اس کے احکامات کی معرفت حاصل ہوتی ہے ان آیات کے ذریعے بندے کو اخلاص نصیب ہوتا ہے ان آیات کے ذریعے احکامات کی وضاحت ملتی ہے اور حکمتیں اور فیصلے معلوم ہوتے ہیں۔ ان آیات کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی غلام بن جاتا ہے۔

﴿ وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴾

"اور اگر اپنے عہد کے بعد وہ اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔ بلاشبہ ان لوگوں کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں، تاکہ وہ باز آجائیں۔(12)

سوال1: ﴿وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ﴾ "اور اگر اپنے عہد کے بعد وہ اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ﴾ اگر وہ اپنے حلف کو توڑ ڈالیں یعنی معاہدے کو توڑ ڈالیں اور تمہارے خلاف تمہارے دشمن کی مدد کریں یا نقصان پہنچائیں۔(2)﴿مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ﴾ اپنے معاہدے کے بعد یعنی اگر وہ معاہدے پر قائم رہیں تو تم بھی قائم رہو۔(3) ﴿وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ "اور تمہارے دین میں طعن کریں۔" تمہارے دین میں عیب نکالیں، مذاق اڑائیں یعنی دین اور قرآن مجید میں کسی قسم کا طعنہ دیں۔(4) ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ﴾ "تو کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔" ائمہ کفر سے مراد وہ افراد ہیں جو اپنے قائدانہ مقام کی وجہ سے اسلام کے خلاف اٹھنے والی movement کی قیادت کر رہے ہوں۔(5) فَقَاتِلُوْهُمْ کی بجائے ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ﴾ فرمایا۔ اس سے تمام مشرکین قریش مراد ہیں جو پورے عرب کے مشرکوں کے سرغنے بنے ہوئے تھے نہ ایمان قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے اور قبائل عرب نے انہیں اپنا مقتدی بنا رکھا تھا جو اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے یا﴿اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ﴾ سے قریش کے سردار مراد ہیں جیسے ابو جہل اور سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابو سفیان بن حرب وغیرہ ہم۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسی کو اختیار فرمایا۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ آیت قریش مکہ کے سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نقض عہد بھی کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے جلاوطن کرنے کا مشورہ بھی دیا جب کہ دارالندوہ میں جمع ہوئے تھے۔ (انوار البیان:2/559) (6) قتادہ نے کہا: ائمہ کفر سے مراد ابو سفیان، ابو جہل، امیہ بن خلف، سہیل بن عمرو، عتبۃ بن ربیعہ ہیں۔ (جامع البیان:16448) (7) یعنی قائدین کفر اور ان سرداروں سے لڑو جو اللہ رحمن کے دین میں طعن و تشنیع کرتے ہیں اور شیطان کے دین کی مدد کرتے ہیں۔ ان قائدین کفر کا خاص طور پر ذکر اس لئے کیا ہے کیونکہ ان کا جرم بہت بڑا تھا اور دیگر لوگ تو محض ان کے پیروکار تھے اور تاکہ یہ اس بات کی دلیل ہو کہ جو کوئی دین میں طعن و تشنیع کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کو ٹھکرانے کے درپے ہوتا ہے تو اس کا شمار ائمہ کفر میں ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی:1/1018-1019) (8) اس آیت سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والے کے قتل پر استدلال کیا گیا ہے اور اس کے قتل پر بھی جو اسلام کی برائی اور توہین کرے۔(مختصر ابن کثیر:1/706)

سوال2: ﴿وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ﴾ "اور اگر اپنے عہد کے بعد وہ اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔" کفر کے قائدین سے جنگ کرنے کا حکم کس صورت حال میں دیا گیا؟

جواب:(1) کفر کے قائدین سے اس صورت حال میں جنگ کرنے کا حکم دیا گیا جب وہ اپنے معاہدات توڑ ڈالیں۔(2) جب وہ تمہارے دین میں عیب لگائیں ان دو صورتوں کی موجودگی میں ان سے جنگ کرو ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں۔

سوال3: ﴿اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ﴾ "بلاشبہ ان لوگوں کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں، تاکہ وہ باز آجائیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ ﴾ ”بلاشبہ ان لوگوں کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں۔“یعنی ان کا کوئی معاہدہ نہیں جس کی وہ پابندی کریں وہ ہمیشہ معاہدہ شکنی کرتے ہیں اس لیے ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔(2) ﴿ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴾ ”تاکہ وہ باز آجائیں ہو سکتا ہے وہ دین میں عیب نکالنے سے رک جائیں یا کفر سے رک جائیں اور اسلام قبول کرلیں۔(تفسیر قاسمی:8/142)

﴿ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (13)

”کیا تم ان لوگوں سے نہ لڑوگے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور پہلی بار انہوں نے ہی تم سے ابتدا کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔“ (13)

سوال1:﴿ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ ﴾ ”کیا تم ان لوگوں سے نہ لڑوگے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور پہلی بار انہوں نے ہی تم سے ابتدا کی۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ ﴾ ”کیا تم ان لوگوں سے نہ لڑوگے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا۔“ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنے دشمنوں کے خلاف جہاد کے لیے ترغیب دلائی ہے کہ اے مومنو! تم ان کے خلاف جہاد نہیں کروگے جنہوں نے تمہارے اور اپنے درمیان طے پانے والے معاہدے توڑے، تمہارے دین میں طعن کے لیے اور تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں کی مدد کی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انہیں نکالا اور انہوں نے پہلی بار جنگ کا آغاز کیا یعنی بدر کے دن۔(جامع البیان) (2) ﴿ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ ﴾ اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا حالانکہ ان کا احترام ان پر فرض تھا۔(3) ﴿ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ ﴾ ”اور پہلی بار انہوں نے ہی تم سے ابتدا کی“ انہوں نے پہلی بار جنگ کا آغاز کیا اور تمہارے دشمنوں کی مدد کی یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب قریش نے رسول اللہ ﷺ کے حلیف بنو خزاعہ کے خلاف جنگ کی۔

سوال2: مشرکین کے خلاف مسلمانوں کی جنگ اور جہاد شروع نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب سوالیہ انداز میں دیا ہے:﴿ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ ﴾ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟

سوال3:﴿ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ”کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ اَتَخْشَوْنَهُمْ ﴾ ”کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟“ یعنی کیا تم ان سے جنگ کرنے سے ڈرتے ہو۔(2) ﴿ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ” حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو اور جہاد کو ترک نہ کرو۔(3) مومن اللہ تعالیٰ اپنے رب کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا جیسا کی رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ ﴾ اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔(الاحزاب:39) (4) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دو آنکھیں ان کو کبھی دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی ہو دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کہ راہ میں پہرہ

دیتے ہوئے رات کاٹی۔(جامع الترمذی:1639) (5)ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کم ہی کسی مجلس سے بغیر اس دعا جو اپنے صحابہ کے لیے کرتے تھے اٹھتے تھے: ”اے اللہ! تو ہم کو اپنا ایسا خوف عطا فرما جو ہمارے اور ہمارے گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور ایسی اطاعت کی توفیق عنایت فرما جو ہم کو تیری جنت میں پہنچا دے اور ایسا یقین جس سے تو ہماری دنیا کی مصیبتوں کو آسان کر دے اور جب تک تو ہم کو زندہ رکھے تو ہمارے کانوں، آنکھوں اور قوتوں سے ہم کو فائدہ پہنچا اور ہر ایک کو ہمارا وارث بنا دے اور ہمارا انتقام ہم پر ظلم کرنے والوں پر مقرر فرما اور ہمارے دشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما اور ہمارے دین میں مصیبت نہ ڈالنا اور دنیا کو ہماری سب سے بڑی فکر مندی کی چیز نہ بنانا اور نہ اسے ہمارا منتہائے علم بنانا اور نہ ایسے شخص کو ہم پر مسلط کرنا جو ہمارے حال پر رحم نہ کرے۔(جامع الترمذی:3502) (7) نفع و نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے اور جب وہ لڑنے کا حکم دے رہا ہے تو تمہیں ضرور لڑنا چاہیے۔(وحیدی)(الحواش:1/ 227) (8) اس سے پیشتر مسلمانوں کو جہاد کی متعدد بار ترغیب دی جا چکی تھی اور مسلمان کئی معرکہ اور جنگیں بھی کر چکے تھے۔ اب اعلان برات کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے پیچھے مظالم یاد دلا دلا کر کافروں سے جنگ کرنے کی جو پر زور ترغیب دی ہے تو اس کی چند وجوہ تھیں مثلاً برات کے وقت بھی مشرکین کی تعداد جزیرۃ العرب میں مسلمانوں سے زیادہ تھی اس لیے ان کو یہ خیال آ سکتا تھا کہ ایسی ذلت گوارا کرنے سے کے بجائے سب مل کر اسلام کا ہی نام نشان مٹا دیں اور عرب جیسی جنگ جو اور دلیر قوم سے ایسا خطرہ کچھ بعید از عقل بھی نہ تھا۔ کیونکہ ایک تو ان کے تمام معاہدات کالعدم قرار دیئے جا رہے تھے اور دوسرے جلاوطنی کی دھمکی یا جنگ پر تیار ہو جانے کا چیلنج دے دیا گیا تھا، تیسرے کعبہ کی تولیت کو ختم کر دیا گیا تھا۔ چوتھے کعبہ میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا تھا اور مکہ ہی وہ تجارتی مرکز تھا جس پر بالخصوص مقامی مشرکین اور آس پاس کے رہنے والے مشرک قبائل کا معیشت انحصار تھا۔ پانچویں یہ کہ جو لوگ نئے نئے مسلمان ہو رہے تھے ان کے اکثر اقرباء ابھی تک مشرک تھے اور ان سے تعلقات برقرار رکھنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ لہٰذا ان وجوہات کی بنا پر عین ممکن تھا کہ تمام مشرک متحد ہو کر مسلمانوں سے ایک عظیم جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے یا کم از کم عرب بھر میں وسیع پیمانہ پر مسلمانوں سے خانہ جنگی شروع ہو جاتی لہٰذا ضروری تھا کہ ایسے موقع پر مسلمانوں کو پر زور تلقین کی جاتی اور ان کے ذہن سے ان کے خطرات کو دور کیا جاتا جو اس پالیسی پر عمل درآمد کرنے کی صورت میں انہیں نظر آ رہے تھے اور انہیں ہدایت کی جاتی کہ انہیں اللہ کی مرضی پوری کرنے میں کسی بات سے خائف نہیں ہونا چاہیے۔ (تیسیر القرآن:188)

سوال 4: اللہ تعالیٰ کا ڈر انسان کو کیا دیتا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کا ڈر حکمت اور دانائی کی اصل ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ کا ڈر انسان کے اندر شعور بے دار کرتا ہے جس سے حقائق کو ان کے اصل روپ میں دیکھنے لگتا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ کا منصوبہ سمجھنے میں مشکل پیش نہیں آتی۔ (4) اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھنے والا اللہ تعالیٰ کی چاہت کو سمجھ کر پوری طرح سے خود کو اس کے راستے پر لگا دیتا ہے جس کی آخری منزل کامیابی ہے۔

﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۙ﴾

”تم ان سے لڑو، اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب دلوائے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومنوں کے سینوں کو شفا دے گا۔(14)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابو الشیخ نے سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت بنو خزاعہ کے قبیلے کے بارے میں اتری ہے جس وقت وہ بنو بکر کو مکہ مکرمہ میں قتل کر رہے تھے اور سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت بنو خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن عباس: 1/506-507)

سوال 2: ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ﴾ "تم ان سے لڑو، اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب دلوائے گا اور انہیں رسوا کرے گا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیتے ہوئے ان فوائد کا ذکر فرمایا ہے جو جہاد کے نتیجے میں نصیب ہوتے ہیں۔ اس طرح رب العزت نے جہاد کی ترغیب دلائی ہے۔ (2) ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ﴾ "تم ان سے لڑو، اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب دلوائے گا۔" یعنی اللہ تعالیٰ انہیں زخموں سے تکلیف دے گا اور موت کی تکلیف دے گا۔ (تفسیر قاسمی: 8/143) (3) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو سعید! جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اس بات پر تعجب کیا تو عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ان کو دوبارہ شمار فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ایسا کیا پھر فرمایا: ایک اور بات بھی ہے کہ اس کی وجہ سے بندے کے جنت میں سو درجات بلند ہوتے ہیں اور ہر دونوں درجات کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد اللہ کے راستہ۔ (مسلم: 4879) (4) ﴿وَ يُخْزِهِمْ﴾ اور انہیں رسوا کرے گا یعنی قید اور غلبے کے ذریعے انہیں رسوا کرے گا۔ (جامع البیان) (5) اللہ تعالیٰ جب تمہاری مدد کرے گا تو ان کافروں کے خلاف کرے گا جس کی وجہ سے ان کی رسوائی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں کافروں کو ذلیل کرے گا اور تمہارے دل ٹھنڈے ہوں گے۔

سوال 3: ﴿وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۙ﴾ "اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومنوں کے سینوں کو شفا دے گا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ "اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا۔" یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت بھی ہے اور وعدہ بھی کہ وہ تمہیں کافروں پر کامیابی نصیب فرمائے گا اور غلبہ عطا کرے گا، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ (2) ﴿وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۙ﴾ "اور مومنوں کے سینوں کو شفا دے گا۔" کیونکہ کفار کے خلاف ان کے دل غیظ و غضب سے لبریز ہیں۔ ان کے خلاف قتال کرنے اور ان کو قتل کرنے سے اہل ایمان کو ان کے دلوں میں موجود غیظ و غضب اور غم و ہموم سے شفا ملتی ہے۔ کیونکہ وہ ان دشمنوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف بر سر پیکار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور بجھانے میں کوشاں ہیں چنانچہ انہیں قتل و رسوا کر کے مومنوں کے دلوں میں موجود غیظ و غضب زائل ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت کرتا ہے اور ان کے احوال کو در خور اعتناء سمجھتا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے اہل ایمان کے دلوں کو شفا دینا اور ان کے غیظ و غضب کو زائل کرنا، مقاصد شرعیہ میں شمار کیا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1/1019-1020) (3) جہاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہی خاص نہیں تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

سوال4: مسلمانوں کے دلوں کو شفاء، ٹھنڈک اور تسکین کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

جواب:(1) مسلمانوں کے دلوں کو شفاء، ٹھنڈک اور تسکین اسلام کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کی صورت میں اور دشمن کے ذلیل ہو جانے کی صورت میں نصیب ہو سکتی ہے۔(2) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کرتا ہے تو دلوں کو شفاء نصیب ہوتی ہے۔

﴿ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

"اوران کے دلوں کا غصہ دور کرے گا اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے توبہ کی توفیق دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔"(15)

سوال1: ﴿ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ ﴾ "اوران کے دلوں کا غصہ دور کرے گا۔" کافروں کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں پایا جانے والا غیظ وغضب کیسے دور ہو سکتا ہے؟

جواب:(1) کافروں کے بارے میں جو غیظ وغضب مسلمانوں کے دلوں میں ہوتا ہے اس کے ٹھنڈا ہونے کی صورت جنگ ہے کیونکہ دشمن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ان کے احکامات اور ان کے دیے ہوئے دین کے خلاف کوششیں کرتا ہے۔ ان کے قتل، قید اور رسوائی سے مومنوں کا غضب دور ہوتا ہے اور انہیں تسکین نصیب ہوتی ہے۔(2) کافروں کے ساتھ جنگ سے دل ہلکے ہو جائیں گے انہوں نے گھروں سے نکالا اب اپنے انجام کو پہنچے۔

سوال2: کافروں کے دل اسلام کی طرف کیسے مائل ہو سکتے ہیں؟

جواب:(1) مسلمانوں کی فتح کے نتیجے میں کافروں کے دل اسلام کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔(2) کافروں کی بصیرت ان کی توجہ اسلام کے مستقبل کی طرف مبذول کروا سکتی ہے کہ مستقبل اسلام کا ہے۔(3) کافروں کو مسلمانوں کی فتح سے یہ شعور نصیب ہو سکتا ہے کہ اوپر کوئی طاقت ہے جو مسلمانوں کو قوت دے رہی ہے۔

سوال3: مسلمانوں کو جنگ میں دوہرا اجر کیسے مل سکتا ہے؟

جواب:(1) جہاد فی سبیل اللہ سے مسلمانوں کو اجر ملتا ہے۔(2) کافروں کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کو اجر ملتا ہے۔

سوال4: ﴿ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ ﴾ "اوراللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے توبہ کی توفیق دیتا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ ﴾ "اوراللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے توبہ کی توفیق دیتا ہے۔" اللہ تعالیٰ کافروں میں سے جسے چاہتا ہے اسلام قبول کرنے اور توبہ کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے لیے اسلام کو پسندیدہ اور کفر، فسق اور نافرمانی کو قابل نفرت بنا دیتا ہے۔ (2) قریش کے سرداروں اور عام لوگوں میں کتنے ہی ایسے ہیں جنہیں فتح مکہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق دی اور وہ مسلمان ہوئے جیسے عکرمہ بن ابی جہل، ابوسفیان اور سہل بن عمرو وغیرہ۔(اشرف الحواشی:1/227) (3) یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مکہ تو سن 8 ہجری میں فتح ہو چکا تھا اور سورۃ برأۃ سن 9 ہجری میں نازل ہوئی پھر ان آیات میں کون سے جہاد کی ترغیب دی گئی ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے صاحب روح المعانی(روح المعانی:10/62) میں لکھتے ہیں کہ سورۃ برأت کی ابتدائی آیات فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھیں اور یہ آیات اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور نصرت کی خوشخبری دی ہے۔(انوار البیان:2/560)

سوال5:﴿ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝۵ ﴾ ”اوراللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“ اللہ تعالیٰ کے علیم وحکیم ہونے سے کیامراد ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کا مطلب ہے کہ وہ سارے معاملات کی حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں۔(2) اللہ تعالیٰ ﴿ حَكِیْمٌ ﴾ ہے اس کے سارے اقدامات گہری حکمت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔(3) یعنی وہ تمام اشیا کو ان کے مقام پر رکھتا ہے۔وہ خوب جانتا ہے کہ کون ایمان لانے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ چنانچہ وہ اس کی راہ نمائی کرتا ہے اور کون اس صلاحیت سے محروم ہے؟ وہ اس کو اس کی گمراہی اور سرکشی میں غلطاں چھوڑ دیتا ہے۔(تفسیر سعدی: 1/1020)

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۶ ﴾

”یاتم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ان لوگوں کو نہیں جانا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو راز دار نہیں بنایا اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“(16)

سوال1:﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً ؕ ﴾ ”یاتم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ان لوگوں کو نہیں جانا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو راز دار نہیں بنایا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا ﴾ ”یاتم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے؟“ یعنی کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں آزمائش کے بغیر ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا مومن اور منافق جھوٹے اور سچے کے درمیان فرق کرنے کے لیے کوئی عملی امتحان نہیں ہو گا کہ تمہیں حکم دیا جائے، پھر چھوڑ دیا جائے کہ آیا تم عمل کرتے ہو یا نہیں۔(2) رب العزت کا فرمان ہے:﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝۲ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ۝۳ ﴾ کیا لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ اس پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ وہ کہہ دیں ہم ایمان لائے ہیں اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا؟ اور یقیناہم نے ان لوگوں کو بھی آزمایا جو ان سے پہلے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور جان لے گا جنہوں نے سچ کہا اور یقینا وہ جھوٹوں کو بھی ضرور جان لے گا۔(العنکبوت :2-3) (3) ﴿ وَ لِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ۝۱۴۱ ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خالص کرلے جو ایمان لائے اور کافروں کو مٹا دے۔(آل عمران:141) (4) ﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝۱۷۹ ﴾ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ وہ مومنوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے اور کبھی ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ تمہیں غیب کی اطلاع دے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے چنانچہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ اور متقی بنو تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے۔(آل عمران:179) (5) یعنی کیا

تمہیں اسی حال پر چھوڑ دیا جائے گا اور تمہیں جہاد کا حکم نہیں دیا جائے گا۔(تفسیر قاسمی:8/144) (6) ﴿وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾ ”حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ان لوگوں کو نہیں جانا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے۔“ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کون خالص اور سچا مومن ہے اور کون محض زبانی دعوے کرنے والا منافق ہے لیکن وہ لوگوں پر ظاہر کرنے کے لیے ہر شخص کو امتحان میں ڈالتا ہے تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ کون اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جہاد کرتا ہے۔ (7) یعنی ایسا علم جو اس چیز کو خارج میں ظاہر کر دے جو قوت میں موجود ہے، تاکہ اس پر ثواب وعقاب مرتب ہو۔ پس ان لوگوں کو جان لے جو اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے اس کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی: 1/1020۔1021) (8) ﴿وَ لَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً ؕ﴾ یعنی انہوں نے کفار کو اپنا دوست نہیں بنایا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاد اس لئے مشروع فرمایا، تاکہ اس سے یہ عظیم مقصد حاصل ہو سکے اور وہ عظیم مقصد یہ ہے کہ سچے لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو صرف دین کے لیے وقف کر رکھا ہے، ان جھوٹے لوگوں سے ممیز ہو جائیں جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور حال ان کا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور مومنین کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا دلی دوست اور مددگار بناتے ہیں۔(تفسیر سعدی: 1/1020۔1021) (9) ﴿وَلِیْجَةً ؕ﴾ کسی وادی کے اس غار کو کہتے ہیں جہاں راستہ چلنے والے بارش کی وجہ سے پناہ لیں اس سے مراد ہے دلی دوست۔ (10) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ۚ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖۗ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَیْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَ مَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کے پاس دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے یقیناً انہوں نے اس کا انکار کیا ہے، وہ رسول کو اور خود تمہیں اس بنا پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ اپنے رب پر ایمان رکھتے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا تلاش کرنے کے لیے نکلے ہو تم چھپا کر ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو شخص بھی ایسا کرے یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔(الممتحنہ:1) (11) نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَحَبَّ لله وَ أَبْغَضَ لله وَاَعْطَى لله وَمَنَعَ لله فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَان» جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی اللہ تعالیٰ کے دشمنی کی اللہ تعالیٰ کے لیے اپنا مال دیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے روک لیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔(ابوداؤد) (12) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل ایمان سے محبت اور دوستی رکھتے تھے اور کافروں سے بے زاری اور نفرت کا اظہار کرتے اور ان سے دشمنی رکھتے تھے عطاء سے روایت ہے کہ انہوں نے عبیدہ بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ذکر کرتے سنا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قنوت میں یہ دعا مانگی: یا اللہ! مومن مردوں اور مومن عورتوں کو، مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دے اور ان کے دلوں میں الفت ڈال دے اور ان کی آپس میں اصلاح فرما دے اپنے اور ان کے (مشترکہ) دشمن کے خلاف ان کی مدد فرما۔ اے اللہ! اہل کتاب میں سے ان کافروں پر اپنی لعنت فرما جو تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے رسولوں سے جنگ کرتے ہیں۔ اے اللہ! ان کے معاملات میں اختلاف ڈال دے، ان کے قدم ڈگمگا دے اور ان پر ایسا عذاب نازل فرما جسے تو مجرم لوگوں سے پھیرتا نہیں۔“ (اسے مروزی نے قیام اللیل میں روایت کیا ہے۔)

سوال2: اللہ تعالیٰ خالص مومنوں کو کن دو معیاروں پر پرکھتے ہیں؟

جواب: (1) کون لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں Struggle (جہاد) کرتے ہیں۔ (2) کون لوگ اللہ تعالیٰ، رسول ﷺ اور اہل ایمان کے علاوہ کسی کو ولیجہ نہیں بناتے ہیں۔

سوال4: مومن کب اللہ تعالیٰ، رسول اللہ اور اہل ایمان کے علاوہ کسی کو ﴿وَلِيْجَةً﴾ (دلی دوست) نہیں بناتا؟

جواب: (1) جب مومن اللہ تعالیٰ کے حکم کو جان لیتا ہے اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ کافروں سے دوستی کرنے کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے خلاف عذاب کی حجت دے دوں تو وہ اللہ تعالیٰ، رسول اور اہل ایمان کے علاوہ کسی کو اپنا ﴿﴾ نہیں بناتا جیسا کہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝﴾ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے خلاف اللہ تعالیٰ کے لیے ایک واضح حجت بنالو؟ (النساء:144) (2) جب مومن اللہ تعالیٰ کے لئے جہاد کرنے والا بن جاتا ہے تو اس کے دلی تعلقات اللہ تعالیٰ، رسول اور اہل ایمان سے ہو جاتے ہیں اس وجہ سے وہ ان کے سوا کسی اور کو اپنا دلی دوست نہیں بنا سکتا۔ جب مومن کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اگر میں نے کافروں سے دلی دوستی رکھی تو میرا شمار بھی ان ہی میں سے ہو گا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انہیں دوست بنائے گا تو وہ یقینا انہی میں سے ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ:51) اس علم کے بعد وہ کافروں کو دوست نہیں بناتا۔ (3) جب مومن دین سے محبت کرتا ہے اور اس کو یقین آجاتا ہے کہ کافروں نے دین کو تماشا بنالیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کے ماسوا کسی سے دلی دوستی نہیں کرتا۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کافروں کو اور ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، اپنا دوست نہ بناؤ، انہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم مومن ہو!" (المائدہ:57) (4) جب مومن یہ جان لیتا ہے کہ کافر اس کی مصیبت سے خوش ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝﴾ اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو ان کی خفیہ تدبیر تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ یقینا جو وہ عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کرنے والا ہے۔ (آل عمران:120) (5) جب مومن کو یقین ہو جاتا ہے کہ کافر مسلمانوں کو دین اسلام سے ہٹا کر لادینیت اور گمراہی پر لانا چاہتے ہیں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ اہل کتاب میں سے ایک گروہ خواہش رکھتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کر دیں حالانکہ وہ نہیں گمراہ کر رہے مگر اپنی جانوں کو اور وہ شعور نہیں رکھتے۔ (آل عمران:69) (6) جب مومن کو یقین ہو جاتا ہے کہ کافر مسلمانوں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دینا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا

بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَ مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، وہ تمہیں کسی طرح برباد کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے، وہ پسند کرتے ہیں ایسی چیز کو جو تمہیں مصیبت میں ڈال دے، ان کا بغض ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو ان کے سینے چھپاتے ہیں زیادہ بڑا ہے۔ یقیناً ہم نے تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم سمجھتے ہو۔(آل عمران:118) (7) جب مومن یقین کر لیتا ہے کہ کافر اور مسلمان دو مختلف گروہ ہیں جن میں دوستی اور اتحاد ممکن نہیں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۚ﴿۳﴾ وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ﴿۴﴾ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ؕ﴿۵﴾ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَ لِيَ دِيْنِ ﴿۶﴾ ﴾ ”آپ کہہ دیں کہ اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔“(الکافرون: 1-6)

سوال 5: اہل ایمان کسی کے لئے ولیجہ کب بن سکتے ہیں؟

جواب: (1) جب کوئی انسان دین کو سنجیدگی سے اپنی زندگی میں داخل کر لیتا ہے۔ (2) جب کوئی انسان دین کو اپنا مقصد زندگی بنالے اور اپنے مقصد کی مرکزیت سے جڑ جائے۔ (3) جب کوئی اپنی قیادت کا مکمل وفادار ہو۔ (4) جب دین کے راستے کے ساتھیوں سے کوئی مکمل طور پر جڑ جائے۔ (5) جب کسی کے اندر مقصدیت کا احساس جڑ پکڑ جائے تو وہ اہل ایمان کے علاوہ کسی کو اپنا وَلِیجَۃٍ نہیں بنا سکتا۔

سوال 5: اس دور میں مسلمانوں کے لئے کیوں ضروری ہو گیا تھا کہ وہ تمام مشرکین سے جنگ کریں؟

جواب: (1) جنگ اس لیے ضروری تھی کہ مسلمانوں کے خلاف پائے جانے والے خفیہ معاہدے ختم ہو جائیں گے۔ (2) منافقوں کی نیتوں کا فتور سامنے آجائے گا۔ (3) کاروباری تعلقات کے عذر ختم ہو جائیں گے۔ (4) کھوٹے اور کھرے کا امتیاز ہو جائے گا۔

سوال 6: ﴿ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ ﴾ ”اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ خبیر ہے یعنی پوری طرح باخبر ہے دلوں کے اعمال و احوال سے بھی اور ظاہری معاملات سے بھی۔ وہ اس طرح آزمائش کرتا ہے کہ حقیقت ظاہر ہو جائے۔ (2) وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اس لیے تمہیں تمہارے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔

## رکوع نمبر 9

﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَ فِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ ﴾

”مشرکوں کے لیے کبھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں حالانکہ اپنے آپ پر وہ کفر کی شہادت دینے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ ہمیشہ آگ ہی میں رہنے والے ہیں۔“ (17)

سوال 1:﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ ”مشرکوں کے لیے کبھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ مشرکوں کے لیے مناسب نہیں۔(2) ﴿اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ ”کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں۔“یعنی عبادات اور نیکیوں کے ذریعے سے مساجد کو آباد کریں کیونکہ وہ اپنے کفر کا اقرار کرتے ہیں۔(3) کیسے ممکن ہے کہ جو مساجد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بنائی گئی ہوں انہیں مشرک آباد کریں وہ آباد نہیں رکھ سکتے۔(4) یہاں مسجد سے مراد مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ ہے۔

سوال 2: مساجد کی تعمیر میں مشرک حصہ کیوں نہیں لے سکتے؟

جواب:(1) مساجد اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان میں کسی کا نام نہیں لیا جا سکتا۔ کیسے ممکن ہے کہ ان کی تعمیر میں وہ لوگ حصہ لیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہوں۔(2) مساجد کی تعمیر کا حق اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والوں کا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ تعمیر کا حق انہیں دے دیا جائے جن لوگوں کی زندگیاں ایمان کی بجائے کفر کی گواہی دے رہی ہوں!

سوال 3:﴿شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ ”حالانکہ اپنے آپ پر وہ کفر کی شہادت دینے والے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) یعنی جب وہ اپنے کفر کی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو ایمان والے ہی آباد کرتے ہیں۔(2) اعمال کی بنیاد ایمان پر ہے اور کافر ایمان نہیں رکھتے پھر وہ اللہ تعالیٰ کی مساجد کو آباد کرنے کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں جب کہ ان کے اعمال کی بنیاد یعنی ایمان نہیں۔

سوال 4:﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ ہمیشہ آگ ہی میں رہنے والے ہ۔یں“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال باطل ہو گئے ان پر نہ ثواب ملے گا نہ نجات ہو گی۔ (ایسر التفاسیر:540) (2) اعمال کی جزا کا انحصار اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان ہے اور مشرک تو روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کے معاملہ میں ان کا تصور ہی غلط تھا۔ انہوں نے سب خدائی اختیارات و تصرفات تو اپنے دیوی دیوتاؤں اور بزرگوں کو دے رکھے تھے لہٰذا ایمان نہ لانے کی وجہ سے ان کے اچھے اعمال ضائع ہو گے اور شرک اور بداعمالی کی وجہ سے ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہو گا۔(تیسیر القرآن:2/190) (3) ﴿وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ ”اور وہ ہمیشہ آگ ہی میں رہنے والے ہیں۔“ ان کے اندر اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے وہ آگ میں داخل ہوں گے۔ اس سے کبھی نکل نہیں پائیں گے اس لیے ان کے پاس کوئی ایسا عمل نہیں ہو گا جو ان کے لیے سفارشی بن سکے اور انہیں وہاں سے نکلوا سکے۔(ایسر التفاسیر:540-541) (4) اپنے کفر اور نافرمانیوں کی وجہ سے وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔(تفسیر ابی سعود:3/131)

سوال 5: مشرکین کے سارے اعمال کیسے ضائع ہو جاتے ہیں؟

جواب: مشرکین کے اعمال شرک کی وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں کیونکہ اعمال وہی قابل اعتبار ہیں اور عبادت بھی وہی قابل قبول ہے جس کی بنیاد درست عقیدے پر ہو۔ جس کا عقیدہ درست نہ ہو اس کے اعمال کیسے پھل پھول سکتے ہیں۔ عقیدے کی غلطی اعمال ضائع کرا دیتی ہے۔

﴿ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ ﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرا تو اُمید ہے کہ یہ لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔" (18)

سوال 1: ﴿ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرا۔" مساجد کی تعمیر کے لئے کون افراد حق دار ہو سکتے ہیں؟

جواب: ﴿ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ ﴾ "یقیناً اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ اس کے گھروں کو آباد کرنے کا حق دار کون ہو سکتا ہے یعنی ان میں عبادات کرنے اور ان کو پاک کرنے کا حق کس کا ہے۔ (ایسر التفاسیر: 541) (2) حدیث میں ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم کہ میں زمین والوں کو عذاب کرنا چاہتا ہوں لیکن اپنے گھروں کے آباد کرنے والوں اور اپنی راہ میں آپس میں محبت رکھنے والوں اور صبح سحری کے وقت استغفار کرنے والوں پر نظریں ڈال کر اپنا عذاب ہٹا لیتا ہوں۔ (ابن کثیر: 2/330) (3) اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ مسجدیں اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں جو ان میں داخل ہو اللہ کا ان پر حق ہے کہ مساجد کا احترام کرے۔ (ابن کثیر: 2/330) (4) ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "جو نماز کی اذان سن کر پھر بھی مسجد میں آکر باجماعت نماز نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے کہ مسجدوں کی آبادکاری کرنے والے اللہ تعالیٰ کے اور قیامت کے ماننے والے ہی ہوتے ہیں۔" (ابن کثیر: 2/330) (5) سیدنا معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں درختوں یعنی پیاز اور لہسن کے کھانے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو شخص انہیں کھائے ہماری مسجد کے پاس نہ آئے اور فرمایا کہ اگر تمہیں کھانا ہو تو ان کو پکا کر کھاؤ جس سے ان کی بدبو چلی جائے گی۔ (ابوداؤد: 2/179) (6) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے ثواب کے کام پیش کیے گئے یہاں تک کہ کوئی شخص اگر مسجد سے ایسی چیز نکال دے جو دیکھنے میں ناگوار ہو (اگرچہ معمولی سا کوڑا کچرا تنکا ہو) تو وہ بھی مجھے ثواب کے کاموں میں دکھایا گیا اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے تو اس سے بڑھ کر میں نے کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی پھر وہ اسے بھول گیا۔ (ابوداؤد: 1/66) (7) سیدنا انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ مسجدیں بنا بنا کر آپس میں فخر کریں گے۔ (ابوداؤد: 1/65) (8) ایک حدیث میں مسجدوں کی زیب و زینت پر توجہ دینے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کی مسجدیں آباد ہوں گی اور ہدایت کے اعتبار سے ویران ہوں گی۔ (مشکوۃ المصابیح: 38) (9) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے اس شخص کے لیے دعا کرتے ہیں جو نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھا رہے جب تک اس کو حدث لاحق نہ ہو۔ فرشتے

یوں کہتے رہتے ہیں یا اللہ اس کو بخش دے یا اللہ اس پر رحم کر۔(بخاری:445) (10)سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا تھا اتنے میں ایک شخص نے مجھ پر کنکر پھینکا۔کیا دیکھا ہوں کہ عمر بن خطاب ہیں۔مجھے کہنے لگ:ے "جاؤ ان دو آدمیوں کو بلالاؤ۔میں بلالایا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:"اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں خوب سزا دیتا۔تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آواز بلند کرتے ہو؟"(بخاری:470) (11) ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ "جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا۔"جو اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر صدق دل سے یقین رکھتا ہے۔خالص اسی کی عبادت کرتا ہے اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مردوں کو ان کی قبروں سے نکالیں گے۔(جامع البیان:16481)سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے(عرش کے)سایہ میں رکھے گا جس دن اس کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔انصاف کرنے والا حاکم،وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جوان ہوا ہو،وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہے،دو ایسے شخص جو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھتے ہیں،اسی پر وہ جمع ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے،ایسا شخص جسے کسی خوب صورت اور عزت دار عورت نے بلایا لیکن اس نے یہ جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں،وہ انسان جو صدقہ کرے اور اسے اس درجہ چھپائے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا اور وہ شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرے اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگ جائیں۔(بخاری:1423) (12) ﴿وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ﴾ "اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی۔" اور لوازم ایمان یعنی اقامت صلوۃ اور ادئیگی زکوٰۃ کے اعمال انجام دیتا ہو۔یعنی جو فرض اور مستحب نمازوں کو ان کے ارکان ، سنن، آداب و شرائط کے ساتھ قائم کریں۔اور باطنی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور اسی کی طرف توجہ رکھیں۔ (13) ﴿وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ﴾ "اور زکوٰۃ ادا کی۔"یعنی جو زکوٰۃ ادا کریں۔جو لوگ مال میں سے اللہ تعالیٰ کے واجب کردہ کو ادا کریں۔(جامع البیان:16481) (14)یعنی مستحق لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرے۔(15) ﴿وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ "اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرا۔"جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ایک کا بھی خوف نہیں رکھتا۔(ایسر التفاسیر:540) (16)یعنی اپنی خشیت کو اللہ تعالیٰ پر مرکوز رکھتا ہے۔(تفسیر سعدی:1/1022) (17)خشیت تعظیم اور عبادت ہے یہ لوگوں کے لیے عدل کا مرتبہ ہے۔لامحالہ انسان غیر اللہ سے ڈرتا ہے اور دنیاوی خطرات سے ڈرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس سارے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی قضا سے ڈرتا رہے۔(تفسیر ثعالبی:169)(18)ابن عباسؓ نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا۔(ابن ابی حاتم:6/1766)

سوال2:﴿وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ "اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرا۔"غیر اللہ سے ڈرنے کی کیا حقیقت ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں سے ڈرنا شرک خفی ہے۔

سوال3:بندہ خالص کیسے ہوتا ہے؟

جواب:(1)جب بندے کی سوچ اور اس کا عقیدہ پاک ہوتا ہے۔تو اس کے خلوص کا آغاز ہو جاتا ہے۔(2)مومن کی عبادات پاک ہوتی ہیں تو وہ خالص ہونا شروع ہو جاتا ہے۔(3)مومن کے اعمال غیر اللہ کے خوف سے پاک ہوتے ہیں تو وہ خالص ہو جاتا ہے۔

سوال4:﴿فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۸﴾ "تو امید ہے کہ یہ لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔"کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) عَسَی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجوب کے معنوں میں آتا ہے۔(تفسیر سعدی:1/1022) (2)یعنی وہ آگ سے نجات کے راستے اور جنت کی کامیابی تک راستہ پانے والے ہوں گے۔(ایسر التفاسیر:541)

﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

"کیاتم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام کو آباد کرنا اس جیسا بنادیا جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اُس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں برابر نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔" (19)

سوال 1:اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب:سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا کہ ایک شخص نے کہا مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں اسلام لانے کے بعد سوائے حاجیوں کو پانی پلانے کے کوئی عمل نہ کروں اور دوسرے نے کہا مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اسلام لانے کے بعد مسجد حرام کو آباد کرنے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں۔ تیسرے نے کہا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد اس سے افضل ہے جو تم نے کہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب کو ڈانٹا اور کہا کہ اپنی آواز کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بلند نہ کرو یہ جمعہ کا دن تھا لیکن جمعہ کے دن کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے آپ سے اس کا فتویٰ طلب کیا جس میں انہوں نے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "کیاتم حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو اس شخص کے عمل کے برابر قرار دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا ہو۔" (صحیح مسلم:4871)

سوال 2:﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ﴾

"کیاتم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اس جیسا بنادیا جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ ﴾ "کیاتم نے حاجیوں کو پانی پلانا بنادیا" جہاں پلانے کا ذکر مطلقاً کیا جائے تو اس سے مراد آب زم زم پلانا ہوتا ہے۔(2) ﴿ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ "اور مسجد حرام کو آباد کرنا۔" یعنی مسجد حرام کی تعمیر اور اس گھر کی حفاظت۔(3) ﴿ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ﴾ "جیسا کہ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔" مشرک کہتے تھے کہ بیت اللہ کی خدمت اور حاجیوں کو پانی پلانا ایمان اور جہاد سے بہتر ہے۔ مشرکین مکہ کو حرم کی خدمات پر بڑا فخر تھا ان سے مخاطب ہو کر رب العزت نے فرمایا کہ تمہارے سامنے آیات پڑھی جائیں تو منہ پھیر جاتے ہو۔ تمہارے مقابلے میں ایمان اور جہاد کی قدر و قیمت اور بھی زیادہ ہے۔

سوال 3:﴿ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ ﴾ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں برابر نہیں ہیں" اللہ تعالیٰ کے نزدیک "حاجیوں کو پانی پلانے والے اور مسجد حرام کو بسانے والے کا عمل اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے اور جہاد کرنے والے کے برابر نہیں" حکمت واضح کریں؟

جواب:(1) جن لوگوں کے عقائد خالص نہیں ہوتے اور وہ نیک اعمال اور جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ نہیں لیتے ان کی زندگی حق کی شہادت دینے کی بجائے کفر کی شہادت دیتی ہے۔ اس کے ساتھ اگر کوئی نیکی کے کام کرے جیسے حاجیوں کو پانی پلانا، مسجد حرام کی

آبادکاری کی کوششیں کرنا تو اس کے پیچھے کچھ مفادات ہوتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کو خالص اور سچے جذبے چاہئیں جو سچے ایمان کے ساتھ جہاد کے ذریعے سامنے آتے ہیں۔اس لیے دونوں طرح کے لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔(2) جہاد اور ایمان کئی درجے افضل ہیں کیونکہ ایمان دین کی بنیاد ہے اور اسی کے ساتھ اعمال قبول ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ تزکیہ ہوتا ہے۔نبی ﷺ کا فرمان ہے جہاد فی سبیل اللہ تو دین اسلام کا کوہان ہے۔جہاد کے ذریعے دین کی حفاظت ہوتی ہے جو شریعت کے مقاصد میں سے پہلا مقصد ہے۔جہاد کے ذریعے باطل کی بیخ کنی کی جاتی ہے اور حق کو مضبوط کیا جاتا ہے۔جہاد سے ہی دین میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔(3) جہاں تک مسجد حرام کو آباد کرنا حاجیوں کو زم زم پلانا ہے تو یہ نیک اعمال ہیں لیکن ایمان کے بغیر قبول نہیں ہوتے کیونکہ ایمان اعمال صالحہ کی بنیاد ہے۔(4) حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی آبادکاری میں وہ مصالح نہیں ہیں جو ایمان اور جہاد کی مثال میں ہیں لہذا دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

سوال4:﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ کی وضاحت کریں۔

جواب:(1) ظالم وہ ہے جو شرک کرتا ہے اور شرک کے ساتھ اگر کوئی بیت اللہ کا معمار بن جائے، حاجیوں کا خادم بن جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کا راستہ نہیں دکھاتا۔(2) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو ظلم کرتے ہیں جو بھلائی کو قبول نہیں کرتے اللہ تعالیٰ انہیں نفع مند علم اور عمل صالح کی توفیق نہیں دیتا یعنی ہدایت نہیں دیتا۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ﴾

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجے میں زیادہ بڑے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔“ (20)

سوال1:﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ ﴾ ”جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجے میں زیادہ بڑے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر پر فخر کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان اور جہاد کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے۔(جامع البیان)(2) ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ”جو لوگ ایمان لائے۔“ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کی۔(3) ﴿ وَ هَاجَرُوْا ﴾ جنہوں نے ہجرت کی اپنے گھر بار چھوڑے، وطن سے اور رشتہ داروں سے دور ہوئے۔(4) ﴿ وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ ﴾ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کے راستے میں مشرکوں سے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا۔(5) ﴿ بِاَمْوَالِهِمْ ﴾ یعنی اپنا مال جہاد کے لیے لگایا۔جہاد کرنے والوں کو سامان مہیا کرنے کے لیے خرچ کیا۔(6) ﴿ وَ اَنْفُسِهِمْ ﴾ اور جو خود جہاد کے لیے نکلتے ہیں۔(7) ﴿ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ ﴾ اس سے بڑا درجہ ہے یعنی فضیلت مراد ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کے درجے اسفل ہیں۔کیونکہ اس کے مقابلے میں دوسرے لوگوں کے اعمال تو ضائع گئے جنہوں نے شرک کیا اور ساتھ ظاہری نیکی کے کچھ کام بھی کر لیے۔

سوال2:﴿ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ﴾ ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجے میں زیادہ بڑے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) وہی لوگ آگ سے نجات پانے والے اور جنت میں داخل ہونے والے ہوں گے۔(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا میں ایک ایسی تجارت کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو، اگر تم جانتے ہو تو تمہارے لیے یہ بہت بہتر ہے۔ وہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تمہیں باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور ابدی جنت کے پاکیزہ گھروں میں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“ (الصف:10.12) (3) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام چلنا (یا گزارنا) دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس سے بہتر ہے۔(صحیح مسلم:4873 ) (4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کے برابر کوئی عبادت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس عبادت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ابو ہریرہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ یہ سوال آپ کے سامنے دو یا تین مرتبہ کیا اس کے جواب میں یہی فرمایا: تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے اور تیسری مرتبہ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والا جہاد سے واپسی تک اس شخص کی طرح ہے جو روزہ دار قیام کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی آیات پر عمل کرنے والا ہو اور روزہ و نماز سے تھکنے والا نہ ہو۔(صحیح مسلم :4869) (5) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سا عمل افضل ہے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور (پھر) اس کی راہ میں جہاد کرنا۔(بخاری :2785) (6) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون شخص سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان اور مال سے جہاد کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اس کے بعد کون ہے؟ فرمایا: وہ مومن جو پہاڑ کی کسی گھاٹی میں رہنا اختیار کرے ‘اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا اور لوگوں کو چھوڑ کر اپنی برائی سے ان کو محفوظ رکھتا ہو۔(بخاری:2786) (7) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مسلمانوں کے دلوں میں اس سے رنج نہ ہوتا کہ میں ان کو چھوڑ کر جہاد کے لیے نکل جاؤں اور مجھے اتنی سواریاں میسر نہیں ہیں کہ ان سب کو سوار کرکے اپنے ساتھ لے چلوں تو میں کسی چھوٹے سے چھوٹے ایسے لشکر کے ساتھ جانے سے بھی نہ رکتا جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں غزوہ کے لیے جارہا ہوتا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری تو آرزو ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کردیا جاؤں۔(بخاری:2797 )

(8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میری راہ میں اس طرح نکلا کہ میری راہ میں جہاد، مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق نے ہی اسے نکلنے پر مجبور کیا تو میری یہ ذمہ داری ہے کہ میں اسے جنت میں داخل کروں یا اسے اس کے مسکن تک جہاں سے وہ نکلا ہے اس طرح واپس لاؤں کہ وہ اجر یا غنیمت سے مالامال ہو اس

ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اللہ کی راہ میں کسی شخص کو جو بھی زخم آئے گا وہ قیامت کے دن اسی زخمی حالت میں اللہ کے حضور پیش ہو گا اس زخم کا رنگ تو خون کا ہو گا لیکن اس کی خوشبو مشک کی ہو گی اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر میری امت کے لیے تکلیف دہ نہ ہوتا تو میں اللہ کی راہ میں لڑی جانے والی کسی بھی جنگ میں پیچھے نہ رہتا لیکن نہ تو میرے پاس اتنی وسعت ہے کہ میں ان سب کو سامان جنگ مہیا کر سکوں اور نہ ان کو خود ہی اس قدر وسعت حاصل ہے مسلمانوں کو یہ بھی ناگوار گزرتا ہے کہ میں کسی مہم کے لیے نکلوں اور وہ پیچھے رہ جائیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میری خواہش ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑوں اور مارا جاؤں پھر لڑوں پھر مارا جاؤں پھر لڑوں پھر مارا جاؤں۔(صحیح مسلم:4859) (9) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص ایسا نہیں جس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب ہو اور وہ دنیا کی طرف لوٹنے کو پسند کرتا ہو اور نہ اس بات کو پسند کرتا ہو کہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس کا ہو جائے' سوائے شہید کے وہ تمنا کرتا ہے کہ وہ دنیا میں واپس جائے پھر قتل کیا جائے بوجہ اس کے جو اس نے شہادت کی فضیلت دیکھی۔(صحیح مسلم:4867) (10) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو سعید! جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ ابو سعید نے اس بات پر تعجب کیا تو عرض کیا: اے کے رسول ﷺ! ان کو دوبارہ شمار فرمائیں آپ ﷺ نے دوبارہ ایسا کیا پھر فرمایا: ایک اور بات بھی ہے کہ اس کی وجہ سے بندے کے جنت میں سو درجات بلند ہوتے ہیں اور ہر دونوں درجات کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد۔(صحیح مسلم:4879)

﴿ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴾

''اُن کا رب اُنہیں اپنی جانب سے رحمت اور رضامندی اور جنتوں کی خوش خبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں۔'' (21)

سوال 1: ﴿ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ ﴾ ''ان کا رب انہیں اپنی جانب سے رحمت کی خوشخبری دیتا ہے۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انہیں خوشخبری دی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت ہو گی یعنی اس کا لطف و کرم، احسان اور محبت جس کی وجہ سے وہ ان برائیوں کو دور کر دے گا، انہیں نیکی کے راستے پر چلائے گا اور انہیں نفع مند علم اور عمل صالح کی توفیق دے گا۔

سوال 2: ﴿ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴾ ''اور رضامندی اور جنتوں کی خوش خبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے رضوان یعنی اپنی رضا کی خوشخبری دی ہے۔ رضوان اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ جنت میں اللہ تعالیٰ رضامندی کا اعلان کرے گا پھر کبھی ناراض نہیں ہو گا۔ رضوان جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہ رب رحیم کا کریم وعدہ ہے حدیث میں ہے کہ جب جنت والے جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے کیا تم راضی ہو؟ تو وہ کہیں گے ہم کیسے راضی نہ ہوں اے ہمارے رب! پھر وہ فرمائے گا میں تمہیں وہ جزا عطا کروں گا جو ان سب سے افضل ہے میری رضا میں تم

سے راضی ہوں اب تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔(2) ﴿وَّ جَنّٰتٍ﴾ اللہ تعالیٰ کے باغات ہیں۔(3) ﴿لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ﴾ وہ نعمتیں جو زائل نہیں ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور کبھی اس سے نہیں نکلیں گے۔(ایسر التفاسیر:542) (4)جنت میں دائمی نعمتیں ہوں گی نہ انہیں زوال آئے گا نہ وہ منقطع ہوں گی۔(ایسر التفاسیر:542) (5)ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والی ہر قسم کی نعمتیں موجود ہوں گی جن کی دل خواہش کریں گے اور جن سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی جن کے اوصاف اور مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جو یہ نعمتیں عطا کرے گا۔ان میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والے مجاہدین کے لیے جنت میں سو درجے تیار کر رکھے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان۔اگر تمام مخلوق ایک درجہ میں جمع ہو جائے تو اس ایک درجہ میں سما جائے۔(تفسیر سعدی:1/1024)

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲﴾

”وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔یقینا اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔“ (22)

سوال نمبر 1:﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲﴾ ”وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔یقینا اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ﴾ ”وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ خیر کا ثواب دائمی ہو گا۔جو ان کے گھر والوں پر بھی ہمیشہ رہے گا۔ کبھی منقطع نہیں ہو گا۔(ابن ابی حاتم:6/1770) (2)وہ وہاں سے نہ نکلنا چاہیں گے نہ کہیں اور جائیں گے۔ (3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:جو آدمی جنت میں داخل ہو جائے گا وہ نعمتوں میں ہو جائے گا۔اسے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔اور نہ ہی اس کے کپڑے پرانے ہوں گے۔اور نہ ہی اس کی جوانی ختم ہو گی۔(صحیح مسلم:7156) (4)سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ اے جنت والو! تمہارے لیے یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ تم صحت مند رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہو گے اور تم زندہ رہو گے تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور تم جوان رہو گے۔اور تم کبھی بوڑھے نہیں ہو گے۔اور تم آرام میں رہو گے۔ تمہیں کبھی تکلیف نہیں آئے گی تو اللہ عزوجل کا یہی فرمان ہے کہ آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے تم اپنے اعمال کے بدلے میں اس جنت کے وارث ہو۔(صحیح مسلم:7157)

سوال 2: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲﴾ ”یقینا اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اجر عظیم جنت میں وافر جزا ہے۔(ابن ابی حاتم:6/1770) (2)اجر عظیم اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔یہ کوئی تعجب والا معاملہ نہیں وہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو بھی اپنا دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر سے محبت رکھیں اور تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔“ (23)

سوال1:﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو بھی اپنا دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر سے محبت رکھیں۔“ مشرکوں سے ترک معاملات کا حکم دیا گیا وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو ایمان کے تقاضے پورے کرو اور اس سے موالات یعنی دوستی کے تعلقات رکھو جو ایمان کے تقاضے پورے کرے اور جو ان تقاضوں کو پورا نہ کرے ان سے موالات ترک کر دو۔ (2) ﴿ لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ﴾ ”اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو بھی اپنا دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر سے محبت رکھیں۔“ رب العزت نے حکم دیا ہے کہ جب قریبی رشتے داروں کو کفر عزیز ہو اور ان کی نظروں میں ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو اور وہ دلی رغبت اور خوشی سے ایمان پر کفر کو ترجیح دیں تو انہیں اپنا رفیق نہ بناؤ۔(3)﴿ اَوْلِيَآءَ ﴾ ولی کی جمع ہے اس سے مراد دلی دوستی ہے یعنی اپنے راز ان پر نہ کھولو اور تم ان کی مداح نہ کرو۔(ایسر التفاسیر: 8/ 15) (4) اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے یک سو ہونے کی دعوت دی ہے کہ رشتہ داریوں کی محبتوں، لذتوں، خوشیوں اور مفادات کو ایک پلڑے میں رکھ کر دوسرے میں اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ کو رکھ کر اختیار دیا جاتا ہے جسے چاہو پسند کر لو۔

سوال2:﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ”اور تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا! وہ ان ہی جیسا مشرک ہے کیونکہ جو شرک پر راضی ہے وہ مشرک ہے۔(قرطبی:4/ 25) (2) ان سے دوستی رکھنے والا اس لیے ظالم ہے کہ انہوں نے بغض کی جگہ محبت اور ان کی رسوائی اور انتقام کی جگہ نصرت کو رکھ دیا۔ اس اعتبار سے کہ کسی چیز کو اس کے مقام پر نہ رکھنا اس کی جگہ سے ہٹا دینا ظلم ہے۔(ایسر التفاسیر:542،543) (3) کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جسارت کی اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اپنا دوست بنایا چونکہ ولایت اور دوستی کی اساس محبت اور نصرت ہے اور ان کا کفار کو دوست بنانا، کفار کی اطاعت اور ان کی محبت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و محبت پر مقدم رکھنے کا موجب ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر فرمایا ہے جو اس کا موجب ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت۔ اس سے یہ بات متعین ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر چیز پر مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کی محبت کو اس محبت کے تابع کیا ہے۔(تفسیر سعدی: 1/ 1025)

سوال3: دنیادارانہ زندگی اور خدا پرستانہ زندگی میں کیا فرق ہے؟

| دنیادارانہ زندگی | خدا پرستانہ زندگی |
|---|---|
| 1۔ لوگوں کے لیے اپنی فیملی پراپرٹی اور معاشی مفادات ہر چیز سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ | 1۔ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ ہر چیز سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ |
| 2۔ لوگ ہر چیز کے مقابلے میں پہلی ترجیح پر فیملی، جائیداد معاشی مفادات کو رکھتے ہیں۔ | 2۔ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر ہر چیز چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ |

3۔اپناسب کچھ اپنی دنیاپر نچھاور کر دیتے ہیں۔ | 3۔اپناسب کچھ اللہ تعالیٰ پر وار دیتے ہیں۔

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾

" آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مند اپڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔" (24)

سوال1: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ﴾ "آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مند اپڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے آٹھ امور کا ذکر کیا ہے جن سے محبت کی جاتی ہے۔(2)﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ﴾ "آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ۔" اس حکم میں مائیں اور آباء بھی آتے ہیں۔(3) اولاد اپنے ماں باپ سے محبت رکھتی ہے۔وہ اپنے ماں باپ سے کچھ جسمانی، اخلاقی خصوصیات اور طبیعت اور مزاج ورثے میں پاتے ہیں۔اہل عرب اپنے میلوں ٹھیلوں میں آباء پر فخر کرتے تھے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ﴾ پھر جب تم اپنے حج کے اعمال پورے کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اپنے آباء و اجداد کو یاد کرنے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ یاد کرنا۔(البقرہ:200) (4) ﴿وَ اَبْنَآؤُكُمْ﴾ اور تمہارے بیٹے یعنی نسبی بیٹے آباء کی اور اپنے ابناء یعنی بیٹوں اور دیگر اولاد سے محبت فطری ہے۔یہ محبت بیٹے کی باپ سے محبت سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔کتنی ہی چیزوں میں والدین اپنی اولاد کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔بچوں کے مستقبل کے لیے وہ کیسے صعوبتیں برداشت کرتے ہیں اور ان کی تعلیم و تربیت کے لیے مصروف عمل رہتے ہیں۔رب العزت نے انہیں دنیا کی زندگی کی زینت کہا ہے۔﴿اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔(الکہف:46) (5)﴿وَ اِخْوَانُكُمْ﴾ "اور تمہارے بھائی۔" بھائیوں سے مراد نسبی بھائی ہیں۔یہ محبت باہمی تعاون اور محبت کا تقاضہ کرتی ہے۔(6) ﴿وَ اَزْوَاجُكُمْ﴾ اور تمہاری بیویاں، زوجین کی باہمی محبت کے بارے میں رب العزت نے فرمایا:﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس ہی سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کر سکو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔(الروم:21) (7) ﴿وَ عَشِيْرَتُكُمْ﴾ اور تمہارے خاندان یعنی دیگر عمومی رشتے دار جیسے دور کے چچا اور ان کی اولادیں۔(ایسر التفاسیر:542) یہ محبت تعاون کا تقاضہ کرتی ہے۔(8) ﴿وَ اَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا﴾ "اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں۔" جس کے حصول میں مشقت برداشت کرتے ہو۔کمائے ہوئے مال کا خاص طور پر اس لیے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ

اصحاب اموال کے نزدیک مرغوب ترین مال ہوتا ہے اور انہیں اس مال کی نسبت جو انہیں بغیر کسی محنت اور مشقت کے حاصل ہوتا ہے، زیادہ محبوب و مرغوب ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی: 1/ 1025-1026) (9) جو مال کمایا جاتا ہے وہ ورثے میں ملنے والے مال سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔(10) ﴿وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا﴾ ''اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو۔'' یعنی سامان کے ارزاں ہونے اور اس میں نقصان واقع ہونے سے ڈرتے ہو۔اس میں تجارت اور کاروبار کی تمام اقسام شامل ہیں، مثلاً ہر قسم کا سامان تجارت، مال کی قیمتیں، برتن، اسلحہ، اشیائے استعمال، غلہ جات، کھتیاں اور مویشی وغیرہ سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔(تفسیر سعدی:1024-1025) (11) ﴿وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ﴾ ''اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو۔''گھروں کی خوب صورتی اور ان کے رہنے والوں سے تعلق اور ان میں جی لگنے کی وجہ سے تم انہیں پسند کرتے ہو اور وہ تمہاری خواہشات اور پسند کے ترجمان ہوتے ہیں۔

سوال2: ترجیح کا معاملہ اسلام میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

جواب:(1) ترجیح کیا ہے؟ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کرنا۔(2) ترجیح کا معاملہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔(3) ترجیح ہی انسان کے ایمان اور کفر کا فیصلہ کرتی ہے۔

سوال3: ﴿اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ ''تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے۔''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ تمہیں اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوب ہیں یعنی تمہیں منعم سے زیادہ محبوب ہو۔(2) ﴿وَ رَسُوْلِهٖ﴾ ''اور اس کے رسول۔'' اور وہ جو اس کی نعمتوں کے لیے واسطہ ہے۔(1) ﴿وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ﴾ اور اُس کی راہ میں جہاد یعنی جو اس کے دین کی سربلندی کے لیے راستہ ہے۔(تفسیر قاسمی:8/ 151) (4) آپ ﷺ کا ارشاد ہے مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والد، بیٹے اور تمام لوگوں سے بڑھ کو محبوب نہ ہو جاؤں۔(صحیح بخاری) (5) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آپ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! سوائے اپنی جان کے آپ ﷺ مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اب آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں فرمایا: ہاں عمر رضی اللہ عنہ اب تیرا ایمان معتبر ہے۔(صحیح بخاری) (6) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے اندر تین چیزیں ہوں گی ان کی وجہ سے وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا۔پہلا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ دوسری تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔دوسرا وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے۔تیسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچا دیا وہ واپس کفر میں جانے کو ایسا ہی بُرا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو بُرا سمجھتا ہے۔(صحیح بخاری) (7) ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کرے گا جس سے اس وقت تک کبھی نہ نکل سکو گے جب تک اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی

طرف واپس نہیں آؤ گے۔(ابن کثیر) (8) اگر تمہیں آباء اور ان کی اولاد، بھائی، بیویاں، خاندان، مال، تجارت اور گھر اللہ تعالیٰ ،اس کے رسول اور اس کی راستے میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو تم فاسق، فاجر اور ظالم ہو۔

سوال4: کیا مومن اس معیار پر جا سکتا ہے کہ وہ ہر چیز پر اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور جہاد کو اہمیت دے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ کا مطالبہ بذات خود اس امر کی دلیل ہے کہ معیار پیش کرنا ممکن ہے۔(2) اللہ تعالیٰ کسی نفس سے اس کی قدرت سے زیادہ مطالبہ نہیں کرتے یقیناً یہ کمزور انسان کے بس میں ہے۔(3) اللہ تعالیٰ نے کمزور انسان کے اندر اتنی قوت اور صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ایسا مخلصانہ معیار پیش کرے۔(4) اللہ تعالیٰ نے انسان کے شعور کو اتنی قدرت دی ہے کہ وہ ساری لذتوں کو خیر باد کہہ سکتا ہے۔

سوال4: وہ کون سا شعور ہے جو ایک مومن سے ساری لذتوں کو خیر باد کہلوا سکتا ہے؟

جواب: یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا شعور ہے۔ مومن اپنی نظریں ایک بلند مقصد زندگی کی طرف لگا دیتا ہے تو وہ اس راستے کی رکاوٹوں سے دامن چھڑا لیتا ہے۔

سوال5: ایک مومن کب رشتوں، محبتوں اور لذتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟

جواب: جب مومن کا دل مطمئن ہو جائے کہ اس کے دل اور اس کی سوچ پر اللہ تعالیٰ کی رضا حاوی آ گئی ہے۔ اس کے بعد رشتوں ،مال و دولت، کاروبار اور زیب و زینت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے بلکہ ایسی صورت میں یہ حصول لذت مستحب ہے اس لیے کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہوتا ہے۔ اور یہ بھی تعلق باللہ کا راستہ ہموار کرتا ہے۔

سوال6: ﴿فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ﴾ ”انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿فَتَرَبَّصُوْا﴾ انتظار کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب نازل ہونے کا انتظار کرو۔(2) ﴿بِاَمْرِهٖ ؕ﴾ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی قضا ہے اور وہ اس کا جلد آنے والا عذاب اور آخرت کا عتاب ہے یا فتح مکہ ہے اور یہ 'امر' ڈراوے کا ہے یعنی ایمان سے محبت کے دعوے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قہر سے بچو۔(تفسیر قاسمی: 15/8) (3) ﴿بِاَمْرِهٖ ؕ﴾ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا! اس میں عذاب یا اللہ تعالیٰ کی عقوبت کا اشارہ ہے۔(4) اللہ تعالیٰ کے امر اس کے عذاب اور اس کے عتاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

سوال7: ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾ ” اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ انہیں ان کی نجات اور ان سعادت کی توفیق نہیں دیتا۔(ایسر التفاسیر:543) (2) فاسق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے سے باہر نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی، اپنے رسول اور اپنے راستے میں جہاد کی محبت پر، اپنے رشتوں کی محبت اور مال، گھر اور تجارت کی محبت کو ترجیح دینے والے کو ہدایت نہیں دیتا۔(3) یہ آیت کریمہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت فرض ہے اور دیگر تمام اشیا کی محبت پر مقدم ہے۔ نیز آیت کریمہ میں اس شخص کے لیے نہایت سخت وعید اور شدید ناراضی کا اظہار کیا گیا ہے جسے یہ مذکورہ اشیاء اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور جہاد سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر اس کے سامنے دو امور پیش ہوں ان میں ایک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہو مگر اس میں اس کے نفس کی چاہت کا کوئی پہلو نہ ہو اور دوسرے معاملے کو نفس پسند کرتا ہو مگر اس کو اختیار کرنے سے اس چیز سے محروم ہو جاتا ہو جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ پسند کرتے ہیں یا اس چیز میں کمی واقع ہو جاتی ہو۔ اس صورت میں اگر وہ اس

چیز کو اس امر پر ترجیح دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ظالم اور اس امر کا تارک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب کیا ہے۔(تفسیر سعدی:1/ 1025-1026) (4) سرداران قریش نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور بولے ابو طالب آپ ہمارے اندر سن و شرف اور اعزاز کے مالک ہیں ہم نے آپ سے گذارش کی کہ اپنے بھتیجے کو روکیے لیکن آپ نے نہیں روکا آپ یاد رکھیے ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دی جائیں ہماری عقل و فہم کو حماقت زدہ قرار دیا جائے اور ہمارے خداؤں کی عیب چینی کی جائے آپ روک دیجیے ورنہ ہم آپ اور ان سے ایسی جنگ چھیڑ دیں گے کہ ایک فریق کا صفایہ ہو کر رہے گا۔ ابو طالب پر اس زور دار دھمکی کا بہت اثر ہوا اور انھوں نے رسول ﷺ کو بلا کر کہا: بھتیجے تمھاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسی باتیں کہہ گئے ہیں اب مجھ پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہے۔ یہ سن کر رسول ﷺ نے سمجھا کہ اب آپ ﷺ کے چچا بھی آپ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور وہ بھی آپ ﷺ کی مدد سے کمزور پڑ گئے، اس لیے فرمایا: ”چچا جان خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تو میں اس کام کو اس حد تک پہنچائے بغیر چھوڑ دوں کہ یا تو اللہ اسے غالب کر دے یا میں اس راہ میں فنا ہو جاؤں تو نہیں چھوڑ سکتا۔“ اس کے بعد آپ ﷺ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ آپ ﷺ رو پڑے اور اٹھ کر چلے گئے جب واپس ہونے لگے تو ابو طالب نے پکارا اور سامنے تشریف لائے تو کہا بھتیجے! جاؤ جو چاہو کہو خدا کی قسم میں تمھیں کبھی بھی کسی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتا۔(ابن ہشام :1/ 265-266) (5) سُعدیٰ والدہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کی اس طرح زیارت کی کہ زید رضی اللہ عنہ ان کے ہمراہ تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بنی القین بن جبر کے ایک لشکر نے ڈاکہ ڈالا وہ بنی معن کے گھروں پر گزرے جو والدہ زید کی قوم تھی، انہوں نے زید کو اٹھا لیا اس زمانے میں وہ کم سن بلوغ تھے اور خدمت کے قابل ہو گئے تھے۔ وہ لوگ انہیں بازار عکاظ میں لائے اور بیع کے لیے پیش کیا۔ انہیں حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ نے اپنی پھوپھی خدیجہ بن خویلد رضی اللہ عنہا کے لیے چار سو درہم میں خرید لیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو انہوں نے زید کو اپنے لیے ہبہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں لے لیا۔ حارثہ و کعب فرزندان شراحیل ان کا فدیہ لے کر روانہ ہوئے، دونوں مکہ آئے اور نبی ﷺ کو دریافت کیا تو کہا گیا کہ آپ ﷺ مسجد میں ہیں، وہ آپ کے پاس گئے اور کہا: اے فرزند عبد اللہ و عبد المطلب، اے فرزند ہاشم اور اے اپنی قوم کے سردار کے فرزند، تم لوگ اہل حرم اور اس کے ہمسائیہ ہو اس کے بیت کے پاس ہو، غمگین کو غم سے چھڑاتے ہو اور اسیر کو کھلاتے ہو ہم تمہارے پاس اپنے بیٹے کے معاملے میں آئے ہیں جو تمہارے پاس ہے۔ لہٰذا ہم پر احسان کرو اور اس کا فدیہ قبول کرنے میں ہمارے ساتھ نیکی کرو، ہم فدیہ میں آپ کی قدر کریں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: زید بن حارثہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آیا اس کے سوا کسی اور صورت پر بھی راضی ہو؟ انہوں نے کہا کہ وہ کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: زید کو بلاؤ انہیں اختیار دے دو اگر وہ تمہیں اختیار کر لیں تو بغیر فدیے کے تمہارے لیے ہیں۔ اور اگر وہ مجھے اختیار کریں تو واللہ میں ایسا نہیں ہوں کہ جو مجھے اختیار کرے میں اس کے لیے کسی اور کو اختیار کروں انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے ہمیں نصف سے زائد دے دیا، اور احسان کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں بلایا اور فرمایا: کیا تم انہیں پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ میرے والد اور چچا ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں وہ شخص ہوں کہ تم نے جان لیا اور اپنے لیے میری محبت کو دیکھ لیا پھر مجھے اختیار کر دیا ان دونوں کو اختیار کرو زید نے کہا کہ میں وہ نہیں ہوں کہ آپ پر کسی

اور کو اختیار کروں آپ ﷺ بجائے میرے ماں باپ کے ہیں۔ ان دونوں نے کہا کہ اے زید! تم پر افسوس ہے کہ تم غلامی کو آزادی پر اور اپنے باپ اور چچا اور گھر والوں پر ترجیح دیتے ہو۔ انہوں نے کہا: ہاں میں نے نبی ﷺ سے کوئی ایسی بات دیکھی ہے کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ ان پر کبھی کسی کو اختیار کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ وفاداری دیکھی تو انہیں حجر اسود کے پاس لے گئے، فرمایا: اے حاضرین گواہ رہو کہ زیدؓ میرے بیٹے ہیں میں ان کا وارث ہوں وہ میرے وارث ہیں۔ (طبقات ابن سعد: 207-209)

(6) مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جوانی خوب صورتی اور پیشانی کے بالوں میں مکیؔ کے کپڑے پہنتے تھے۔ وہ اہل مکہ میں سب سے زیادہ عطر لگانے والے تھے۔ حضرمی جوتے پہنتے تھے ۔ رسول اللہ ﷺ ان کا ذکر کرکے فرماتے کہ میں نے مکہ میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے زیادہ خوبصورت بال والا، باریک کپڑے پہننے والا اور نازونعمت والا کسی کو نہیں دیکھا۔ ابراہیم بن محمد بن شرجیل العبدی نے اپنے والد سے روایت کی کہ یوم احد میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا مسلمان ڈگمگا گئے تو مصعب رضی اللہ عنہ اس کو لیے ہوئے ثابت قدم رہے ابن قمیہ آیا جو سوار تھا اس نے ان کے داہنے ہاتھ پر تلوار مار کے اسے کاٹ دیا مصعب رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے: ﴿ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ ﴾ محمد اللہ کے رسول ہی ہیں ان سے پہلے تمام رسول گزر گئے' انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور اسے مضبوط پکڑ لیا۔ اس نے بائیں ہاتھ پر تلوار مار کر اسے بھی کاٹ دیا تو انہوں نے جھنڈا مضبوط پکڑ لیا اور اسے اپنے بازوؤں سے سینے سے لگا لیا اور کہہ رہے تھے: ﴿ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ ﴾ اس نے تیسری مرتبہ ان پر نیزے سے حملہ کیا اور ان کے جسم میں گھسیڑ دیا۔ نیزہ ٹوٹ گیا مصعب گر پڑے اور جھنڈا بھی گر گیا۔ عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑے تھے جو منہ کے بل پڑے ہوئے تھے نبی نے یہ آیت ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ ﴾ آخر تک مومنین میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔'' پڑھی۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ گواہی دیتے ہیں کہ قیامت کے دن تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہدا ہو۔ آپ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: لوگو ان کی زیارت کرو ان کے پاس آؤ اور انہیں سلام کرو کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ قیامت تک جو سلام کرنے والا انہیں سلام کرے گا یہ ضرور اس کے سلام کا جواب دیں گے۔ خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے! کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی جس سے ہم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے تھے اللہ تعالیٰ پر ہمارا اجر واجب ہو گیا ہم میں سے بعض وہ ہیں جو اس طرح سے گزر گئے کہ انہوں نے اپنے اجر میں سے کچھ نہ کھایا انہیں میں سے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں جو یوم احد میں شہید ہوئے ان کے لیے سوائے ایک چادر کے اور کوئی چیز نہ ملی جس میں انہیں کفن دیا جاتا۔ راوی نے کہا کہ جب ہم اسے سر پر ڈھانکتے تو پاؤں کھل جاتے اور جب ان کے پاؤں پر ڈھانکتے تو سر کھل جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے جو حصہ سر کے متصل ہے اس پر کر دو اور ان کے پاؤں پر اذخر (گھاس) رکھ دو۔ اور ہم میں سے بعض وہ ہیں جن کے پھل پک گئے ہیں وہ انہیں کاٹتا ہے۔ (طبقات ابن سعد: 245-246) (7) قیس بن ابی حازم سے مروی ہے کہ میں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ واللہ میں سب سے پہلا عرب ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر پھینکا ہم لوگ اس حالت میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جہاد کیا کرتے کہ ہمارے لیے کھانا نہ ہوتا جسے کھاتے سوائے انگور کے پتوں کے اور ببول کے یہاں تک کہ ایک شخص ہمارا سر اس طرح اٹھا کے دوڑتا جس طرح بکری دوڑتی ہے حالانکہ اس کے لیے تیر کمان بھی نہ تھی۔ بنو اسد مجھے دین سے پھیرنے لگے

(اگر ایسا ہوتا) اس وقت میں ناکامیاب ہوتا اور میرا عمل برباد ہو جاتا۔(طبقات ابن سعد:5/266) 8)عامر بن سعد نے اپنے والد سے روایت کی کہ قبل اس کے رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف روانہ ہونے کے لیے ہم لوگوں کا معائنہ فرمائیں۔ میں نے اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو چھپتے دیکھا تو پوچھا اے برادر تمہیں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے دیکھ لیں گے تو بچہ سمجھ کر واپس کر دیں گے میں روانہ ہونا چاہتا ہوں کہ شائد اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمادیں۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ ﷺ نے انہیں بچوں میں شمار کیا اور فرمایا کہ واپس جاؤ عمیر رونے لگے رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔ ان کی سفر سنی کی وجہ سے میں تلوار کا پرتلہ ان کے باندھا کرتا تھا، بدر میں قتل کر دیئے گئے اس وقت وہ سولہ برس کے تھے انہیں عمرو بن عبدود نے قتل کیا۔(طبقات ابن سعد:266) (9)سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صہیب رضی اللہ عنہ مہاجر ہو کہ مدینے کی طرف روانہ ہوئے قریش کی ایک جماعت نے ان کا تعاقب کیا تو وہ اپنی سواری سے اتر پڑے ترکش میں جو کچھ تھا نکال لیا اور کہا کہ اے گروہ قریش تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے اچھا تیر انداز ہوں بخدا تم مجھ تک اس وقت تک نہ پہنچ سکو گے جب تک میں اپنے تمام تیر مار نہ لوں اور جب میرے ہاتھ میں تھوڑے سے رہ جائیں گے تو میں تمہیں اپنی تلوار سے ماردوں گا، لہٰذا تم لوگ جو چاہو کرو اگر چاہو تو میں تمہیں اپنا مال بتادوں اور تم میرا راستہ خالی کر دو قریش راضی ہو گئے صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنا مال بتادیا جب وہ نبی ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیع نے ابو یحییٰ کو نفع دیا، بیع نے نفع دیا راوی نے کہا کہ اسی بارے میں یہ آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝﴾ اور بعض لوگ وہ ہیں کہ اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو فروخت کر ڈالتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں کے ساتھ نہایت مہربان ہے۔" نازل فرمائی۔(طبقات ابن سعد:311) (10)ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے جنگ یمامہ میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو پتھر کی ایک چٹان پر دیکھا کہ سر اٹھائے ہوئے چلا رہے تھے: اے گروہ مسلمین کیا تم جنت سے بھاگتے ہو؟ میں عمار بن یاسر ہوں میری طرف آؤ(ابن عمر رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ میں ان کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا جو کٹ گیا تھا اور وہ ادھر ادھر جھول رہا تھا اور وہ نہایت سختی سے لڑ رہے تھے۔ طارق بن شہاب سے مروی ہے کہ بنی تمیم کے ایک شخص نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو پکارا: اے اجدع(کان کٹے) تو عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے میرے سب سے بہتر کان کو گالی دی، شعبہ نے کہا کہ اس کان پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مصیبت آئی تھی(یعنی جہاد میں کٹ گیا تھا)۔ ابو البختری سے روایت ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اس وقت جب کہ وہ ساحل فرات پر صفین کی طرف جا رہے تھے کہا کہ اے اللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں اپنے آپ کو اس پہاڑ پر سے پھینک دوں اور لڑھک کے گر جاؤں تو میں کرتا۔ اے اللہ! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں اپنے آپ کو پانی میں ڈال کر اس میں غرق کر دوں تو میں کرتا میں اور کسی وجہ سے جنگ نہیں کرتا سوائے اس کے تیری رضامندی چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس حالت میں تیری رضامندی چاہتا ہوں تو مجھے ناکامیاب نہ کرے گا۔ ربیعہ بن ناجذ سے مروی ہے کہ میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو اس وقت کہتے سنا جب وہ صفین میں تھے، کہ جنت تلواروں کے نیچے ہے، پیاسا پانی کے پاس آتا ہے اور پیاسے پانی کے پاس آتے ہی ہیں۔ آج دوستوں نے محمد ﷺ اور ان کے گروہ کو چھوڑ دیا میں نے اس جھنڈے کو لے کے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں تین مرتبہ جنگ کی ہے یہ چوتھی مرتبہ بھی پہلی کی طرح ہے۔ (طبقات ابن سعد:314 ) (11) سیدنا ابن ام مکتومؓ ابی عبدالرحمن سے مروی ہے کہ جب یہ آیت:﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ

الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی جو مومن جہاد سے بیٹھنے والے ہیں وہ ثواب میں مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہیں۔" نازل ہوئی تو ابن مکتوم رضی اللہ عنہ نے کہا: یارب تو نے مجھے (نابینائی میں) مبتلا کیا میں کیونکر (جہاد) کروں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ سوائے ان کے جو نابینائی والے یا بے عذر والے ہیں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ نازل ہوئی تو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارب میرا عذر بھی نازل کر دے میرا عذر بھی نازل کر دے۔ اللہ نے ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ نازل کر دیا۔ یہ دونوں (المومنون، المجاہدون) کے درمیان کر دی گئی ہے۔ یعنی اس کے بعد وہ جہاد کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جھنڈا مجھے دے دو کیونکہ میں نابینا ہوں بھاگ نہیں سکتا اور مجھے دونوں صفوں کے درمیان کھڑا کر دو۔ (طبقات ابن سعد: 4/340) (12) سیدہ سمیہؓ کو ابو جہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ پر شہید کیا چناچہ تاریخ اسلام میں یہ پہلی عبرت ناک شہادت تھی۔ جو استقلال و استقامت کے ساتھ راہ خدا میں واقع ہوئی ان کے والد سیدنا یاسر رضی اللہ عنہ اور بھائی سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ بھی اسی گرداب اذیت میں جان بحق ہوئے۔ ایک دفعہ مشرکین نے عمار رضی اللہ عنہ کو دہکتے انگاروں پر لٹا دیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف سے گزرے تو ان کے سر پر دست مبارک رکھ کر فرمایا: اے آگ تو ابراہیم علیہ السلام کی طرح ٹھنڈی ہو جا اس طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گزرے تو خاندانِ یاسر کو مصیبت میں دیکھتے ہوئے فرمایا: اے آل عمار! تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے۔ (سیرۃ الصحابہ: 346-347)

(13) سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل میں مشرکین نے بڑا اہتمام کیا حرم سے باہر تعظیم میں ایک درخت پر سولی کا پھندا لٹکایا گیا آدمی جمع کیے گئے مرد عورت بوڑھے بچے امیر و غریب وضیع اور شریف غرض ساری خلقت تماشائی تھی۔ جب لوگ عقبہ کے گھر ان کو لینے آئے تو فرمایا: ذرا ٹھہر جاؤ۔ دو رکعت نماز پڑھ لوں زیادہ پڑھوں گا تو تم کہو گے کہ موت سے گھبرا کر بہانہ ڈھونڈ رہا ہے نماز سے فارغ ہو کر مقتل کی طرف روانہ ہوئے راستے میں یہ دعا زبان پر تھی: «اللهم احصاهم عددا واقتلهم بددا ولا تبق منهم أحد» پھر یہ شعر پڑھتے ہوئے ایک درخت کے نیچے پہنچے۔ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کی محبت میں! اگر وہ چاہے تو کٹے ٹکڑوں پر برکت نازل کر دے۔ اگر مسلمان رہ کر مارا جاؤں تو مجھے غم نہیں کہ کس پہلو پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں پچھاڑا جاتا ہوں۔ عقبہ بن حارث اور ہبیرہ عبدری نے گلے میں پھندا ڈالا چند منٹ کے بعد ہی سر اقدس وار پر تھا۔ یہ کیسا عجیب منظر تھا۔ اسلام کے ایک غریب الوطن فرزند پر کیسے ظلم و ستم ہو رہے تھے۔ بطحائے کفر کا خونی قاتل توحید کو کس طرح ذبح کیا جا رہا تھا۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن اب بھی اسلام صبر و رضا کا پیکر بنا ہوا تھا۔ اور نہایت سکون اطمینان کے ساتھ جان دی۔ (سیرۃ الصحابہ: 3/301)

## رکوع نمبر 10

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ﴾

" بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سی جگہوں میں تمہاری مدد کی ہے اور حنین کے دن بھی جب تمہاری کثرت نے تمہیں خود پسند بنا دیا پھر وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے لوٹ گئے۔" (25)

سوال 1: ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ﴾ "بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سی جگہوں میں تمہاری مدد کی ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ رب العزت نے اپنے احسانات یاد دلائے ہیں کہ اس نے کثیر جنگوں، لڑائیوں اور معرکوں میں نصرت عطا فرمائی مثلاً غزوہ بدر، قریظہ، نظیر، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ جو کہ رسول اللہ ﷺ کے غزوات تھے جیسا کہ صحیحین میں زید بن ارقم کی حدیث ہے کہ یہ انیس (19) غزوات تھے بریدہ نے اپنی حدیث میں اضافہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ان میں سے آٹھ میں جنگ کی اور کہا جاتا ہے کہ سارے غزوات و سرایا 70 تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ اسی (80) تھے۔ (تفسیر قاسمی: 8/152-153)

سوال 2: ﴿وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا﴾ "اور حنین کے دن بھی جب تمہاری کثرت نے تمہیں خود پسند بنا دیا پھر وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) حنین کی جنگ شوال آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے بعد ہوئی۔ (2) حنین مکہ اور طائف کے درمیان وادی ہے جو طائف سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی تھی کہ بنو ہوازن آپ ﷺ پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھے ہو رہے ہیں اور بنی بکر، بنی بلال، بنی عامر وغیرہ ان کی تائید میں ہو گئے ہیں۔ (3) اس غزوے میں مسلمانوں کی تعداد 12 ہزار تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو فتح مکہ میں حاضر تھے ان میں سے دو ہزار طلقاء تھے۔ لوگوں کا ایک جم غفیر تھا۔ (تفسیر منیر: 5/505) (4) ﴿اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ "جب تمہاری کثرت نے تمہیں خود پسند بنا دیا۔" غزوہ حنین میں مسلمانوں کو اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا۔ (5) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حنین کے دن ایک شخص نے کہا کہ ہم کمی سے مغلوب نہیں ہوں گے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعداد میں بارہ ہزار تھے، رسول اکرم ﷺ کو یہ بات بری لگی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن عباس: 1/511) (6) ﴿فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا﴾ "پھر وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی۔" کثرت نے انہیں فائدہ نہیں پہنچایا۔

سوال 4: ﴿وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۚ﴾ "اور زمین وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے لوٹ گئے۔" حنین میں مسلمانوں کو شکست کیوں ہوئی؟

جواب: (1) ﴿وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾ "اور زمین وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔" حنین کی جنگ میں مسلمان شدید صورت حال سے دوچار ہوئے مسلمانوں اور بنو ہوازن کی چھپی ہوئی فوج کے درمیان صبح صبح گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ وہ بے صبری میں، اندھیرے میں مسلمانوں پر تیروں اور تلواروں سے برس پڑے۔ (2) ﴿ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۚ﴾ "پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے لوٹ گئے۔" مسلمانوں کو شکست ہوئی، ان پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور زمین ان پر اپنی کشادگی اور وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی۔ مسلمان حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان جنگ میں رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ پر ڈٹے رہے اور آپ ﷺ کے ساتھ سو کے لگ بھگ افراد رہ گئے۔ (3) سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حنین کی جنگ میں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ میں اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب دونوں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے۔ ہم نے آپ ﷺ کو نہیں چھوڑا۔ آپ اپنے سفید خچر پر سوار تھے جو آپ ﷺ کو فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیہ کیا تھا۔ جب کفار اور مسلمانوں کا مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ مگر رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر کفار کی طرف جانے کے لیے ایڑ لگانے لگے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا کہ کہیں وہ تیزی سے دشمن کی طرف نہ چلا جائے اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عباس! اصحاب شجرہ کو آواز دو (کیوں کہ میں بلند بانگ

تھا)میں نے بلند آواز سے پکارا:اصحاب شجرہ کہاں ہیں؟آواز سنتے ہی وہ اس طرح لوٹ آئے جیسے گائے اپنے بچوں کے پاس آتی ہے۔وہ کہہ رہے تھے کہ ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں انصار کو یوں بلایا گیا۔یا معشر انصار!یا معشر انصار!پھر بنو الحارث بن خزرج پر بلانا ختم ہوا انہیں یوں بلایا گیا اے بنو الحارث بن خزرج اے بنو الحارث بن خزرج رسول اللہ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار تھے اور اونچا ہو ہو کر لڑائی دیکھ رہے تھے۔(مسلم:2 461) (4) حنین میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی اور مسلمانوں کو یہ ناز ہو گیا تھا کہ ہم فاتح مکہ ہیں ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔اللہ تعالیٰ پر اعتماد یعنی خدا اعتمادی کی بجائے خود اعتمادی نے شکست تک پہنچایا۔

سوال5:اپنی ذات پر بھروسہ انسان کو کیا دیتا ہے؟

جواب:(1) اپنی ذات پر بھروسہ انسان کے اندر تکبر پیدا کرتا ہے۔(2) انسان ڈسپلن میں کمزور ہو جاتا ہے۔(3) انسان غیر حقیقت پسندانہ Step لینے لگتا ہے۔

سوال6:اللہ تعالیٰ پر بھروسہ انسان کو کیا دیتا ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کائنات کی سب سے بڑی قوت پر بھروسہ ہے۔(2) اس بھروسہ کی وجہ سے انسان کے اندر تواضع کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔(3) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کی وجہ سے انسان حقیقت پسند بن جاتا ہے اور حقیقت پسندی تمام کامیابیوں کی بنیاد بنتی ہے

سوال7:حنین میں مسلمانوں کی نفسیاتی کیفیات پر کیا تبصرہ کیا گیا ہے؟

جواب:(1) جب تمہیں اپنی کثرت تعداد پر غرور ہو گیا۔(2) غرور دماغ کو چڑھا اور زمین تنگ ہو گئی جیسے بہت بلندیوں پر آکسیجن کم ہو جائے تو سینہ بھینچنے لگتا ہے۔03) پھر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔

﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (26)

"پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور ایسے لشکر اتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور اس نے ان لوگوں کو سزا دی جنہوں نے کفر کیا اور کافروں کا یہی بدلہ ہے۔" (26)

سوال1:﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ "پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی سکینت نازل فرمائی۔" کی وضاحت کریں؟

جواب۔(1) اللہ تعالیٰ نے ان کے نفوس میں طمانیت نازل فرمائی ان کا قلق اور اضطراب جاتا رہا۔(ایسر التفاسیر:544) (2) اللہ تعالیٰ نے سکینت نازل فرمائی جس سے تم نے سکون پایا اور اس کی رحمت اور نصرت سے تم ثابت قدم رہے اور کافروں کو شکست ہوئی اور ان کے دلوں نے فرار کے بعد واپسی پر اطمینان محسوس کیا۔(تفسیر قاسمی:8/153)

سوال2:سکینت کیا ہے؟

جواب:(1) سکینت اس کیفیت کا نام ہے جو دل کو دہلا دینے والے واقعات اور زلزلوں کے وقت اللہ تعالیٰ دل میں پیدا کرتا ہے جو دل کو سکون عطا کر کے مطمئن کرتی ہے۔سکون قلب بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔(تفسیر سعدی:1/1028)
(2) سکینت یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دامن ہے۔

سوال3: مسلمانوں کے دلوں پر اس سکینت کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟
جواب:(1) سکینت نے مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔(2) سکینت نے انہیں پر سکون کر دیا۔
سوال4: ﴿وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ﴾ " اور ایسے لشکر اتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:(1) " اور ایسے لشکر اتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔" لشکروں سے مراد فرشتے تھے جنہیں غزوہ حنین میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے نازل فرمایا جو مسلمانوں کے دلوں کو ثابت قدم رکھتے تھے اور انہیں فتح و نصرت کی بشارتیں دیتے تھے۔ ان کے اندر روح، شجاعت اور صبر و ثبات پھونکتے تھے۔(2) اللہ تعالیٰ نے فوجوں کے بارے میں بتایا جو تمہیں نظر نہ آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی امداد کے لیے ایسا لشکر بھیجا جو دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ایک مشرک فوجی کہنے لگا جب مسلمانوں سے ہمارا مقابلہ ہوا تو وہ ہمارے مقابلے پر ذرا سی دیر بھی نہ ٹھہر سکے، ہم نے ان کا تعاقب کیا آخر کار ہم ایک سفید خچر والے کے پاس پہنچے۔ آپؐ اللہ کے رسول تھے اور آپ ﷺ کے پاس گورے گورے اور خوب صورت نوجوان تھے۔ انہوں نے ہم سے کہا: تمہارے چہرے بگڑ جائیں گے لوٹ جاؤ۔ انکا یہ کہنا تھا کہ ہم شکست کھا گئے اور مسلمان ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔(ابن جریر)
سوال6: ﴿وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ "اور اس نے ان لوگوں کو سزا دی جنہوں نے کفر کیا اور کافروں کا یہی بدلہ ہے۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:(1) ﴿وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ﴾ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو یعنی بنو ہوازن کو عذاب دیا۔ وہ قتل ہوئے اور قیدی بنائے گئے (2) ان کو شکست ہوئی ان کی عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں آ گئیں۔(3) ﴿وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ یہ کافروں کی دنیا میں سزا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ "تم ان سے لڑو، اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب دلوائے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا۔" (التوبہ:14)

﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

"پھر اللہ تعالیٰ اس کے بعد بھی جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق دے گا اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔"(27)
سوال1: ﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ "پھر اللہ تعالیٰ اس کے بعد بھی جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق دے گا۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے شکست کے بعد ہوازن کے ان کفار کی اکثریت کی توبہ قبول فرمالی جن سے جنگ ہوئی تھی۔ وہ اسلام قبول کر کے آپ ﷺ کے پاس آئے۔(2) وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق دی۔(تفسیر قاسمی:2/154) (3) آپ ﷺ نے بنو ہوازن کے بچے اور عورتیں واپس کر دیں۔
سوال2: ﴿وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ "اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:(1) ﴿وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ﴾ وہ گناہ کرنے والے کے گناہ بخش دیتا ہے۔(2) ﴿رَّحِيْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم والا ہے۔ وہ ان پر اپنی مغفرت کے ذریعے فضل فرماتا ہے۔(فتح القدیر:2/437) (3) اللہ تعالیٰ بے انتہا مغفرت اور بے پایاں رحمت کا مالک ہے۔ وہ توبہ کرنے والے کے گناہ بخش دیتا ہے۔ ان کے جرائم سے درگزر کرتا ہے اس لیے جرائم کی وجہ سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۲۸ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یقیناسب مشرک ناپاک ہیں چنانچہ وہ اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آئیں اور اگر تمہیں تنگ دستی کا خوف ہے تو اللہ تعالیٰ جلد ہی تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر اس نے چاہا، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔" (28)

سوال 1: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ﴾ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یقیناسب مشرک ناپاک ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ اے لوگو جنہوں نے ایمان سے اپنے باطن کو پاک کیا ہے۔ (تفسیر قاسمی: 8/ 161) (2) ﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ﴾ "یقیناسب مشرک ناپاک ہیں۔" جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، غیر اللہ کی عبادت کی وہ ناپاک ہیں۔ (3) یعنی اپنے عقائد واعمال میں ناپاک ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر ناپاک اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتا ہے جو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان اور نہ کوئی کام آسکتے ہیں اور ان لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرنے، اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے باطل کی مدد کرنے، حق کو ٹھکرانے اور زمین میں اصلاح کی بجائے فاسد کے لیے کام کرنے جیسے افعال پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس لئے تم پر فرض ہے کہ تم سب سے زیادہ شرف کے حامل اور سب سے زیادہ پاک گھر سے مشرکین کو پاک رکھو۔ (تفسیر سعدی: 1/ 1029-1030) (3) یہاں نجاست سے مراد بدن کی نجاست نہیں کیونکہ کافر کا بدن بھی دوسرے لوگوں کے بدن کی طرح پاک ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتابیہ عورت کے ساتھ مباشرت جائز قرار دی ہے مگر اس کا پسینہ وغیرہ لگ جانے کی صورت میں دھونے کا حکم نہیں دیا۔ مسلمان ہمیشہ سے کفار کے ساتھ بدنی اختلاط رکھتے چلے آئے ہیں مگر ان سے یہ بات منقول نہیں کہ انہوں نے کفار کو اس طرح ناپاک سمجھا ہو جس طرح وہ گندگی کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ درحقیقت اس سے مراد معنوی نجاست یعنی شرک ہے تو جس طرح توحید اور ایمان معنوی طہارت ہے اسی طرح شرک معنوی نجاست ہے۔ (تفسیر سعدی: 1/ 1029-1030)

سوال 2: مشرکین کیسے نجس ہیں؟

جواب: (1) مشرک دین کے اعتبار سے نجس ہیں۔ (2) ان کا عقیدہ ناپاک ہے۔ (3) ان کی روح ناپاک ہے ناپاکی ان کے اندر اتر گئی ہے۔ (4) پاکیزہ لوگ ان سے دور رہنا پسند کرتے ہیں۔

سوال 3: ﴿ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ ﴾ "چنانچہ وہ اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آئیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) مشرک اس سال کے بعد مسجد حرام میں نہ جائیں وہ 9 ہجری کا سال تھا۔ (2) اسی سال آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ حج کے روز اعلان برأت کر دیں انہوں نے اعلان برأت کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہیں آئے گا نہ کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے گا۔ (3) مشرکوں کو مسجد حرام میں داخلے سے روکا ہے کہ

مکہ اور حرم کے ارد گرد کا علاقہ حرم ہے اس دن سے مکہ میں مشرک داخل نہیں ہوئے۔(ایسر التفاسیر:544-545) (4) ﴿بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ "اس سال کے بعد۔" اس سے مراد 9 ہجری ہے۔

سوال4: مسلمانوں کو حرم میں مشرکوں کا داخلہ بند ہونے پر تشویش کیوں ہوئی تھی؟

جواب: عرب غیر زرعی ملک ہے ان کی اقتصادی صورت حال کا انحصار تجارت پر ہے اور تجارت مشترکہ تعلقات پر ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ تجارتی رشتے ٹوٹ جائیں گے تو کیا ہوگا اس وقت انہوں نے یہ نہ سوچا کہ مشرک مسلمان ہو جائیں گے تو سرگرمیاں بحال ہو جائیں گی۔

سوال5: مسلمانوں کی ابتدائی قربانیوں کا کیا نتیجہ نکلا؟

جواب: مسلمانوں کی ابتدائی قربانی یہ تھی کہ مقامی سطح پر معاشی دروازہ بند ہوتے دیکھ کر صبر کرلیں لیکن اس میں عالمی سطح پر معیشت کی بحالی کا راز تھا۔ اس وجہ سے مسلمانوں کی تجارت پوری دنیا میں پھیل گئی۔

سوال6: ﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ﴾ "اور اگر تمہیں تنگ دستی کا خوف ہے تو اللہ تعالیٰ جلد ہی تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر اس نے چاہا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً﴾ "اور اگر تمہیں تنگ دستی کا خوف ہے۔" یعنی مشرکوں کو مسجد حرام سے روک دینے سے آپ کو فقر و فاقہ کا خوف ہو جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مشرک بیت اللہ آتے تھے اور ان کے ساتھ وہ تجارتی خبریں آتی تھیں جو ہر طرف پھیل جاتی تھیں پھر جب انہیں بیت اللہ آنے سے روک دیا گیا تو مسلمانوں نے کہا: ہمارا کھانا کہاں سے آئے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(ابن ابی حاتم) (2) مکہ جہاں ایک مقدس مقام تھا وہاں تجارتی مرکز بھی تھا اور وہ تجارت زیادہ تر مشرکین مکہ کے ہاتھ میں تھی۔ لہذا مکہ اور اس کے آس پاس میں بسنے والے بالخصوص نو مسلموں کو خدشہ لاحق ہوا کہ اب ضروریات کیسے پوری ہوں گی نیز ذرائع روزگار بھی متاثر ہونے کا اندیشہ تھا۔ اللہ نے ان مسلمانوں کو تسلی دی اور اس خدشہ کا مداوا یوں ہوا کہ مسلمانوں نے معیشت کے سارے میدان خود سنبھال لیے جن میں اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی اور اس طرح مسلمانوں کو غنی بنا دیا۔ اس صورت حال کا صحیح اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ جب پاکستان بننے کے وقت 1947ء میں ہندو لوگ، جن کے ہاتھ میں معیشت کی باگ ڈور تھی پاکستان کو چھوڑ کر ہندوستان جا رہے تھے اور زندگی کے ہر میدان میں بالخصوص معیشت کے میدان میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا تو عرصہ تک تجارتی منڈیاں ہی بند رہیں آخر مسلمانوں نے ان منڈیوں کو سنبھال لیا تو اللہ نے انہیں بہت غنی کر دیا۔(تیسیر القرآن:2/197) (3) ﴿فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ﴾ "تو اللہ تعالیٰ جلد ہی تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر اس نے چاہا۔" اس لیے مشرکوں کو منع کر دو اور فقر کا خوف نہ کرو۔(ایسر التفاسیر: 544-545) (4) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جزیہ سے غنی کر دیا۔(الدر المنثور:3/409) (5) ﴿اِنْ شَآءَ﴾ اللہ تعالیٰ کا فرمان اس کی مشیت کے ساتھ معلق ہے۔ دنیا میں اگر کسی کو غنا حاصل ہو تو یہ ایمان کے لوازمات میں سے نہیں ہے نہ یہ اس بات کا ثبوت ہے نہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا تو کسی کو بھی دے دیتا ہے مگر ایمان صرف اس کو دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔(4) اللہ تعالیٰ نے ایک دروازہ بند کر کے مسلمانوں کے لیے دولت کے دوسرے دروازے کھول کر اپنا وعدہ پورا کیا اس نے مسلمانوں کو اتنا مال عطا کیا کہ وہ بڑے مال داروں اور بادشاہوں میں شمار ہونے لگے۔(5) یہ آیت دلیل ہے کہ رزق کے لیے اسباب اختیار کرنا

توکل کے منافی نہیں ہے۔سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول نے فرمایا:"اگر تم اللہ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو بھی ایسے رزق دیا جائے جیسا کہ پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ صبح کو وہ گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔" (جامع الترمذی:2344)

سوال:﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۲۸ ذ﴾ "یقینا اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ علیم ہے تمہاری مصلحتوں کو جانتا ہے۔(2) وہ خوب جانتا ہے کہ کس کو غنی کرنا چاہئے۔(3) اللہ تعالیٰ حکیم ہے وہ ہر ایک کو اس کے جائز مقام پر رکھتا ہے۔(4) اللہ تعالیٰ اپنے احکامات و نواہی میں بھی حکیم ہے۔

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝۲۹ ﴾

"اور ان لوگوں سے لڑو جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی اس کو حرام کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ ہی وہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور ذلیل ہوں۔"(29)

سوال 1:﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴾ "اور ان لوگوں سے لڑو جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی اس کو حرام کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ ہی وہ دینِ حق کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اس آیت کریمہ میں رب العزت نے یہود و نصاریٰ سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔(2) ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾، سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق نہیں کرتے۔(فتح القدیر:2/ 441) (3) ﴿ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اور نہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کرتے جس کی وجہ سے آخرت کی نجات ملتی ہے۔(4) یہود و نصاریٰ ایسا ایمان نہیں رکھتے جس کی تصدیق ان کے افعال اور اعمال کرتے ہوں۔(5) ﴿ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ﴾ "اور نہ ہی اس کو حرام کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔" اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حلال و حرام ٹھہرائے وہی شریعت ہے۔ یہود و نصاریٰ محرمات کی تحریم میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی اتباع نہیں کرتے۔ جیسے شراب، سُور، سود اور دیگر حرام اشیاء۔(6) ﴿ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ ﴾ " اور نہ ہی وہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں۔" دین حق سے مراد اسلام ہے جس کے سوا کوئی دین قابل قبول نہیں۔(7) یہودی دین رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر وہ باطل دین ہے کیونکہ انہوں نے اپنے دین میں تحریف کی اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ذریعے اسے منسوخ کر دیا ہے۔(8)﴿ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴾ یعنی یہود و نصاریٰ۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے وہ کون سی صفات گنوائی ہیں جس کی وجہ سے جنگ کا جواز نکلتا ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہ لانا۔(2) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حرام کردہ کو حرام نہ ٹھہرانا۔ (3) سچے دین کو نہ اپنانا۔

سوال3:﴿ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ ﴾ ”اور نہ ہی وہ دینِ حق کو اختیار کرتے ہیں۔“ دین حق کیا نہیں ہے؟
جواب:(1)اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنا دین حق نہیں ہے۔(2)اللہ تعالیٰ کے قانون کو چھوڑ کر کسی اور کے قانون پر چلنا دین حق نہیں ہے۔(3)اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور سے احکامات اور ہدایات لینا دین حق نہیں ہے۔
سوال4:اسلام کو اپنے راستے کی ہر رکاوٹ دور کرنے کا حق کیوں حاصل ہے؟
جواب:(1)اسلام دین حق ہے۔(2)اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسانوں کو دین حق کے علاوہ سارے دینوں سے آزاد کر کے چھوڑ دے تاکہ انسان اپنے اختیار سے دین کو قبول کر لے۔(3)انسان کو مادی رکاوٹوں سے آزاد کروانا تبھی ممکن ہے جب جاہلی قوتوں کی شان وشوکت کو توڑ دیا جاتا ہے۔(4)انسان تبھی آزاد ہو سکتے ہیں جب دین حق کے علاوہ ساری قوتیں اسلام کے تابع ہوں۔
سوال5:﴿ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ ”یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور ذلیل ہوں۔“ کی وضاحت کریں؟
جواب:(1) ﴿ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ ﴾ یعنی وہ مال ادا کریں جو ان کے خلاف مسلمانوں کے قتال ترک کرنے اور مسلمانوں کے درمیان اپنے مال ومتاع سمیت پر امن رہنے کا عوض ہے جو ہر سال ہر شخص سے اس کے حسب حال خواہ وہ امیر ہے یا غریب، وصول کیا جائے گا۔ جیسا کہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر سربراہان نے کیا تھا۔(2) ﴿ عَنْ يَّدٍ ﴾ یعنی مطیع ہو کر اور اقتدار چھوڑ کر یہ مالی عوض ادا کریں اور اپنے ہاتھ سے ادا کریں اور اس کی ادائیگی کے لیے خادم وغیرہ نہ بھیجیں، بلکہ یہ جزیہ صرف انہی کے ہاتھ سے وصول کیا جائے۔(تفسیر سعدی: 1/ 1030-1032) (3) ﴿ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ اور وہ زیر دست اور مطیع بن کر رہیں۔ جب ان کا یہ حال ہو، اور وہ مسلمانوں کا جزیہ ادا کرنا، مسلمانوں کے غلبہ اور ان کے احکامات کے تحت آنا قبول کر لیں، حالات ان کے شر اور فتنہ سے مامون ہوں وہ مسلمانوں کی ان شرائط کو تسلیم کر لیں جو ان پر عائد کی گئی ہوں جن سے ان کے اقتدار اور تکبر کی نفی ہوتی ہو اور جو ان کی زبردستی کی موجب ہوں تو مسلمانوں کے امام یا اس کے نائب پر واجب ہے کہ وہ ان کے ساتھ معاہدہ کر لے۔ اگر وہ معاہدے کو پورا نہ کریں اور زیر دست رہ کر جزیہ ادا نہ کریں، تو ان کو امان دینا جائز نہیں، بلکہ ان کے ساتھ قتال کیا جائے یہاں تک کہ اطاعت کر لیں۔ اس آیت کریمہ سے جمہور اہل علم استدلال کرتے ہیں کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جائے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف اہل کتاب سے جزیہ وصول کرنے کا حکم دیا ہے۔ رہے اہل کتاب کے علاوہ دیگر کفار تو ان کے خلاف اس وقت تک لڑنے کا ذکر ہے جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کر لیں۔ جزیہ ادا کرنے اور اس کے عوض مسلمانوں کے شہروں میں رہنے کے احکام میں مجوس بھی شامل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا۔ پھر امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایران کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب تمام کفار سے جزیہ قبول کیا جائے گا کیونکہ یہ آیت کریمہ مشرکین عرب کے ساتھ قتال سے فراغت کے بعد اور اہل کتاب وغیرہ کے ساتھ قتال شروع ہونے پر نازل ہوئی ہے۔ تب یہ قید واقعہ کی خبر ہے اس کا مفہوم نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مجوسیوں سے جزیہ لیا گیا ہے حالانکہ وہ اہل کتاب میں شمار نہیں ہوتے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد میں آنے والے مسلمانوں سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ جس قوم کے خلاف جنگ کرتے انہیں سب سے پہلے تین میں سے ایک

چیز قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے۔(الف)اسلام قبول کرنا۔(ب)جزیہ ادا کرنا۔(ج)یا تلوار کا فیصلہ قبول کرنا۔اور اس میں انہوں نے اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کے درمیان کبھی کوئی فرق نہیں رکھا۔(تفسیر سعدی:1/1031-1032)

سوال6:جزیہ سے کیا مقاصد حاصل ہوتے ہیں؟

جواب:(1)جزیہ دے کر اسلام کے راستے کی رکاوٹ نہ بننے کا اعلان ہوتا ہے۔(2)اسلام آزادی،مال اور عزت کا تحفظ دیتا ہے اس کے عوض اسلامی مملکت کے اخراجات میں حصہ ڈالا جاتا ہے۔(3)بیت المال سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی کفالت ہوتی ہے۔مسلمان زکوٰۃ دیتے ہیں جب کہ غیر مسلم جزیہ۔

## رکوع نمبر11

﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰ ﴾

"اور یہودیوں نے کہا کہ عُزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔یہ ان کے اپنے مونہوں کی بات ہے،وہ ان لوگوں کی بات کی مشابہت کرتے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے کفر کیا۔اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے !وہ کہاں سے بہکائے جارہے ہیں؟" (30)

سوال1:﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨابْنُ اللّٰهِ﴾"اور یہودیوں نے کہا کہ عُزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔"کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ رب العزت نے یہودیوں کے خلاف قتال کا حکم دیا تو ان کے گمراہ کن اقوال کا ذکر کیا جو رب سے محبت کرنے والے غیرت مند مسلمانوں کو ان کے خلاف پوری کوششیں کرنے کے لیے آمادہ کرتے ہیں۔(2)﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨابْنُ اللّٰهِ﴾"اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔"یہ قول یہود کے ایک فرقے کا تھا عوام کا قول نہیں تھا۔(3)عزیر وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سو سال تک موت دی تھی پھر انہیں دوبارہ زندہ کیا۔یہودی انہیں عذرا کا نام دیتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:546)

(4)بعض اہل علم کہتے ہیں کہ سیدنا عزیر علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرنے کا سبب یہ تھا کہ جب (غیر اسرائیلی مشرک)بادشاہوں نے ان پر تسلط حاصل کر کے ان کو تتر بتر کر دیا اور حاملین تورات کو قتل کر دیا،اس کے بعد انہوں نے عزیر علیہ السلام کو پایا کہ تمام تورات یا اس کا بیشتر حصہ ان کو حفظ ہے،سیدنا عزیر علیہ السلام نے ان کو تورات اپنے حافظہ سے املا کروادی اور انہوں نے تورات کو لکھ لیا۔بنابریں انہوں نے سیدنا عزیر علیہ السلام کے بارے میں یہ بدترین دعویٰ کیا۔(تفسیر سعدی:1/1033) (5)یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ یہودیوں کو ان کی سرکشی نے یہاں تک پہنچادیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال و کمال میں نقص ثابت کرنے کی کوشش کی۔(6)اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے جنگ کا جواز بتایا ہے کہ وہ رب العزت کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔

سوال2:﴿وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ﴾"اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔"کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)مسیح سے مراد عیسیٰ ابن مریم ہیں۔یہ عیسائیوں کا کفر تھا کہ انہوں نے عیسی علیہ السلام کا نسب اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیا جو جلال و کمال والا ہے۔(ایسر التفاسیر:546-547) (2)انہیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:مجھے میرے مرتبے سے زیادہ نہ بڑھاؤ جیسے عیسیٰ ابن

مریم علیہ السلام کو نصاریٰ نے ان کے مرتبے سے زیادہ بڑھادیا ہے۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس لیے یہی کہا کرو (میرے متعلق) کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔" (صحیح بخاری:3445)

سوال 3: یہودیوں اور عیسائیوں کی مشترکہ اعتقادی خرابی کیا تھی؟

جواب: دونوں ہی ابنیتِ خدا کے قائل تھے۔ یہودی کہتے کہ عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور عیسائی کہتے کہ مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

سوال 4: ﴿ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ "یہ ان کے اپنے مونہوں کی بات ہے وہ ان لوگوں کی بات کی مشابہت کرتے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے کفر کیا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی وہ بات جو یہودی اور عیسائی کہتے ہیں۔ (2) ﴿قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ﴾ ان کے اپنے مونہوں کی بات ہے یعنی بے دلیل ہے۔ ایسے شخص کی بات ہے جس کو کچھ پتہ نہیں کہ اس نے کیا بولا ہے اور کس کے لیے بولا ہے؟ نہ وہ عقل سے کام لیتا ہے کہ عقل اسے ایسی بات کرنے سے روکے نہ اس کا کوئی دین ہے جو اسے جہانوں کے بادشاہوں سے متعلق بے دلیل بات کہنے سے روکے۔ (3) ﴿يُضَاهِـُٔوْنَ﴾ وہ مشابہت کرتے ہیں یعنی اپنی اس بے دلیل بات میں۔ (4) ﴿قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ "وہ ان لوگوں کی بات جنہوں نے ان سے پہلے کفر کیا۔" یعنی ماضی میں اپنے مشرک آباء واجداد کے قول کی مشابہت میں ہیں جو کہتے تھے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، دونوں اقوال باطل اور مشابہ ہیں۔ (5) وہ پہلی کافر قوموں سے مشابہت رکھتے ہیں جیسے وہ گمراہ ہوئے یہ بھی گمراہ ہوئے اور وہ برہمن ہندو چین، جاپان اور ہندوستان کے بدھ اور ایران، مصر، یونان اور روم کے قدیم گمراہ مشرکین عرب کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (تفسیر منیر:5/533)

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے عقیدے کی غلطی پر کیسے ضرب لگائی ہے؟

جواب: رب العزت نے یہودیوں اور عیسائیوں کے عقیدے پر ضرب لگاتے ہوئے فرمایا: (1) یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ (2) انہوں نے پہلے لوگوں کی دیکھا دیکھی یہ کام شروع کیا ہے۔

سوال 6: کیا اس سے پہلے ابنیتِ خدا کا عقیدہ پایا جاتا تھا؟

جواب: (1) عربوں میں ابنیت ملائکہ کا عقیدہ تھا۔ (2) مصری تثلیث کے اجزاء دریس (رب)، ایزیس اور موریس (ابن) یہ فرعون کی بت پرستی کی بنیاد تھی۔ (3) ہندو تین اقانیم کے قائل تھے۔ برہما (خالق)، وشنو (ابن)، وسیقا (برباد کرنے والا)۔ (4) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے جو فلسفہ سکندریہ میں پڑھایا جاتا تھا۔ اس میں کلمہ کو دوسرا الٰہ اور اسے خدا کا کنوارا بیٹا کہا جاتا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا کہ اہل کتاب حق پر نہیں ہیں۔

سوال 7: ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ﴾ "اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے! وہ کہاں سے بہکائے جارہے ہیں؟" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ان پر لعنت کی صورت میں دعا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور پھینکنے کی بات ہے۔ (ایسر التفاسیر:546-547) (2) ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ﴾ یعنی ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے۔ (ابن ابی حاتم:6/1783) (4) ﴿اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝﴾ "وہ کہاں سے بہکائے جارہے ہیں۔" کیسے وہ حق کو باطل کی طرف پھیر رہے ہیں۔ (فتح القدیر:2/443) (5) کیسے وہ حق اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تقدیس کو شرک اکبر اور باطل کی طرف پھیر رہے ہیں۔ مسیح اور عزیر اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں مخلوق خالق کیسے ہوسکتی ہے جب کہ وہ کھاتی پیتی اور تھکتی ہے، دکھ اور تکلیف جھیلتی ہے۔ اب العزت نے فرمایا: ﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ

مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ ﴾ مسیح ابن مریم تو صرف ایک رسول ہے یقیناً اس سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور اس کی ماں صدیقہ تھی، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔(المائدہ:75)

(6) سیدنا مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ ﴾ نہیں مگر وہ ایک بندہ جس پر ہم نے انعام کیا اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ایک مثال بنا دیا۔(الزخرف:59) (7) ﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ ﴾ مسیح اس بات میں ہر گز عار نہیں رکھے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہو اور نہ ہی مقرب فرشتے اور جو اس کی عبادت سے عار رکھے اور تکبر کرے تو عنقریب اللہ تعالیٰ سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔(النساء:172)

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾

”انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انہیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی معبود کی عبادت کریں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی، وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔“

سوال 1: ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ ﴾ ”انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی۔“ ان لوگوں نے اپنے احبار اور رہبان کو کیسے اپنا رب قرار دے دیا تھا؟

جواب: (1) ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ ﴾ ”انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا ہے۔“ احبار حبر کی جمع ہے اس سے مراد یہود کے علماء ہیں۔(2) ﴿ وَ رُهْبَانَهُمْ ﴾ رہبان، راہب کی جمع ہے۔ عیسائیوں کے عبادت گزار لوگ مراد ہیں۔ (ایسر التفاسیر:546) (3) حبر اسرائیلیوں میں اللہ تعالیٰ کے تقرب کا وسیلہ ہوتا تھا اور یہ آل ہارون کے وارثوں کا مرتبہ تھا۔ حبر ان میں کنوارا اور سب سے بزرگ ہوتا تھا۔(تفسیر قاسمی: 8/ 184) (4) عیسائیوں میں راہب دنیا کے مشغلوں سے کٹ کر، لذتوں کو چھوڑ کر، دنیا سے بے رغبتی اختیار کر کے اور اس کے رہنے والوں کو چھوڑ کر الگ رہنے والا ہوتا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ» ”اسلام میں کوئی راہبانیت نہیں ہے۔(تفسیر قاسمی: 8/ 184) (5) ﴿ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ”اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب۔“ وہ انہیں الٰہ بناتے ہیں جو ان کے لیے شریعت بناتے ہیں اور یہ ان کی شریعت کے مطابق حلال و حرام اختیار کرتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:546) (6) وہ ان کے لیے ان امور کو حلال کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اور یہ ان کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور ان امور کو حرام کرتے ہیں جن ک اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ہے۔ اور یہ (ان کی تقلید میں) ان امور کو حرام قرار دے لیتے ہیں۔ یہ احبار اور رہبان ان کے لیے ایسی شریعت اور اقوال مشروع کرتے ہیں جو انبیاء و رسل کے دین کے منافی ہیں اور یہ ان کی تقلید کرتے ہیں۔ نیز یہ اپنے مشائخ و عباد کے بارے میں غلو سے کام لیتے ہیں، ان کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کی قبروں کو بت بنا دیتے ہیں جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے، جہاں جانور ذبح کرنے کی منتیں مانی جاتی ہیں، دعائیں مانگی جاتی ہیں، اور ان کو مدد کے لیے پکارا جاتا ہے۔(تفسیر سعدی: 1/ 1033) (7) ﴿ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ ﴾ یعنی انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا ہے۔

سوال2: یہودی اور عیسائی اپنے احبار (علماوفقہا) سے کیسا تعلق رکھتے تھے؟

جواب: رب العزت نے واضح فرمایا کہ انہوں نے اپنے احباراور رہبان یعنی علماء اور فقہاء کو اپنارب بنالیا ہے۔ عدی بن حاتم سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو میرے گلے میں سونے کی ایک صلیب لٹکی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عدی اس صلیب کو اپنی گردن سے اتار دو۔ میں نے آپ ﷺ سے سنا آپ ﷺ تلاوت فرمارہے تھے: ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ میں نے کہااے اللہ کے رسول یہ کیسے ہے؟ہم توان کی عبادت نہیں کرتے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیاوہ جسے حلال کر دیں آپ لوگ حلال نہیں سمجھتے اور جسے وہ حرام کر دیں آپ لوگ اسے حرام نہیں کرتے؟ میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ہے (یعنی یہ رب بنانا ہے)۔ (ترمذی کتاب التفسیر: 5/278)

سوال3: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قانون سازی کا حق دینے والے کا کیا درجہ ہو جاتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو قانون سازی کا حق دینے والا مشرک ہو جاتا ہے۔

سوال4: ﴿ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ ”حالانکہ انہیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی معبود کی عبادت کریں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَ مَآ اُمِرُوْٓا ﴾ یعنی حال یہ ہے کہ ان کافروں کو ان کی کتاب میں یہ حکم نہیں دیا گیا تھا۔ (تفسیر قاسمی: 8/187) (2) ﴿ اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ ﴾ ”کہ وہ ایک ہی معبود کی عبادت کریں۔“ یعنی وہ صرف اس اللہ کے حکم کی اطاعت کریں اور اس کی مخالفت میں غیر اللہ کی اطاعت نہ کریں۔ (تفسیر قاسمی: 8/187) (3) یعنی ان کے انبیاء موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو ایک اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت کا حکم نہیں دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (ایسر التفاسیر: 547) (4) عبادت اور اطاعت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کریں، اسی پر توکل کریں، اسی سے مدد طلب کریں، اسی سے فریادیں کریں، اسی سے امید باندھیں، محبت اور دعا کو اسی کے لیے مخصوص کریں۔ (5) ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ ﴾ ”اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ توحید ہے۔ (ابن ابی حاتم: 4/1784) (6) محمد بن اسحاق نے کہا: یعنی اس کے ساتھ کوئی دوسرا اس کام میں شریک نہیں۔ (ابن ابی حاتم: 6/1784) (7) ﴿ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ ”وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ پاک اور بلند ہے، وہ مقدس ہے اس کی ذات ہر شرک سے بلند ہے۔ وہ اپنے اوصاف اور افعال میں ہر اس شرک سے پاک ہے جو اس کے کمال کے منافی ہے۔ (8) وہ عبادت اور اطاعت میں شرک سے پاک ہے۔ (فتح القدیر: 2/444)

﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾

”وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مُونہوں سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ نہیں مانتا مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے اور اگرچہ کافر لوگ برا جانیں۔“ (32)

سوال1: ﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ﴾ ”وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ يُرِيْدُوْنَ ﴾ وہ ارادہ رکھتے ہیں یعنی یہ ان کا پختہ منصوبہ ہے۔(2) ﴿ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ﴾ ”کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھادیں۔“ اللہ تعالیٰ کے نور سے مراد وہ دین ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے رسولوں کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا اس کو کوئی چیز نہ بدل سکتی ہے نہ باطل کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نور، اسلام کو یہودی اور عیسائی اپنے مونہوں سے یعنی جھوٹ، افتراء پردازی، عیب اور نقص سے بجھادینا چاہتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:547)

سوال2: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کو کیسے بجھانا چاہتے ہیں؟

جواب:(1) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کو جھوٹ اور سازشوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔(2) یہ لوگ اپنے حمایتیوں کو آمادہ کرتے ہیں کہ وہ اس دین کے خلاف جنگ کریں۔ اس کا راستہ روکیں۔ آج بھی یہی صورت حال ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے دین کو نور کیوں کہا ہے؟

جواب: یہاں اللہ تعالیٰ کے نور سے مراد اس کا دین ہے جس کو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے بھیجا اور کتابوں کے ذریعے سے نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو نور کہا ہے، کیونکہ جہالت اور ادیان باطلہ کے اندھیروں میں اس کے ذریعے سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، کیونکہ دین، حق کے علم اور حق پر عمل کا نام ہے اور حق کے علاوہ ہر چیز اس کی ضد ہے۔(تفسیر سعدی:1/1034)

سوال4: ان آیات کا مقصد کیا تھا؟

جواب: ان آیات کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان زیادہ جوش و خروش سے تیاری کریں۔

سوال5: ﴿ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ نہیں مانتا مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے اور اگرچہ کافر لوگ برا جانیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور اللہ تعالیٰ نہیں مانتا مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے اور اگرچہ کافر لوگ برا جانیں۔“ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کہ رہے گا۔ اس نور کو بجھانے کے لیے یہ ساری مخلوق اکٹھی ہو جائے تو اسے بجھا نہیں سکتی۔(1) اس لیے کہ اس نے اس نور کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔(2) وہ تمام مخلوقات پر غالب ہے۔(3) کافروں کی نور بجھانے کی بھاگ دوڑ اللہ تعالیٰ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔

سوال6: اللہ تعالیٰ کا کیا وعدہ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔

سوال7: اس وعدے کے اہل ایمان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:(1) یہ وعدہ اہل ایمان کے لئے باعث اطمینان ہے۔(2) اس کی وجہ سے وہ مشکلات برداشت کرتے ہیں۔(3) اس وعدے کی وجہ سے وہ دشمنوں کی سازشوں اور مسلسل جنگ کا مقابلہ کرتے ہیں۔

﴿ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾

”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے اگرچہ مشرک لوگ بُرا جانیں۔“ (33)

سوال1:﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾ ”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ وہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ ﴾ ”وہی ہے جس نے اپنے رسول یعنی محمد ﷺ کو بھیجا ہے۔(2) ﴿ بِالْهُدٰی ﴾ ہدایت کے ساتھ یعنی نفع مند علم جو کہ وحی کا علم ہے یعنی قرآن وسنت کے علم کے ساتھ بھیجا ہے۔(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ ۛۚ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝﴾ یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔(البقرہ:2) (4)﴿ وَ دِیْنِ الْحَقِّ ﴾ ”اور دین حق کے ساتھ۔“ دین حق عمل صالح کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جناب محمد ﷺ کو جو دین دے کر مبعوث فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات، اس کے افعال اور اس کے احکام واخبار کے بارے میں باطل میں سے حق کو واضح کرنے اور ہر ایسے حکم پر مشتمل ہے جو بدن، روح اور قلب کے لیے نافع اور ان کی اصلاح کرتا ہے، یعنی دین میں اخلاص، اللہ تعالیٰ سے محبت اور اسی کی عبادت کا حکم دیتا ہے، وہ مکارم اخلاق، محاسن عادات، اعمال صالحہ اور آداب نافعہ کے احکام پر مشتمل ہے اور ان تمام برے اخلاق اور برے اعمال سے روکتا ہے جو ان کی ضد ہیں۔ جو دنیا وآخرت میں قلب وبدن کے لیے ضرر رساں ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔(تفسیر سعدی: 1/ 1035) (5) ﴿ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾ ”تا کہ وہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے۔“ تا کہ دین اسلام سارے ادیان پر غالب آجائے۔ (قرطبی: 4/ 45) (6) قتادہ سے روایت ہے کہ دین چھ تھے جو لوگ ایمان لائے، جو یہودی ہوئے، صابی، عیسائی اور مجوسی اور جن لوگوں نے شرک کیا۔ سارے ادیان دین اسلام میں داخل ہو گئے اور اسلام میں کوئی چیز داخل نہیں ہوئی۔ بے شک اللہ نے فیصلہ کر دیا اسکے مطابق جو اس نے نازل کیا کہ دین اسلام سارے ادیان پر غالب آجائے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔ (الدر المنثور:3/417)

سوال2: جب رسول اللہ ﷺ آئے تو کون کون سے خود ساختہ دین موجود تھے؟

جواب:(1) مشرکین کا دین جسے وہ دین ابراہیم کہتے تھے۔(2) یہود کا دین جسے وہ دین موسیٰ کہتے تھے۔(3) عیسائیوں کا دین جسے وہ دین مسیح کہتے تھے۔(4) صابیوں کا دین۔(5) مجوسیوں کا دین۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے دین کے بارے میں کیا فیصلہ کر رکھا ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ اس دین کو دوسرے تمام نظاموں پر غالب کرنا چاہتے ہیں۔ سیدنا عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے مجھ سے فرمایا: اسلام قبول کر تا کہ سلامتی ملے میں نے کہا میں تو ایک دین کو مانتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے دین کا تجھ سے زیادہ علم مجھے ہے میں نے کہا سچ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بالکل سچ کہا، تو رکوسیہ میں سے نہیں ہے؟ کیا تو اپنی قوم سے ٹیکس وصول نہیں کرتا؟ میں نے کہا یہ تو سچ ہے آپ ﷺ نے فرمایا تیرے دین میں تیرے لئے حلال نہیں ہے پس یہ سنتے ہی میں جھک گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں خوب جانتا ہوں کہ تجھے اسلام سے کون سی چیز روکتی ہے؟ سن صرف ایک یہی بات تجھے روک رہی ہے کہ مسلمان بالکل ضعیف اور کمزور ناتواں ہیں تمام عرب انہیں گھیرے ہوئے ہے، یہ ان سے نمٹ نہیں سکتے لیکن سن تجھے حیرہ کا علم ہے؟ میں نے کہا دیکھا تو نہیں لیکن سنا ضرور ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امر دین کو پورا فرمائے گا یہاں تک کہ ایک سانڈنی سوار حیرہ سے چل کر امن کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچے گا اور بیت اللہ شریف کا طواف کرے گا، واللہ تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے میں نے کہا کسریٰ بن ہرمز کے؟ آپ ﷺ

نے فرمایا:ہاں کسریٰ بن ہرمز کے۔تم میں مال کی اس قدر کثرت ہو پڑے گی کہ کوئی لینے والا نہ ملے گا۔(ابن کثیر: 2/ 341) (2) اللہ تعالیٰ نے دین کو غالب کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمین پر مٹی سے بنا ہوا کوئی گھر یا بالوں سے تیار کیا ہوا کوئی خیمہ ایسا باقی نہیں رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ فرمادے۔عزت والے کی عزت کے ساتھ اور ذلت والے کی ذلت کے ساتھ حدیث کی روایت کرنے کے بعد سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس تو پھر سارا دین اللہ ہی کے لیے ہو گا۔(مشکوۃ:16، مسند احمد) (3)سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ رات اور دن ختم ہونے سے پہلے ایسا ضرور ہو گا کہ لات اور عزی کی پرستش کی جائے گی (یہ زمانہ جاہلیت میں دو بت تھے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں تو یہ سمجھتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ:﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ نازل فرمائی تو یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔یعنی دین حق تمام دینوں پر غالب ہو گا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا ایسا ہو گا (جو آیت کریمہ میں مذکور ہے) پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیج دے گا جس کی وجہ سے ہر اس شخص کو موت آجائے گی جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو گا۔اس کے بعد صرف وہی لوگ واپس رہ جائیں گے جن کے دل میں کوئی خیر نہ ہو گی لہذا وہ اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔(صحیح مسلم:2/ 394)

سوال4:﴿ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ ”اگرچہ مشرک لوگ برا جانیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:مشرک دین اسلام کو سخت ناپسند کرتے ہیں،وہ اس دین کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔اس دین کو لے کر چلنے کو فتنہ وفساد میں مبتلا کرتے ہیں۔ان کی سازشوں کا نقصان ان ہی کو پہنچتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا۔اس کے وعدے سچے ہیں،وہ اپنے وعدے کو ضرور پورا فرمائے گا اگرچہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار لگے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾

” اے لوگو جو ایمان لائے ہو!یقیناً بہت سے عُلماء اور درویش بلاشبہ لوگوں کے اموال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیں۔“ (34)

سوال1:اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب:(1)سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ ابھی زکوۃ کی فرضیت نازل نہیں ہوئی تھی۔پھر جب زکوۃ فرض ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اموال کو زکوۃ سے پاک کر دیا۔

(2)واحدی نے کہا:یہ آیت علماء اور قراء اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی جو رشوت لیتے تھے اور یہ عوام کی جانب سے انہیں پیش کی جاتی تھی۔(اسباب نزول،واحدی:140)

سوال2:﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو!یقیناً بہت سے عُلماء اور درویش بلاشبہ لوگوں کے اموال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں احبار اور رہبان کے کردار کو کس طرح واضح کیا ہے؟

جواب:(1) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو بچانے کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں ،اس کے فرشتوں اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں ڈرایا ہے۔(2) ﴿اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ﴾ "یقیناً بہت سے عُلماء اور درویش" احبار سے مراد علماء اور رہبان سے مراد عبادت گزار ہیں۔(ابن ابی حاتم:6/ 1787) (3) ﴿لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ "بلاشبہ لوگوں کے اموال باطل طریقے سے کھاتے ہیں۔" وہ لوگوں کے مال باطل یعنی ظلم سے کھاتے ہیں جیسے رشوت، مغفرت کے سرٹیفیکیٹ وغیرہ۔(4) اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے علماء اور عبادت گزاروں کی دو حالتوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔(الف) وہ لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں۔(ب) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں۔(5) ان کے علماء وفقہاء کے علم، عبادت اور راہ نمائی کی وجہ سے ان کے وظائف مقرر ہیں جو لوگوں کے مال سے دیئے جاتے ہیں۔ ان کا اس طریقے سے وظائف لینا حرام ہے کیونکہ لوگ مال خرچ کر کے صحیح راہ نمائی چاہتے ہیں اور یہ ان کو سیدھے راستے سے روکتے ہیں۔(6) مال خرچ کرنے کی ایک باطل صورت یہ بھی تھی کہ لوگوں سے مال لے کر غلط فتاویٰ دیتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے اے ایمان والو ان سے بچ جاؤ۔

سوال3: باطل طریقے سے مال لینے سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1) اس سے مراد ہے بغیر حق کے لینا۔(2) دوسرے کو دھوکے میں ڈال کر لینا۔

سوال4: باطل طریقوں سے مال کھانے کے کیا طریقے ہوتے ہیں؟

جواب:(1) حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے کی فیس۔(2) گناہ کا اعتراف کرنے والے سے لی جانے والی فیس۔ (3) وہ مال بھی جو دین حق کا مقابلہ کرنے کے لئے لیے جاتے ہیں مثلاً صلیبی جنگوں کے لئے لیا جانے والا مال۔(4) تعویذ گنڈوں سے لیا جانے والا مال۔(5) جنت کے ٹکٹ بیچنا۔

سوال5: انسان کے پاس جو مال آتا ہے اس کے جائز مصارف کیا ہیں؟

جواب:(1) اپنی واقعی ضرورتوں پر خرچ کرنا۔(2) واقعی ضرورت سے زائد کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں دینا۔

سوال6: ﴿وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ "اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) وہ لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔(2) وہ لوگوں کو محمد ﷺ کی اتباع سے روکتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی:4/ 46) (3) اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے لیے اسلام کے بنیادی امور میں شک پیدا کرتے ہیں۔ اسلام کے احکامات میں یعنی عقیدہ، عبادات اور معاملات میں۔(4) وہ اسلام کے راستے سے روکنے کے لیے نبی ﷺ اور قرآن کریم میں طعن کرتے ہیں۔(تفسیر منیر: 5/ 542) (5) ابن عون نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد سے روکتے ہیں۔(ابن ابی حاتم:6/ 1787)

سوال7: ﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ "اور جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ﴾ "اور جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں۔" ﴿يَكْنِزُوْنَ﴾ جو مال جمع کرتے ہیں، جو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اس مال کا حق ادا نہیں کرتے۔(ایسر التفاسیر:548) (2) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کنز وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد مال کنز نہیں رہتا خواہ ساتوں زمینوں کے نیچے

مدفون ہو اور اگر بیگڑے مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے تو وہ کنز ہے جس سے مال والے کو داغا جائے گا۔(مختصر ابن کثیر:1/719) (3)﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ”اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔“ یعنی اس کی زکوٰۃ نہیں دیتے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت والے کاموں میں مال نہیں لگاتے۔(ابن ابی حاتم:6/1789) (4)یعنی بھلائی کے راستوں میں خرچ نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔ یہ وہ جمع کرنا ہے جو حرام ہے، یعنی مال کو روک رکھنا اور اسے وہاں خرچ نہ کرنا جہاں خرچ کرنا فرض ہے، مثلاً زکوٰۃ ادا نہ کرنا، بیویوں اور دیگر اقارب کو نفقات واجبہ نہ دینا۔(تفسیر سعدی:1/1036) (5)﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جہاد، فقیر آء اور مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ۔

سوال8: کون سا کنز رکھنے کی اجازت ہے؟

جواب:(1) نبی ﷺ نے تین بار فرمایا: سونے چاندی والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم گھبراہ کر بولے: پھر ہم کون سا مال رکھیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بولے: میں اللہ تعالیٰ کے رسول سے پوچھے لیتا ہوں۔ بولے: یارسول اللہ ﷺ صحابہ کو یہ بات بھاری معلوم ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ ہم کون سا مال رکھیں! فرمایا: ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل اور دین دار بیوی جو دینی معاملات میں تمہاری مدد کرے۔(مصنف عبد الرزاق)

سوال9:﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ ”تو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مطلق مال جمع کرنے پر یہ وعید اس وقت تھی جب زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی تھی۔ پھر زکوٰۃ فرض کر کے اللہ تعالیٰ نے اسے مالوں کی پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا۔(بخاری، مسند احمد) (2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جسے اللہ نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں لایا جائے گا جس کی پیشانی پر دو نقطے ہوں گے۔ قیامت کے دن اس کا طوق بنایا جائے گا، پھر وہ اس کے جبڑوں کو کاٹے گا اور کہے گا۔ ”میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔“ پھر آپ ﷺ نے سورۃ آل عمران کی یہ آیت تلاوت فرمائی:﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ... ﴾ (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ) (3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو سونے اور چاندی کا مالک اس کا حق ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کے تختے بنائے جائیں گے۔ پھر انہیں دوزخ کی آگ سے خوب گرم کر کے اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ پر داغ لگائے جائیں گے۔ جب وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے تو دوبارہ گرم کیے جائیں گے اور اس دم مسلسل یہ ہی ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ بالآخر جب بندوں کا حساب ہو جائے گا تو یا تو اسے جنت کا راستہ بتا دیا جائے گا یا دوزخ کا۔(صحیح مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ) (4)جب وہ سونا، چاندی، درہم و دینار ٹھنڈے پڑیں گے تو انہیں دوبارہ تپایا جائے گا۔

﴿يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾

”جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا۔ یہی ہے جو تم نے اپنے لیے خزانہ بنایا تھا، سو چکھو جو تم خزانہ بنایا کرتے تھے۔“ (35)

سوال 1:﴿ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ﴾ ”جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اوران کے پہلوؤں اوران کی پشتوں کو داغا جائے گا۔“ دولت کو خزانہ کر کے رکھنے والوں کی کیا سزا ہے؟

جواب:(1) ﴿ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ﴾ ”جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا۔“یعنی ان کے مال ان کے سونے اور چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی جس سے مال والے کو داغا جائے گا۔(مختصر ابن کثیر:1/719) (2) ﴿ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ﴾ ”پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اوران کے پہلوؤں اوران کی پشتوں کو داغا جائے گا۔“ اسی سونے اور چاندی کی سلاخوں سے لوگوں کی پیشانیوں، پیٹھوں اور پہلوؤں کو داغا جائے گا۔

سوال 2:﴿ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ﴾ ”یہی ہے جو تم نے اپنے لیے خزانہ بنایا تھا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) انہیں زجر وتوبیخ کرتے ہوئے کہا جائے گا: یہ وہ مال ہے، یہ وہ خزانہ ہے جسے تم اپنے لیے سینت سینت کر رکھتے تھے۔ (2) تم نے تو مال جمع کیا کہ اس سے نفع اٹھائو تو یہ تمہارا نفع ہے، تمہارے لیے زجر وتوبیخ اور عذاب ہے۔(فتح القدیر:2/448) (3) تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔مال کو باطل راستے میں، خواہشات اور نافرمانیوں میں اوراللہ کے راستے سے روکنے کے لیے خرچ کیا، تم نے وہاں مال خرچ نہ کیا جہاں خرچ کرنا واجب تھا۔ تم نے وہاں مال خرچ کرنے سے روکا یعنی اسکی ضد میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا۔

سوال 3:﴿ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴾ ”سو چکھو جو تم خزانہ بنایا کرتے تھے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاندی سونے کا مالک تھا جس میں سے اس کا حق ادا نہیں کرتا تھا(یعنی زکوٰۃ نہیں دیتا تھا)توجب قیامت کا دن ہو گا اس کے لیے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی پھر ان تختیوں کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور ان کے ذریعہ اس کے پہلو اور اس کی پیشانی اور اس کی کمر کو داغ دیا جائے گا جب وہ ٹھنڈی ہو جائیں گی تو ان کو(پھر سے گرم کر کے)واپس لوٹا دیا جائے گا یہ اس دن میں ہوتا رہے گا جو پچاس ہزار سال کا ہو گا پھر نتیجہ میں وہ اپنا راستہ جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف دیکھ لے گا(اس کے بعد ان لوگوں کی وعید کا تذکرہ فرمایا جو مویشیوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔) (صحیح مسلم:1/318)

﴿ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد کتاب اللہ میں بارہ مہینے ہے، جس دن (سے) اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار حرمت والے ہیں، یہی سیدھا دین ہے، سوان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرواور مشرکوں کے خلاف سب مل کر لڑو جیسے وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔“ (36)

سوال 1:﴿ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد کتاب اللہ میں بارہ مہینے ہے جس دن (سے) اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے۔“ اللہ رب العزت نے کفار کے قبیح اعمال میں سے نسی کے تذکرے سے پہلے وضاحت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر میں بارہ ہے یعنی بارہ مہینے معروف ہیں۔(2) ﴿فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ ”کتاب اللہ میں“ لوح محفوظ میں یعنی اللہ تعالیٰ کے قدری حکم میں۔(3) ﴿يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ”جس دن (سے) اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔“ اللہ تعالیٰ نے جب آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی تورات دن کا سلسلہ جاری کیا۔ اوقات کی مقدار مقرر کی اور ان کو بارہ مہینوں میں تقسیم کیا۔ رب العزت کا فرمان ہے:﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ﴾ وہی ہے جس نے سورج کو تیز روشنی اور چاند کو نور بنایا ہے اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔(یونس:5) (4) ﴿مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ ”ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔“ یعنی قمری مہینوں میں رجب، ذیقعد، ذوالحجہ اور محرم۔ ان مہینوں کے حرام ہونے کا سبب ان کا احترام ہے اور اس وجہ سے بھی کہ ان میں قتال کرنا حرام ٹھہرایا گیا۔ (5) ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں دس ذوالحجہ کے دن نبی ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: بلاشبہ زمانہ گھوم کر اپنی اصلی حالت میں آگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس حالت میں آسمانوں وزمیں کو پیدا فرمایا سال بارہ مہینوں پر مشتمل ہے ان میں سے چار حرمت والے ہیں تین ایک دوسرے کے بعد ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ معزر قبیلہ کا رجب ہے معزر ایک قبیلے کا نام تھا جو جمادہ اور شعبان کے درمیان ہے۔(صحیح بخاری:4662) (6) کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے، اس کی ملکیت میں ہے۔ حتی کہ وقت بھی، لمحے، گھنٹے، دن مہینے اور سال بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ (7) دور جاہلیت میں لوگوں نے قمری سال میں بڑی خرابیاں پیدا کر دی تھیں۔ بعض قبائل نے مہینوں کی تعداد میں اپنی جانب سے اضافہ کر دیا تھا اور بعض نے حرمت والے مہینوں کی ترتیب خراب کر دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ساری خرابیاں دور فرمائیں۔ حرام مہینوں کا ادب واحترام کرنا ہم پر فرض ہے۔(8) ان مہینوں میں گناہ، فسق وفجور، اور لڑائی جھگڑے سے خصوصی گریز کرنا ہم سب پر فرض ہے۔

سوال2: یہاں مہینوں کی تعداد کو کیا واضح کرنے کے لیے لایا گیا ہے؟

جواب:(1) اس کائنات میں حلال وحرام کی حدود کا تعین محض میلانات اور وقتی خواہشات کی بنیاد پر نہیں ہو سکتا۔(2) جیسے کائنات کے اصول پختہ ہیں ایسے ہی حلال وحرام کے اصول پختہ ہیں۔

سوال3:﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ ”یہی سیدھا دین ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) یہی سیدھا دین ہے کہ ان حرمت والے مہینوں کو حرمت والا مانا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق عمل ہو اور اس کی موافقت ہو۔(2) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی قیم ہے۔(ابن ابی حاتم:6/1792)

سوال4: کائنات کا صحیح دین مضبوط ضابطہ کیا ہے؟

جواب: کائنات کا صحیح دین مضبوط ضابطہ وہ ہے جس کے مطابق وہ پہلے دن سے چل رہی ہے۔

سوال5:﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ ”سو ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے کہ ان مہینوں میں خاص طور پر کسی کو دکھ نہ دو کیونکہ اس ظلم کا وبال تم پر پڑے گا۔ ان مہینوں کا گناہ اور ظلم بہت بڑا ہے۔(2) ان مہینوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کام کیے جائیں، اس کا شکر ادا کیا جائے، ان کو اللہ تعالیٰ نے ﴿الشُّهُوْرِ﴾ فرمایا ہے اس لیے ظلم سے بچا جائے۔

سوال6: یہاں اپنے اوپر ظلم کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں اپنے اوپر ظلم کرنے سے مراد ہے کہ چار حرام مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو کیونکہ امن وسلامتی کے خلاف قدم اللہ کے ارادے کی خلاف ورزی ہے اور یہ ظلم ہے۔

سوال7: ﴿ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ﴾ "اور مشرکوں کے خلاف سب مل کر لڑو جیسے وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) رب العزت نے فرمایا: تم ہر قسم کے مشرکوں سے جہاد کرو جیسے وہ تم سے جنگ کرتے ہیں۔(2) مشرک اور کافر اہل ایمان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اس لیے تم جنگ کو کسی کے لیے مخصوص نہ کرو۔ ان کا جیسا رویہ تمہارے ساتھ ہے تم بھی ویسا ہی رویہ رکھو۔(3) اس سے یہ مراد بھی ہے کہ جب مشرک حرمت والے مہینے میں جنگ کریں تو تم بھی ان سے دفاعی جنگ کرو۔ اللہ رب العزت کے فرمایا: ﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ﴾ "حرمت والا مہینہ، حُرمت والے مہینے کا بدلہ ہے اور تمام حُرمتوں کا قصاص ہے۔(البقرہ:194) اور فرمایا: ﴿ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ اور تم مسجدِ حرام کے پاس ان سے نہ لڑو۔(البقرہ:191) (4) ﴿ كَآفَّةً ؕ﴾ کے معنی ہوں گے تم سب اکٹھے ہو کر مشرکوں سے جنگ کرو اس صورت میں اہل ایمان پر جہاد کے لیے نکلنا فرض ہے۔(تفسیر سعدی:1/1038)

سوال8: مشرکوں سے سب کو مل کر لڑنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

جواب:(1) مشرکین حرام مہینوں میں حملہ آور ہو جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اگر وہ حملہ کریں گے تو آپ دفاع کرو گے۔ (2) اگر یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کریں گے تو اچھے اخلاق کی حامل قوتیں کمزور پوزیشن میں چلی جائیں گی اور دنیا میں فساد پھیل جائے گا۔(3) اگر کافر اللہ تعالیٰ سے بے خوفی پر متحد ہیں تو تم تقویٰ پر متحد ہو جاؤ۔(4) اگر کافر دنیا کی خاطر ایک ہیں تو تم آخرت کی خاطر ایک ہو جاؤ۔(5) اگر وہ منفی مقاصد کی خاطر ایک ہیں تو تم مثبت کی خاطر ایک ہو جاؤ تاکہ برائی پنپ نہ سکے۔

سوال9: ﴿ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۶﴾ "اور جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اپنی نصرت اور تائید کے ذریعے سے تقویٰ شعار لوگوں کے ساتھ ہے۔ پس تم اپنے ظاہر و باطن اور اطاعت الٰہی پر قائم رہنے میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کے حریص بنو۔ خاص طور پر کفار کے خلاف قتال کے وقت، کیونکہ ایسی صورتحال میں، جنگ میں شریک کفار دشمنوں کے معاملہ میں مومن سے تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1/1038)

﴿ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۷﴾

"درحقیقت مہینوں کا پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی ہے، جس کے ساتھ وہ لوگ گمراہ کیے جاتے ہیں جنہوں نے کفر کیا، ایک سال اسے حلال کر دیتے ہیں اور ایک سال اس کو حرام کر دیتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو حرام کیا ہے اِس کی تعداد پوری کریں پھر جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اسے حلال کر لیں۔ ان کے بُرے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔" (37)

سوال1:﴿ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا ﴾ ”در حقیقت مہینوں کا پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی ہے، جس کے ساتھ وہ لوگ گمراہ کیے جاتے ہیں جنہوں نے کفر کیا، ایک سال اسے حلال کر دیتے ہیں اور ایک سال اس کو حرام کر دیتے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) النسی سے مراد تاخیر ہے یہ اہل جاہلیت کی حرام مہینوں سے متعلق بدعت تھی۔ مشرکوں کو جب حرام مہینے میں جنگ کی ضرورت پڑتی تو وہ حرام مہینوں کی گنتی کو پورا رکھتے اور ان مہینوں کو آگے پیچھے کر دیتے یعنی حرام مہینوں کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دیتے۔(2) ﴿ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ ﴾ ”کفر میں زیادتی ہے۔“ رب العزت نے ان کے رویے کے بارے میں واضح فرمایا ہے کہ کفر اور گمراہی میں اضافے والا رویہ ہے۔(3) یہ مشرکوں کی برائی ہے کہ وہ کس طرح اپنی غلط آراء کو دین میں داخل کر کے دین کو بگاڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کو مسخ کر دیتے ہیں۔(4)﴿ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ ﴾ ”جنہوں نے کفر کیا، ایک سال اسے حلال کر دیتے ہیں اور ایک سال اس کو حرام کر دیتے ہیں۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ابو ثمامہ جنادہ بن عوف بن امیہ کنانی ہر سال حج کے لیے آتا تھا اور اعلان کراتا تھا کہ ابو ثمامہ کی بات کو کوئی رد نہیں کر سکتا، اس کی بات میں کوئی عیب نہیں نکال سکتا، یاد رکھو پہلے سال کا صفر حلال ہے اور دوسرے کا حرام۔ یہ ایک سال کا محرم حرام سمجھتے تھے اور دوسرے کا حلال۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کو نسی قرار دیا ہے۔ لیکن فتح مکہ کے بعد نسی کا رواج ختم ہو گیا اور تمام مہینے اپنی جگہ پر آ گئے کیونکہ کعبہ کا انتظام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آ گیا۔(مختصر ابن کثیر:1/722)

سوال2:﴿ لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ﴾ ”تا کہ اللہ تعالیٰ نے جو حرام کیا ہے اِس کی تعداد پوری کریں پھر جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اسے حلال کر لیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ﴾ ”تا کہ اللہ تعالیٰ نے جو حرام کیا ہے اس کی تعداد پوری کریں۔“ انہوں نے اپنی غلط اور فاسد آراء کو دین میں داخل کر کے نسی کو اپنی طرف سے شریعت اور دین قرار دے دیا اور مہینوں کی گنتی پوری کر کے حلال و حرام بدل ڈالے۔(2) یعنی انہوں نے حرام مہینوں کی تعداد میں موافقت کی، وقت بدل ڈالا۔(3) ﴿ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ﴾ ”پھر جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اسے حلال کر لیں۔“ انہوں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے دیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں سے دھوکہ کیا اور دین میں حیلہ اور فریب کو استعمال کیا۔

سوال3: ﴿ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ﴾ ”ان کے بُرے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیے گئے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) شیاطین نے ان کے سامنے برے اعمال کو مزین کر دیا۔ شریعت کی مخالفت میں کیے جانے والے کام ہمیشہ جاری رہیں تو ان کی برائی کا احساس دل سے ختم ہو جاتا ہے، پھر وہ برے کام اچھے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ یہ شیاطین کی جانب سے کی جانے والی تزئین ہے۔(2) ان کے دلوں میں برے اعمال کے لیے قبولیت تب آتی ہے جب ان کے دل انہیں اچھا سمجھنے لگتے ہیں اور یہ تب ہوتا ہے جب دل میں فاسد عقائد جڑ پکڑ لیتے ہیں۔

سوال4:﴿ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا یعنی علم نافع اور عمل صالح کی توفیق نہیں دیتا اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں کفر نے جڑ پکڑ لی ہے۔ ایسے لوگوں کے پاس جو نشانی بھی آ جائے ایمان نہیں لاتے۔

# رکوع نمبر:12

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہیں کیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف نہایت بوجھل ہو جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ تو دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑا ہے۔"(38)

سوال 1: یہ آیات کب نازل ہوئیں؟

جواب: یہ آیات غزوہ تبوک 9ھ کے سلسلے میں نازل ہوئیں۔ اس دور میں روم دنیا کی بڑی طاقت تھی۔ اور قیصر روم بڑی گہری نظر سے دیکھ رہا تھا کہ اسلامی لشکر نے جس علاقے کی طرف پیش قدمی کی ہے وہ فاتحانہ واپس لوٹا ہے۔ چنانچہ قیصر روم نے اسلامی قوت سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی تو آپ ﷺ نے بغیر مہلت دیے ہنگامی بنیادوں پر دشمن کے علاقے میں جا کر جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا اور تیاریوں کا حکم دے دیا رسول اللہ ﷺ کے حکم کے باوجود کچھ لوگوں کا غزوہ تبوک کے لیے نکلنا مشکل ہو گیا۔ تبوک کا سفر مشکل، موسم شدید اور فصلیں پکی ہوئی تھیں۔ نکلنے والوں میں کمزور ایمان والے اور منافق لوگ بھی شامل تھے اور مقابلے پر صلیبی رومی تھے جو دنیا کی سپر پاور تھی۔ مجاہدین کے پاس سامان سفر اور سواریوں کی شدید قلت تھی۔

سوال 1: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ ﴾ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہیں کیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف نہایت بوجھل ہو جاتے ہو؟" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اے لوگو! جنہوں نے دل سے ایمان کی تصدیق کی ہے، ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو، اس کے حکم کی تعمیل کر کے اس کی رضا حاصل کرو۔(2) اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ۔(3) ﴿ مَا لَكُمْ ﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے کس چیز نے تمہیں عذر کے لیے تیار کیا ہے۔(4) ﴿ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ ﴾ "جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف نہایت بوجھل ہو جاتے ہو۔" اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان لوگوں پر عتاب ہے جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور وہ مکہ فتح ہونے کے ایک سال بعد 9ھ کا زمانہ تھا۔(فتح القدیر: 22/45) (5) تمہیں کیا ہو گیا ہے جب تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنے کے لیے یعنی جہاد کا حکم دیا جاتا ہے تو تم سستی کر کے بیٹھ رہتے ہو اور عیش و آرام کی طرف مائل ہوتے ہو۔ افسوس ہے کہ تم آخرت کی بجائے دنیا پر ریجھ گئے!

سوال 2: سچے مومن کا اسلام سے کیسا تعلق ہوتا ہے؟

جواب:(1) سچے مومن کی ساری وفاداریاں اسلام سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔(2) اسلام سچے مومن کے لیے زندگی موت کا مسئلہ بن جاتا ہے۔(3) قربانی کے موقع پر وہ پوری طرح اسلام پر قائم رہتا ہے۔

سوال3:اسلام سے تعلق کا ادنیٰ درجہ کیا ہے؟
جواب:(1)انسان کی حقیقی دلچسپیاں کہیں اور ہوں اور اوپر سے وہ اسلام کا اقرار بھی کرے۔(2)نمائشی دینداری میں آگے ہو قربانی کے موقع پر پیچھے ہٹ جائے۔
سوال4:زمین کے بوجھ کیا ہیں جو انسان کو زمین سے اٹھنے نہیں دیتے؟
جواب:(1)زمین کا لالچ۔(2)مال کے نقصان کا خوف۔(3)مال کے ضائع ہونے کا خوف۔(4)آرام اور سکون کے ختم ہو جانے کا خوف۔(5)زندگی کے چلے جانے کا خوف۔
سوال5:﴿ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ ﴾ "کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:کیا تم دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے؟ آخرت کے مقابلے میں دنیا تو کچھ بھی نہیں۔دنیا کی زندگی پر راضی ہونے والا تو اسی کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہے۔اور آخرت کی پرواہ نہیں کرتا۔
سوال6: ﴿ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴾ "تو دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑا ہے۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:(1) ﴿ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ "تو دنیا کی زندگی کا سامان۔" جس کی طرف تمہاری توجہ میں رغبت ہے۔جس کو تم نے آخرت کے مقابلے میں ہمتوں، کوششوں اور حوصلوں کا میدان بنا رکھا ہے۔﴿ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴾ بہت ہی کم ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا: آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈبوئے اور پھر دیکھے کہ اس کی انگلی کتنا پانی لے کر پلٹتی ہے۔(صحیح مسلم) (2) آپ ﷺ اَللّٰهُمَّ لَاعَيْشَ اِلَّاعَيْشُ الْاٰخِرَةِ "یا اللہ! زندگی صرف آخرت ہی کی زندگی ہے۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم) (3)ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس نے دنیا سے محبت کی اس نے آخرت کا نقصان کیا اور جس نے آخرت سے محبت کی اس نے دنیا کا نقصان کیا پھر باقی رہنے والی کو فانی پر ترجیح دو۔(بیہقی، اسماء وصفات)(4)دنیا کو آخرت کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں۔دنیا کی زندگی مختصر، دنیا کا مال ومتاع قلیل اور دنیا کا نفع بہت ہی قلیل ہے۔(5)کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقل سے نہیں نوازا جس کے ذریعے سے تم تمام معاملات کو تولو کہ کون سا معاملہ ہے جو ترجیح دیئے جانے کا مستحق ہے؟ کیا ایسا نہیں کہ یہ دنیا اول سے لے کر آخر تک، آخرت کے ساتھ اس کی کوئی نسبت ہی نہیں؟ اس دنیا میں انسان کی عمر بہت تھوڑی ہے، یہ عمر اتنی نہیں کہ اسی کو مقصد بنا لیا جائے اور اس کے ماوراء کوئی مقصد ہی نہ ہو اور انسان کی کوشش، اس کی جہد اور اس کے ارادے اس انتہائی مختصر زندگی سے آگے نہ بڑھتے ہوں جو تکدر سے لبریز اور خطرات سے بھرپور ہے۔تب کس بنا پر تم نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دے دی جو تمام نعمتوں کی جامع ہے جس میں وہ سب کچھ ہو گا نفس جس کی خواہش کریں گے اور آنکھیں جس سے لذت حاصل کریں گی اور تم اس آخرت میں ہمیشہ رہو گے۔اللہ کی قسم! وہ شخص جس کے دل میں ایمان جاگزیں ہو گیا ہے، جو صاحب رائے رکھتا ہے اور جو عقل مندوں میں شمار ہوتا ہے، کبھی دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔(تفسیر سعدی:1/1040-1041)
سوال7:جہاد فی سبیل اللہ کی پکار پر نہ نکلنے کا کیا سبب ہوتا ہے؟

جواب:اس کا سبب عقیدے کے اندر کمزوری ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:جو شخص مر گیا اور اس نے نہ تو جہاد میں حصہ لیا اور نہ اس کو کبھی خیال گزارا تو ایسا شخص نفاق کے شعبوں میں سے ایک پر مرا۔

سوال8:نفاق انسان کے اندر کیا تبدیلی پیدا کرتا ہے؟

جواب:(1)نفاق انسان کو موت سے ڈراتا ہے حالانکہ موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔(2)نفاق مال ضائع ہونے سے ڈراتا ہے اور جہاد سے روکتا ہے حالانکہ رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔(3)نفاق انسان کو بلندی اور کمال تک پہنچنے سے روکتا ہے۔

﴿ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

"اگر تم نہ نکلو گے تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہارے علاوہ دوسرے لوگوں کو بدل کر لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نقصان نہ کرو گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔" (39)

سوال1:﴿ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ ﴾ "اگر تم نہ نکلو گے تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔"کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ اِلَّا تَنْفِرُوْا ﴾ "اگر تم نہ نکلو گے۔" اللہ رب العزت نے فرمایا:اگر تم نبی ﷺ کی نصرت کے لیے نہیں نکلو گے اسے چھوڑ دو گے اور وہ اکیلا روم کی جنگ کے لیے نکلے گا۔(ایسر التفاسیر:551-552) (2) ﴿ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ ﴾ وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔کیونکہ جہاد کے لیے نہ نکلنا گناہ کبیرہ ہے۔جو دردناک عذاب کا سبب ہے۔جہاد سے جی چرانا پیچھے بیٹھ رہنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔(3)جہاد سے گریز کرنے والا اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لیے مدد نہیں کرتا۔اپنے مسلمان بھائیوں کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد نہیں کرتا جو دین کو مٹانا چاہتے ہیں۔(4)جب کچھ لوگ جہاد سے جی چراتے ہیں تو جہاد کرنے والوں کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سخت وعید سنائی ہے۔(5)ایک دفعہ نبی ﷺ نے ایک قبیلہ کو جہاد کی دعوت دی مگر انہیں زمین سونگھ گئی۔آخر کار اللہ تعالیٰ نے بارش بند کر دی بلبلا اٹھے فرمایا:اگر تم نے جہاد چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ اپنا دین پھیلانے کے لیے اور لوگ پیدا کر دے گا۔

سوال2:جو لوگ جہاد سے پہلو تہی کرتے ہیں وہ ذلت کے عذاب میں کیسے مبتلا کئے جاتے ہیں؟

جواب:(1)وہ بھلائی کے کاموں میں حصہ لینے سے محروم رہتے ہیں پھر یہ کام دشمن کرتے ہیں۔(2)جو قوم جہاد چھوڑتی ہے وہ دشمن کے لیے لقمہ تر بن جاتی ہے،دشمن اسے اپنا غلام بنالیتا ہے اور یہ ذلت کا عذاب ہے۔

سوال3:﴿ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ ﴾ "اور تمہارے علاوہ دوسرے لوگوں کو بدل کر لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نقصان نہ کرو گے۔"کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ﴾ "اور تمہارے علاوہ دوسرے لوگوں کو بدل کر لے آئے گا۔" اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ کو بلند کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔اس لیے اگر تم جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کر دے گا۔یعنی تمہیں تباہ کر کے تمہاری جگہ اور لوگ لے آئے گا۔(2)رب العزت نے فرمایا:﴿ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ ﴾ "اور اگر تم منہ موڑو گے تو وہ تمہارے علاوہ کسی دوسری قوم کو بدل لائے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔" (محمد:38) (3) ﴿ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ ﴾ "اور تم اس کا کچھ بھی نقصان نہ کرو گے۔" اللہ تعالیٰ کے لے برابر ہے تم اس کے احکامات کی فرماں برداری کرو یا نافرمانی،تم اس کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے۔

سوال3: جہاد نہ کرنے والوں کی جگہ کیسا گروہ لایا جائے گا؟

جواب:(1) جو اپنے عقائد پر جما ہوا ہو گا۔(2) جو اللہ کے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے والا ہو گا۔(3) جو قربانیاں دینے والا ہو گا۔

سوال4: ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲۹﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرے اسے کوئی بے بس نہیں کر سکتا، نہ اس پر کوئی غالب آ سکتا ہے۔(1) اس چیز میں مومنوں کے لیے شدید وعید ہے جو ان کے دلوں کو دہلا دینے والی ہے۔(3) اگر تم جہاد سے پہلو تہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے۔(4) اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ اور لوگ لے آنے پر قدرت رکھتا ہے اور اس معاملے میں کوئی اسے روکنے والا نہیں۔(5) وہ تمہارے بغیر دشمن سے انتقام لینے پر قادر ہے۔(6) اللہ تعالیٰ عذاب دینے پر، لوگوں کو بدل دینے پر، اپنے دین کی نصرت پر قادر ہے اور اس میں وعید ہے ان کیلیے جو جہاد سے پیچھے رہتے ہیں اور جو اسکی قدر کو نہیں پہچانتے۔(تفسیر قاسمی:8/215)

﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۴۰﴾

” اگر تم اس (پیغمبر) کی مدد نہ کرو تو یقینا اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کی جب اسے ان لوگوں نے نکال دیا تھا جنہوں نے کفر کیا جب کہ وہ دو میں سے دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا: ”غم نہ کرو! یقینا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔“ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور اس کو ایسے لشکروں کے ساتھ قوت دی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور ان لوگوں کی بات نیچی کر دی جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی بات ہی سب سے اونچی ہے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

سوال نمبر1: ﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ ” اگر تم اس (پیغمبر) کی مدد نہ کرو تو یقینا اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کی جب اسے ان لوگوں نے نکال دیا تھا جنہوں نے کفر کیا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ﴾ اے مسلمانو! اگر تم نبی ﷺ کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ اسکا مددگار اور محافظ ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا۔ اگر تم اس کی یعنی محمد ﷺ کی مدد نہیں کرو گے یعنی اسکے ساتھ تبوک کے لیے نہیں نکلو گے۔(تفسیر قاسمی:8/216)

(2) اگر تم اللہ کے رسول ﷺ کی مدد نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے تو تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس نے قلت زاد اور بے بسی کے حالات میں بھی آپ کی مدد فرمائی۔ ﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ جب کفار نے آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا تھا، جب انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے بھرپور کوشش کی اور وہ اس کی شدید خواہش رکھتے ہیں۔ آخر انہوں نے آپ کو مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔(تفسیر سعدی: 1/1042-1044) (3) ﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ ”جب اسے ان لوگوں نے نکال دیا تھا جنہوں نے کفر کیا۔“ جب کافروں نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکال دیا تھا جب انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ قتل کر دیں یا قید کر دیں یا جلاوطن کر دیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے شدید کوشش کی حتیٰ کہ آپ ﷺ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مکہ سے نکلتے وقت آپ ﷺ نے فرمایا تھا: اے سرزمین مکہ! تو دنیا کی زمینوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اگر یہاں کے رہنے والے مجھے نہ نکالتے تو میں کبھی نہ نکلتا۔

سوال2: اس آیت سے کون سا واقعہ یاد دلایا جا رہا ہے؟

جواب: (1) یہ ہجرت کا واقعہ ہے جہاں انصار اور مہاجرین رضی اللہ عنہم میں سے کوئی نہ تھا۔(2) جب دونوں غار میں تھے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جب پالیے جانے کا دھڑکا تھا۔(3) جب اللہ تعالیٰ نے سکینت نازل کی۔ (4) جب اللہ نے ایسے لشکر نازل کئے جو انہیں نظر نہیں آتے تھے۔(5) اللہ تعالیٰ نے کافروں کا بول نیچا کر دیا۔(6) اللہ تعالیٰ کا بول تو اونچا ہی ہونے والا ہے۔

سوال 3: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ "جب کہ وہ دو میں سے دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا: "غم نہ کرو! یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ "دو میں سے دوسرا۔" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ (2) ﴿اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ "جب وہ دونوں غار میں تھے۔" یعنی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ غار ثور میں پناہ گزین رہے۔ تین دن تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ شدید مشقت میں اس غار میں رہے۔ ارد گرد دشمنوں نے تلاش کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا تاکہ انہیں پکڑ کر قتل کر ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کی ان پر اپنی نصرت نازل فرمائی۔ (3) ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ یعنی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے تھے جب کہ وہ شدید خوف اور غم کا شکار تھے۔(4) ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یعنی اس کی مدد اور نصرت ہمارے ساتھ ہے۔ (5) صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فکر مند ہونا بزدلی کی وجہ سے اور اپنی جان کی وجہ سے نہیں تھا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی حفاظت کا خیال ہو رہا تھا۔ انہوں نے کہا: اگر میں مقتول ہو گیا تو میں آدمی ہوں اور اگر آپ کی ذات مبارک پر حملہ کر دیا تو پوری امت ہلاک ہو جائے گی۔ درمنثور صفحہ 241 جلد 2 میں ہے کہ ابو بکر صدیقؓ غار ثور پر پہنچنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے خیال سے کبھی آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف اور مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچ جائے آپ محفوظ اور صحیح سالم رہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس خیال سے کہ دشمنوں کو نشان ہائے قدم کا پتہ نہ چل جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر اٹھا کر انگلیوں کے بل چلے یہاں تک کہ ان کی انگلیاں چھل گئیں۔ (تفسیر انوار البیان: 2/ 593-594) (6) اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ کے خاص بندے بھی حزن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ حزن دل کو کمزور کر دیتا ہے اور ارادے کمزور کرتا ہے اس لیے اس کیفیت کو دور کرنا چاہیئے۔(7) اس آیت کریمہ سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو امت کے کسی بھی فرد کو حاصل نہیں ہے۔

سوال 4: ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ "تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور اس کو ایسے لشکروں کے ساتھ قوت دی جن کو تم نے نہیں دیکھا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ﴾ "تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی۔" اللہ تعالیٰ نے انہیں سکون، طمانیت اور ثبات عطا فرمایا جس سے ان کا دل مضبوط ہو گیا اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: "غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔" (2) ان کا نفس سکون میں آ گیا اور مطمئن ہو گیا اور ان سے خوف رخصت ہو گیا۔ (ایسر التفاسیر)(3) ﴿وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ "اور اس کو ایسے لشکروں کے ساتھ قوت دی جن کو تم نے نہیں دیکھا۔" اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد ایسے معزز فرشتوں سے کی جو نظر نہیں آتے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ (4) اللہ تعالیٰ نے

فرشتوں کو آپ ﷺ کا محافظ بنا کر آپ کی مدد فرمائی۔(5)اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ سکینت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد اور ایمان کے مطابق عطا کی جاتی ہے۔

سوال5: کس کا دل پر سکون رہتا ہے؟

جواب: جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد سے دل سکون میں آجاتا ہے اور پھر دنیا کا سکون بھی ملتا ہے اور ثبات بھی۔

سوال6: ﴿وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ﴾ "اور ان لوگوں کی بات نیچی کر دی جنہوں نے کفر کیا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَ جَعَلَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔(2) ﴿كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا﴾ کافروں کا کلمہ یعنی شرک کی طرف دعوت۔ (3) ﴿السُّفْلٰى ؕ﴾ مغلوب، کہ اس کی آواز سنائی نہیں دیتی۔(ایسر التفاسیر:551) (4) اللہ تعالیٰ نے کافروں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ کافر سمجھتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قید کر سکتے ہیں، جلاوطن کر سکتے ہیں، قتل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے کوشش کی لیکن اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے اسی لیے سخت غصے میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد کر کے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ آپ ﷺ کے دشمنوں کو آپ ﷺ سے دور رکھا اور آپ ﷺ کا دفاع کیا۔

سوال7: ﴿وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ "اور اللہ تعالیٰ کی بات ہی سب سے اونچی ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ یعنی لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰه۔ وہی بلند ہے یعنی دعوت توحید ہی بلند اور غالب ہے۔(ایسر التفاسیر:552) (2) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص شجاعت کے لیے لڑتا ہے، کوئی حمیت کے لیے اور کوئی ریا کے لیے ان میں سے کون سا فی سبیل اللہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کے کلمے کی بلندی کے لیے لڑتا ہے وہی فی سبیل اللہ ہے۔(صحیح بخاری، صحیح مسلم) (3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾ اور بے شک ہمارا لشکر ہی یقیناً غالب آنے والا ہے۔(الصٰفٰت:173) (4) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝﴾ یقیناً ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بھی اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔(غافر:51) (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول اُن کی قوم کی طرف بھیجے تھے پھر وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لائے تھے تو ہم نے ان سے انتقام لیا جنہوں نے جرم کیا اور مؤمنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے۔(الروم:47) (6) اللہ تعالیٰ کا دین واضح دلائل، حیرت انگیز آیات اور تائید کرنے والے براہین سے تمام ادیان پر غالب ہے۔(تفسیر سعدی:1/10443)

سوال8: ﴿وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ "اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔(2) ﴿حَكِيْمٌ ۝﴾ اللہ تعالیٰ کمال حکمت والا ہے۔ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ کے مطابق مومنوں کی مدد کرتا ہے اور کبھی مؤخر کر دیتا ہے۔

﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱ ﴾

"اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلو ہلکے ہو یا بوجھل اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔" (41)

سوال 1: ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا ﴾ "اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلو ہلکے ہو یا بوجھل۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا ﴾ "اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلو ہلکے ہو یا بوجھل۔" اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو جہاد کی ترغیب دی ہے کہ ہلکے ہو یا بوجھل، فراخی ہو یا تنگی، سردی ہو یا گرمی، طبیعت خوش گوار ہو یا بوجھل، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلو۔ (2) ﴿ خِفَافًا ﴾ خفاف: خفیف کی جمع ہے اور وہ جوانی ہے جب انسان کا بدن قوی ہوتا ہے اس طرح جس کے پاس سواری ہو۔ ثقال، ثقیل کی جمع ہے اور وہ بوڑھا، مریض اور فقیر ہے جس کے پاس مال نہ ہو۔ (ایسر التفاسیر: 552) (3) یعنی خوش دلی کے ساتھ یا بوجھل دل کے ساتھ، مالی مشکلات کے ساتھ یا آسانیوں کے ساتھ، موافق حالات کے ساتھ یا غیر موافق حالات کے ساتھ اور اس سے مراد یہ بھی ہے کہ حجتیں نہ کرو جانی اور مالی قربانیاں دو۔ (4) حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تنگی اور آسانی میں نکلو۔ (ابن ابی حاتم: 6/ 1803) (6) جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوشی اور کراہت ہر حال میں سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی۔ (صحیح بخاری، کتاب الاحکام)

سوال 2: ﴿ وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ﴾ "اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لیے اپنی پوری قوتیں صرف کر دیں اور اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں۔ (2) یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ جیسے جان کے ساتھ جہاد فرض ہے اسی طرح ضرورت کے موقع پر مال کے ساتھ بھی جہاد فرض ہے۔ (3) سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ، جماعت، سمع واطاعت اور ہجرت۔ (ابن ابی حاتم: 6/ 1804)

سوال 3: ﴿ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱ ﴾ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ یعنی جہاد کرنا۔ (2) ﴿ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱ ﴾ تمہارے لیے گھر بیٹھنے کی نسبت بہتر ہے۔ (3) ﴿ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱ ﴾ اگر تم جانتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت، اس کے راستے میں جہاد، اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول تمہارے حق میں اچھا ہے کیونکہ یہ درجات کی بلندی کا راستہ ہے۔ (4) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۱۰ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۲ ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا میں ایک ایسی تجارت کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟ (5) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو، اگر تم جانتے ہو تو تمہارے لیے یہ بہت بہتر ہے۔ (6) وہ تمہارے گناہ معاف

کر دے گا اور تمہیں باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور ابدی جنت کے پاکیزہ گھروں میں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔(الصف10-12) (5) ﴿ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ چنانچہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ لڑیں جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی بیچ دیتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑے پھر قتل کیا جائے یا غالب آجائے تو جلد ہی ہم اسے اجر عظیم عطا کریں گے۔(النساء:74) (6) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابو سعید! جو شخص اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو گیا اس پر جنت واجب ہو گئی۔ سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ کو اس بات پر تعجب ہوا تو عرض کیا یا رسول للہ دوبارہ ارشاد فرمائیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرمایا: اور مزید فرمایا کہ ایک عمل اور ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے جنت میں آدمی کے سو درجے بلند ہو سکیں گے ان میں سے ایک درجہ کا دوسرے سے اتنا فاصلہ ہو گا جتنا زمین و آسمان کے درمیان ہے سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون سا عمل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ جہاد فی سبیل اللہ۔(صحیح مسلم، کتاب الجهاد) (7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی (مسلسل) روزے رکھے (مسلسل) قیام کرے ہر وقت اللہ سے ڈرے (مسلسل) حالت رکوع میں رہے (مسلسل) سجدے میں پڑا رہے۔(سنن نسائی:3126) (8) سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد کرو بیشک جہاد فی سبیل اللہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ غم سے نجات دیتا ہے۔'' (مسند احمد) (9) جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت تک یہ دین قائم رہے گا کیونکہ مسلمانوں کی ایک جماعت (ہر زمانے میں غلبہ دین کے لیے) جہاد کرتی رہے گی۔'' (صحیح مسلم :4953) (10) سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اسی حکم کی بجاآوری کے لیے شام چلے گئے اور آخری دم تک عیسائیوں سے جہاد کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں آخر جان دے دی۔

﴿ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾

''اگر جلدی ملنے والا مال اور درمیانہ سفر ہوتا تو وہ ضرور آپ کے پیچھے جاتے لیکن مسافت انہیں دور معلوم ہوئی اور عنقریب وہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم استطاعت رکھتے تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ وہ اپنی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ لوگ بلاشبہ ضرور جھوٹے ہیں۔'' (42)

سوال 1: ﴿ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ ﴾ ''اگر جلدی ملنے والا مال اور درمیانہ سفر ہوتا تو وہ ضرور آپ کے پیچھے جاتے۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا ﴾ ''اگر جلدی ملنے والا مال'' آسانی سے حاصل ہونے والا نفع۔(تفسیر قاسمی: 8/ 221) (2) غنیمت جو قریب کی جگہ سے مل جائے دور نہ ہو۔(ایسر التفاسیر :552) (3) ﴿ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا ﴾ اگر ان کا گھروں سے نکلنا آسان ہوتا یعنی دنیا کا مال و متاع، نفع، مال غنیمت آسانی سے ہاتھ آتا۔(4) ﴿ وَّسَفَرًا قَاصِدًا ﴾ سفر ہلکا قریب اور آسان ہوتا یعنی معتدل ہوتا جس میں مشقت نہ ہو۔(5) ﴿ لَّاتَّبَعُوْكَ ﴾ تو زیادہ مشقت نہ ہونے اور آسانی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے۔

سوال2:﴿ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ ﴾ لیکن مسافت انہیں دور معلوم ہوئی۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) تبوک کی مسافت طویل تھی، سفر پر مشقت تھا اس لیے کچھ لوگ جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہے۔(2) انہوں نے جھوٹے عذر کیے تو انہیں ڈانٹا گیا کہ اگر قریب کا علاقہ ہوتا تو مال غنیمت سے حصہ لینے کے لیے یہ بھاگ کر آپ ﷺ کے ساتھ جاتے لیکن تم مشقت سے گھبرا گئے۔

سوال3: منافق کس طرح کے حالات میں ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے؟

جواب:(1) منافق آسانی سے ہاتھ آنے والے فائدے کی وجہ سے ساتھ دیتا ہے۔(2) منافق کو اگر تھوڑے کام سے بڑا فائدہ حمل رہا ہو تو فوراً سفر کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

سوال4: عذر پیش کرنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب:(1) اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے اپنی زندگی میں دین کو سب سے اونچا مقام نہیں دیا۔(2) اس کا مطلب یہ ہے کہ مقصد کے مقابلے میں کوئی اور چیز انسان کے لیے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

سوال5:﴿ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ ﴾ "اور عنقریب وہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم استطاعت رکھتے تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ وہ قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہماری استطاعت ہوتی تو ساتھ جاتے۔(2) وہ جہاد کے لیے نہ نکلے اور پیچھے رہ جانے پر اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے قسمیں کھائیں گے کہ وہ معذور تھے اور جہاد کے لیے نہیں نکل سکتے تھے۔(3) یہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے منافقوں کے بارے میں خبر دی ہے۔(تفسیر ثعالبی:183) (4) رب العزت نے فرمایا:﴿ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ جب تم ان کی طرف واپس آؤ گے تو وہ تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے، آپ کہہ دیں کہ عذر نہ کرو! ہم تم پر ہرگز یقین نہیں کریں گے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری کچھ خبریں بتا دی ہیں اور عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہارا عمل دیکھیں گے پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے تو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔(التوبہ:94) (5) رب العزت نے فرمایا:﴿ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ وہ تمہارے لیے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، سو تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو یقیناً اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔(التوبہ:96)

سوال6:﴿ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ "وہ اپنی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ لوگ بلاشبہ ضرور جھوٹے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) وہ جھوٹ اور نفاق سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔(قرطبی:4/ 68) (2) یعنی جہاد سے جی چرانے اور پھر جھوٹی قسمیں کھا کر خود کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: جھوٹی قسم تو علاقوں کو ویران کر دیتی ہے۔(سلسلہ الصحیحہ:978) (3) ﴿ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ "اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ لوگ بلاشبہ ضرور جھوٹے ہیں۔" اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ نکلنے کی استطاعت رکھتے ہیں اور جھوٹ بول کر عذر کرتے ہیں۔(4) یہ ان منافقوں کے لے عتاب ہے جو غزوہ

تبوک میں نبی ﷺ سے پیچھے رہ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان منافقوں کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ وہ جانتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں، آپ ﷺ کو منافقوں کا عذر قبول کرنے پر تنبیہ کی گئی۔

## رکوع نمبر 13

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۴۳﴾

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف فرمادیا، آپ نے کیوں اُنہیں اجازت دے دی، یہاں تک کہ آپ کے لیے وہ لوگ صاف ظاہر ہو جاتے جنہوں نے سچ کہا اور جھوٹوں کو بھی آپ جان لیتے۔" (43)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن جریر طبری سے روایت ہے کہ دو باتیں رسول اکرم ﷺ نے ایسی کیں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت تک کوئی صاف حکم نہیں دیا گیا تھا ایک منافقین کو عدم شرکت کی اجازت دے دی اور دوسری غزوہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے لیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف تو فرمادیا لیکن حیرت سے دریافت کیا کہ آپ نے ان کو اجازت کیوں دی تھی۔ (تفسیر ابن عباس: 519/1)

سوال 2: ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ "اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف فرمادیا، آپ نے کیوں اُنہیں اجازت دے دی۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) تبوک سے واپسی کے سفر میں نبی ﷺ صبح کے وقت تشریف لائے اور آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کرتے، پھر لوگوں کے سامنے بیٹھ جاتے (اس سفر سے واپسی پر بھی) جب آپ نے ایسا کیا تو منافقین نے آکر عذر پیش کرنے اور حلف اٹھانے شروع کر دیئے اور یہ کچھ اوپر 80 آدمی تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے ظاہری عذر کو قبول کر لیا، ان سے بیعت لی اور ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی اور ان کی باطنی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ (صحیح بخاری: 4417) (2) ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ﴾ "اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف فرمادیا۔" اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے درگزر کیا، آپ ﷺ کا مواخذہ نہیں کیا، آپ ﷺ سے جو کچھ ہوا اسے بخش دیا۔ (3) ﴿لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ آپ ﷺ نے انہیں جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دے دی؟ (4) سورۃ نور میں آپ ﷺ کو اجازت کا حق بھی مل گیا۔ فرمایا: ﴿فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ﴾ چنانچہ جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت مانگیں تو ان میں سے جسے آپ چاہیں اجازت دے دیں۔ (النور: 62)

سوال 3: ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۴۳﴾ "یہاں تک کہ آپ کے لیے وہ لوگ صاف ظاہر ہو جاتے جنہوں نے سچ کہا اور جھوٹوں کو بھی آپ جان لیتے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی جب ان کو آپ ﷺ آزماتے تو آپ ﷺ پر ظاہر ہو جاتا کہ سچے لوگ کون ہیں اور جھوٹے کون! تب آپ ﷺ ان لوگوں کو عذر قبول کر لیتے جو اس کے مستحق تھے اور اس کا عذر قبول نہ کرتے جو مستحق نہیں تھے۔ (2) نبی ﷺ پر عتاب کی علت ہے کہ آپ ﷺ نے تبوک پر نکلنے کی بجائے پیچھے رہنے کی اجازت دے دی۔ (ایسر التفاسیر: 553)

سوال 4: عذر کیا ہے؟

جواب: اپنی بے عملی کو جہالت میں چھپانے کی کوشش کرنا عذر ہے۔
سوال 5: رسول اللہ ﷺ نے منافقوں کے عذر کو کیوں قبول کر لیا تھا؟
جواب: (1) آپ ﷺ نے اس لیے عذر قبول کر لیے تھے کہ سچے اور جھوٹے عذروں کی تحقیقات کا موقع نہیں تھا۔ (2) اس بات کا امکان تھا کہ لوگ عذر پر پیچھے رہ جائیں اور اس طرح لوگوں کے سامنے ان کی حقیقت کھل جائے۔
﴿ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۴۴ ﴾
"جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اجازت نہیں مانگتے اس سے کہ وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کریں اور اللہ تعالیٰ متقیوں کو خوب جاننے والا ہے۔" (44)
سوال 1: ﴿ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ ﴾ "جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اجازت نہیں مانگتے اس سے کہ وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کریں۔" کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿ لَا يَسْتَاْذِنُكَ ﴾ آپ ﷺ سے جہاد سے پیچھے رہنے کے لیے اجازت طلب نہیں کریں گے۔ (2) ﴿ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنی جانوں اور مالوں کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھتے ہیں اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ (3) ﴿ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ ﴾ "کہ وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کریں۔" اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کرنے کو جنت کا راستہ اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵ ﴾ "یقیناً مومن وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے ہیں پھر اُنہوں نے کوئی شک نہیں کیا اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں۔" (الحجرات:15) (4) ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝۱۷۳ ﴾ جن سے لوگوں نے کہا کہ یقیناً دشمن لوگ تمہارے خلاف لشکر جمع کر چکے ہیں لہٰذا تم اُن سے ڈر جاؤ، چنانچہ اس نے ان کو ایمان میں اور زیادہ کر دیا، اور انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ (آل عمران:173) (5) سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے میرے ساتھیوں نے رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا کہ میں آپ سے ان کے لیے سواری کے جانوروں کی درخواست کروں۔ وہ لوگ آپ کے ساتھ جیش عسرت یعنی غزوہ تبوک میں شریک ہونا چاہتے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے میرے ساتھیوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ ان کے لیے سواری کے جانوروں کا انتظام کرا دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں تم کو سواری کے جانور نہیں دے سکتا۔ میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپ غصہ میں تھے اور میں اسے معلوم نہ کر سکا تھا، آپ ﷺ کے انکار سے میں بہت غمگین واپس ہوا، یہ خوف بھی تھا کہیں آپ سواری مانگنے کی وجہ سے خفا نہ ہو گئے ہوں میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور انہیں نبی ﷺ کے ارشاد کی خبر دی، لیکن ابھی کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ میں نے

بلال رضی اللہ عنہ کی آواز سنی، وہ پکار رہے تھے اے عبد اللہ بن قیس! میں نے جواب دیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بلا رہے ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: یہ دو جوڑے اور یہ دو جوڑے اونٹ کے لے جاؤ۔ آپ نے چھے اونٹ عنایت فرمائے۔ ان اونٹوں کو آپ نے اسی وقت سعد رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا اور فرمایا کہ انہیں اپنے ساتھیوں کو دے دو اور انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ یا آپ نے فرمایا: رسول اللہ نے تمہاری سواری کے لیے انہیں دیا ہے، ان پر سوار ہو جاؤ، میں ان اونٹوں کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے گیا اور ان سے میں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری سواری کے لیے یہ عنائیت فرمائے ہیں لیکن اللہ کی قسم! کہ تمہیں اب ان صحابہ کے پاس چلنا پڑے گا جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار فرمانا سنا تھا، کہیں تم یہ خیال نہ کر بیٹھو کہ میں نے تم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے متعلق کوئی غلط بات کہہ دی تھی انہوں نے کہا کہ تمہاری سچائی میں ہمیں کوئی شبہ نہیں لیکن اگر آپ کا اصرار ہے تو ہم ایسا بھی کر لیں گے ابو موسیٰ ان میں سے چند لوگوں کو لے کر ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آئے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد سنا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو دینے سے انکار کیا لیکن پھر عنایت فرمایا: ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اس طرح حدیث بیان کی جس طرح ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کی تھی۔ (صحیح بخاری:4415) (6) ابن اسحاق نے کہا کچھ مسلمان رسول اللہ کی خدمت میں آئے یہ رونے والے تھے یعنی بنو عامر بنو عوف میں سے سات آدمی تھے، سالم بن عمیر، علبہ بن زید اخو بن حارثہ، ابو لیلی عبد الرحمن بن کعب، اخو بن مازن ابن نجار، عمر بن حمام بن جموع اخو بن سلمہ۔ عبد اللہ بن مغفل مزنی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ عبد اللہ بن عمرو مزنی تھے اور عرباض بن ساریہ فزاری وغیرہ۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کی درخواست کی اور یہ سب اہل حاجت تھے۔ آپ نے فرمایا: میں سواری نہیں پاتا جو تمہیں دے دوں۔ بس یہ لوگ واپس لوٹ گئے اور انکی آنکھوں سے غم میں آنسو بہہ رہے تھے کہ ان کے پاس اتنا کیوں نہ ہوا کہ وہ بھی اس موقع پر خرچ کر سکتے۔ ابن اسحاق نے کہا پھر مجھے یہ روایت ملی ہے کہ یامین ابن عمیر بن کعب نضری ابو یسلی عبد الرحمن بن کعب سے اور عبد اللہ بن مغفل سے ملے تو وہ دونوں رو رہے تھے۔ یامین نے دریافت کیا آپ دونوں کیوں رو رہے ہیں جواب ملا: ہم رسول اللہ کے پاس گئے تھے کہ ہمارے لئے سواری کا انتظام کر دیا جائے مگر ہم نے ان کے پاس ایسی سواری نہیں پائی جو دے دیتے اور ہمارے پاس اتنا ہے نہیں جس سے ہم بطور خود انتظام کر کے رسول اللہ کے ساتھ جا سکیں یامین نے انہیں اپنی ایک پانی لانے والی اونٹنی دے دی چنانچہ یہ دونوں اس پر بیٹھ کر روانہ ہوئے نیز یامین نے انکے زادراہ کیلیے کچھ کھجوروں کا انتظام کر دیا۔ بہر حال یہ دونوں رسول اللہ کے ساتھ نکلے۔ (سیرت ابن ہشام:2/623)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے سچے مومن کی کون سی خصوصیات بتائی ہیں جن سے اسے پہچانا جا سکتا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنا۔ (2) اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرنا۔

سوال 3: ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۴۴﴾ ”اور اللہ تعالیٰ متقیوں کو خوب جاننے والا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) متقی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ڈر کر اس کے نواہی سے رکتا ہے اور اس سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرتا ہے۔ (2) غزوہ تبوک کے موقع پر متقی وہ تھے جنہوں نے پیچھے رہنے کی اجازت نہیں مانگی۔ (3) متقیوں کے بارے میں یہ علامت اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے کہ وہ پیچھے رہنے کی اجازت نہیں مانگتے۔

﴿اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝۴۵﴾

”آپ سے اجازت وہی مانگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اوران کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں چنانچہ وہ اپنے شک میں تردد کررہے ہیں۔“ (45)

سوال 1:﴿ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ”آپ سے اجازت وہی مانگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) آپ ﷺ سے اجازت تو وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اورآخرت کے دن پر یقین نہیں رکھتے۔(2) وہ جن کے دل شک میں مبتلاہیں وہ کامل ایمان نہیں رکھتے،وہ قلب کا سچایقین نہیں رکھتے اس لیے ان میں بھلائی اور نیکی کی رغبت بہت کم ہے۔(3) وہ اللہ تعالیٰ اورآخرت کے دن پر سچایقین نہ رکھنے کی وجہ سے بزدلی دکھاتے ہیں۔(4) وہ جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت اس لیے مانگتے ہیں کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ اوریوم آخرت کے بارے میں شک میں مبتلاہیں۔

سوال 2:﴿ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ ﴾ ”اوران کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں چنانچہ وہ اپنے شک میں تردد کررہے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾ ”اوران کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں۔“یعنی انہیں دین حق میں سے جس چیز کی طرف دعوت دی جاتی ہے وہ اس کی صحت کے بارے میں شک میں مبتلاہوتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:553-553) (2) ﴿ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ ﴾ ”چنانچہ وہ اپنے شک میں تردد کررہے ہیں۔“ یہ ان کا شک ہے جو دلوں میں رچ بس گیااب وہ حیران ہیں۔(3) تردد تحیر کو کہتے ہیں۔(فتح القدیر:2/459) (4) وہ اپنے شک میں جاتے ہیں اور لوٹ آتے ہیں۔(قرطبی:4/69) (5) سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں نکلے جس میں لوگوں کو بہت تکلیف پہنچی تو عبداللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہاان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول ﷺ کے ساتھ ہیں یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ سے جدااور دور ہو جائیں۔(زہیر نے کہایہ قراءت اس کی قراءت ہے جس نے حَوْلِہ پڑھاہے)اور عبداللہ بن ابی نے یہ بھی کہااگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے تو عزت والے مدینہ سے ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے۔پھر میں رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوااور آپ کو اس بات کی خبر دی پھر آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا پھر اس سے پوچھاتو اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے ایسا نہیں کہااور کہنے لگا کہ انہوں نے رسول ﷺ سے جھوٹ کہاہے۔کہتے ہیں کہ ان کی یہ بات سے مجھے بہت رنج اور دکھ ہوا۔ یہاں تک کہ اللہ نے میری تصدیق کے لیے یہ آیت نازل کی۔﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ﴾ کہ جب آپ کے پاس منافقین آئیں پھر رسول ﷺ نے انہیں بلوایا تاکہ ان کے لیے مغفرت طلب کریں لیکن انہوں نے اپنے سروں کو موڑ لیایعنی وہ نہ آئے اور پھر اللہ کا قول﴿ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ﴾ گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں دیوار پر لگی ہوئی انہیں کے بارے میں نازل ہوا حضرت زید نے کہایہ لوگ بظاہر بہت اچھے ہیں اور خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔(صحیح مسلم:7024) (6) رب العزت نے فرمایا:﴿ وَ اِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ ﴾ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کرو تو ان میں سے جو قدرت والے ہیں وہ تم سے رخصت مانگتے ہیں۔اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے کہ ہم پیچھے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہیں گے۔(سورہ التوبہ:86) (7) ﴿ وَ جَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ اور بدوی عربوں میں سے بہانے کرنے والے آئے تاکہ انہیں رخصت دی جائے۔اور بیٹھے رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا۔ان میں سے جن لوگوں نے انکار کیا ہے،عنقریب اُن کو ایک دردناک عذاب پکڑے گا۔(سورہ التوبہ:90) (8) ﴿ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾ ﴾ ”یقیناالزام تو ان لوگوں پر ہے جو تم سے مالدار ہونے کے باوجود اجازت مانگتے ہیں۔انہوں نے اس بات کو پسند کیا کہ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں۔اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔پھر وہ کچھ نہیں جانتے۔“ (سورۃ التوبہ:93)﴿ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِى الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو۔کہہ دو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔کاش وہ سمجھتے ہوتے!پھر چاہیے کہ یہ ہنسیں بہت کم اور روئیں بہت زیادہ اس کے بدلے میں جو وہ کماتے تھے۔(سورۃ التوبہ:81-82) (9)ابن اسحاق نے کہا:عبد اللہ بن ابی نے اپنا لشکر الگ رسول اللہ ﷺ سے نیچے ذباب پہاڑ کی طرف ٹھہرایا اور جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لشکر دوسرے لشکر سے کم نہ تھا۔پھر جب رسول اللہ ﷺ کا لشکر روانہ ہو گیا تو عبد اللہ بن ابی ان منافقین اور اہل ریب کو لے کر جو اس کے ساتھ ہو سکے پیچھے لوٹ آیا۔

سوال3:اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلتے ہوئے تردّد میں کونسا شخص مبتلا ہوتا ہے؟

جواب:تردد میں وہی مبتلا ہوتا ہے جو یقین سے محروم ہو جو جانتا ہو کہ رسول برحق ہیں مگر ذاتی کمزوریوں کی وجہ سے مشکلات سے گھبرا جاتا ہے۔

سوال4:اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی کیا خصوصیات بتائی ہیں؟

جواب:(1)منافقوں کے دل ایمان کی دولت سے خالی ہوتے ہیں۔(2)وہ شک کے مریض ہوتے ہیں۔

سوال5:شک کیسے دور ہوتا ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عظمت کے دلائل سے۔(2)یوم آخرت کے دلائل سے۔(3)کثرت سے موت کی یاد سے۔(4)تلاوت قرآن مجید کرنے سے۔(5)کثرت سے موت کی یاد دنیا کی محبت کو نکالتی ہے جو دلوں کو زنگ لگاتی ہے۔

﴿ وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ ﴾

”اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لیے ضرور کچھ سامان تیار کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا اُٹھنا ہی ناپسند کیا تو اُس نے اُنہیں روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔“ (46)

سوال1:﴿ وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً ﴾ ”اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لیے ضرور کچھ سامان تیار کرتے۔“کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ ﴾ ”اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ رکھتے۔“ وہ لوگ جو جہاد سے جی چراتے ہیں وہ نکلنے کا ارادہ ہی نہیں کرتے۔(2)اگر وہ ارادہ کرتے تو تمام اسباب استعمال کرتے یعنی تیاری کرتے۔(3) ﴿ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً ﴾ ”تو اس کے لیے ضرور کچھ سامان تیار کرتے۔“یعنی اگر جہاد کے لیے جانا چاہتے تو ضرور تیاری کرتے۔(4)ان کے تیاری نہ کرنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان کا نکلنے کا ارادہ ہی نہیں تھا۔

سوال2:وہ کون لوگ تھے جن کے بارے میں کہا گیا کہ اگر ارادہ ہوتا تو تیاری کرتے؟
جواب:یہ عبداللہ بن ابی اور جد بن قیس وغیرہ اپنے قبیلوں کے معتبر، بااثر اور مال دار لوگ تھے۔
سوال3:﴿وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ﴾ ”لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا اٹھنا ہی ناپسند کیا۔“ کی وضاحت کریں؟
جواب:اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی فیصلے میں ان کا آپ ﷺ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پسند نہیں فرمایا۔
سوال4:اللہ تعالیٰ کو ان کا اٹھنا کیوں نہیں پسند تھا؟
جواب:(1)اللہ تعالیٰ کو ان کے مزاج اور نفاق کا علم تھا۔(2)اللہ تعالیٰ کو ان کے اندر مسلمانوں کے خلاف بُغض وعداوت کا پتہ تھا۔
سوال5:﴿فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ ”تو اس نے انہیں روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔“ کی وضاحت کریں؟
جواب:(1)﴿فَثَبَّطَهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قضاء وقدر سے انہیں جہاد کے لیے نکلنے سے روک دیا۔(2)اللہ تعالیٰ نے جہاد کی ترغیب بھی دی اختیار بھی دیا مگر اپنی حکمت سے ان کو جہاد کے لیے نکلنے سے روک دیا اور ان کی مدد نہیں کی۔(3)﴿وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ انہیں کہا گیا کہ آپ بھی منہ چھپا کر بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔(4) ”اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔“ بیٹھنے والوں سے مراد عورتیں، بچے اور معذور افراد ہیں۔(5)رب العزت نے فرمایا:﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں۔(التوبہ:87) (6)امام محمد بن اسحاق فرماتے ہے کہ اجازت طلب کرنے والوں میں عبداللہ بن ابی بن سلول اور جد بن قیس بھی تھا اور یہی بڑے بڑے رؤسا اور ذی اثر منافق تھے اللہ نے انہیں دور کر دیا اور اگر یہ ساتھ ہوتے تو ان کے ساتھ بات مان لینے والے وقت پر ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کے نقصان کا باعث بن جاتے۔ محمدی لشکر میں ابتری پھیل جاتی کیوں کہ یہ لوگ وجاہت والے تھے اور کچھ مسلمان ان کے حال سے ناواقف تھے ان کے ظاہری اسلام اور ان کے چرب کلامی پر مفتوں تھے۔ اور اب تک ان کے دلوں میں ان کی محبت تھی۔(جامع البیان:16697) (8)حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ جہاد کو ترک کرنا کبیرہ گناہ ہے۔(9)رب العزت کا فرمان ہے:﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾ پیچھے چھوڑ دیے گئے لوگ، اللہ تعالیٰ کے رسول کے پیچھے اپنے بیٹھنے کی وجہ سے خوش ہو گئے اور انہوں نے ناپسند کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کریں اور انہوں نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو۔ آپ کہہ دیں کہ جہنم کی آگ گرمی میں اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ کاش وہ سمجھتے ہوتے! پس لازم ہے کہ وہ ہنسیں بہت کم اور روئیں بہت زیادہ اس کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے ہیں۔(التوبہ 81-82) (9)ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول ﷺ کے زمانہ میں چند منافقین ایسے تھے کہ جب نبی اکرم ﷺ جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ مدینہ میں پیچھے رہ جانے پر بہت خوش ہوا کرتے تھے لیکن جب نبی ﷺ واپس آتے تو عذر بیان کر لیتے بلکہ ان کو ایسے کام پر تعریف ہونا پسند آتا جس کو انہوں نے نہ کیا ہوتا اور بعد میں چکنی چپڑی باتوں سے اپنی بات بنانا چاہتے اللہ تعالیٰ نے اسی پر یہ آیت ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ﴾ آخر تک اتاری۔(صحیح بخاری:4567)

سوال6:اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو کیسے بٹھادیا؟
جواب:اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی ہمت ختم کردی۔
سوال7:منافقوں کے بیٹھنے میں مسلمانوں کی کیا بھلائی تھی؟
جواب:(1)منافق اگر نکلتے تو مسلمانوں کی خرابی میں اضافہ کرتے۔(2)منافقوں کے بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے بھلائی ممکن بنادی۔
﴿ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاْ اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾
"اگر وہ لوگ تمہارے ساتھ نکلتے تو بھی تم میں خرابی کے سوا کسی شے کا اضافہ نہ کرتے اور وہ تمہارے درمیان ضرور (گھوڑے) دوڑاتے تم میں فتنہ تلاش کرتے ہوئے، اور تم میں ان کے لئے کان لگا کر سننے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔" (47)
سوال1:﴿ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا ﴾ "اگر وہ لوگ تمہارے ساتھ نکلتے تو بھی تم میں خرابی کے سوا کسی شے کا اضافہ نہ کرتے۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:(1) ﴿ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ ﴾ اگر منافق تمہارے ساتھ نکلتے۔(2) ﴿ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا ﴾ "تو بھی تم میں خرابی کے سوا کسی شے کا اضافہ نہ کرتے۔" خبال عقل کا مرض ہے جیسے جنون، اسی سے رائے میں فساد اور عمل میں اضطراب پیدا ہوتا ہے۔
(3)منافقوں کے پیچھے رہنے پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تسلی دی ہے۔
سوال2:منافق مسلمانوں کے لیے خرابی میں کیسے اضافہ کرتے ہیں؟
جواب:(1) منافق خود پست اور بے ہمت ہوتے ہیں تمام لوگوں میں کم ہمتی اور بزدلی کے جراثیم پیدا کردیتے ہیں۔ (2) منافق خود خیانت کار ہوتے ہیں اور پورے معاشرے کو خیانت کار بنادیتے ہیں۔(3)اگر منافق نکلتے تو بے چینی، بددلی اور انتشار پیدا کرتے۔
سوال3:﴿ وَّ لَاْ اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ ﴾ "اور وہ تمہارے درمیان ضرور (گھوڑے) دوڑاتے تم میں فتنہ تلاش کرتے ہوئے۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:(1)منافق تمہارے درمیان فتنہ وفساد پیدا کرتے۔(2)فتنہ دین میں تشکیک اور دشمنوں سے ڈراتا ہے۔(تفسیر منیر:5/589)
(3)یعنی تمہارے درمیان فتنہ برپا کرنے اور عداوت پیدا کرنے کے بہت حریص ہیں۔(تفسیر سعدی:1/1047)
سوال4:﴿ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ ﴾ "اور تم میں ان کے لئے کان لگا کر سننے والے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:(1) ﴿ وَ فِيْكُمْ ﴾ اور مومنوں میں کمزور عقل کے لوگ موجود ہیں۔(2) ﴿ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ ﴾ "کان لگا کر سننے والے ہیں۔" جو منافقوں کے لیے جاسوسی کرتے ہیں۔وہ منافقوں کے جال میں پھنس کر تمہارے درمیان فتنہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔(3)تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو ان کی باتیں سنتے ہیں۔اگر منافق جہاد کے لیے نکلتے تو ایسی صورت حال میں کتنا بڑا نقصان ہوتا۔(4)اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انہیں جہاد کے لیے نکلنے سے روک دیا تاکہ وہ فائدے کی بجائے نقصان نہ پہنچائیں۔
سوال5:مسلمانوں میں کافروں کی باتیں کان لگا کر سننے والے کون تھے؟

جواب: یہ وہ لوگ تھے جن کے ان پرانے منافق لیڈروں کے ساتھ تعلقات تھے۔ وہ لوگ ان کی باتوں پر کان دھرتے تھے۔
سوال 6: ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ "اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔" کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) اللہ تعالیٰ ظالموں کے حالات کا ظاہری اور باطنی علم رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کیا ہو گا اور کیا نہ ہو گا۔ (تفسیر منیر: 5/ 590)
(2) اللہ تعالیٰ ظالموں سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ان کے فسادات سے آگاہ کرتا ہے تاکہ مسلمان بچ جائیں۔ (3) ابن اسحاق نے کہا: منافقین کے ایک گروہ میں ودیعہ بن ثابت اخو بن عمرو بن عوف بنو اشجع کا ایک آدمی بنو سلمہ کا حلیف تھا اور اس کا نام مخشن بن حمیر یا بقول ابن ہشام مخشی بن حمیر تھا بھی شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ تبوک تشریف لیے جا رہے تھے تو وہ منافقین آپ کی طرف اشارہ کرتے اور ایک دوسرے سے کہتے جاتے تھے کیا تم خیال کرتے ہو کہ بنو الاصفر سے جنگ عربوں کی باہمی جنگ کی طرح ہو گی؟ خدا کی قسم! کل ہم سب کو رسیوں میں اکٹھے باندھ کر ڈال دیا جائے گا یہ گروہ اس قسم کی باتیں مسلمانوں میں کمزوری اور خوف پیدا کرنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ اس پر مخشن بن حمیر نے کہا: خدا کی قسم! میں اس پر مصالحت اختیار کر لینا پسند کرتا ہوں، کہ ہم میں سے ہر شخص کو ایک ایک سو درے مارے جائیں، اور کسی طرح تمہاری اس بات سے بچ جائیں کہ تمہاری اس قسم کی بات چیت کے متعلق ہم لوگوں کے بارے میں وحی نازل ہو جائے۔ جیسا کہ مجھے معلوم ہوا، رسول اللہ ﷺ نے عمار بن یاسر سے کہا: ان لوگوں سے جا کر ملو یہ لوگ تو قطعی طور پر ہلاک ہو گئے، یہ جو باتیں کر رہے ہیں ان کے متعلق پوچھو اگر یہ ان باتوں کا انکار کریں تو ان سے کہو یہ غلط کہتے ہو۔ تم نے یہ یہ باتیں کی ہیں، چنانچہ سیدنا عمار بن یاسر ان کے پاس گئے اور ان سے یہی سب کچھ کہا پھر تو منافقین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں معذرتیں پیش کرتے ہوئے حاضر ہوئے رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی کے پاس تشریف فرما تھے ودیعہ بن ثابت نے اونٹنی کی رسی جو اونٹنی کے پیٹ پر باندھی جاتی ہے پکڑتے ہوئے کہا: یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگ صرف ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے پس اللہ نے یہ نازل فرمائی: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ﴾ اور اگر ان سے دریافت کرو گے تو کہیں گے ہم صرف نکتہ چینی کر کے ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے۔ (سیرت ابن ہشام: 630)

﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝﴾
"بلاشبہ یقیناً اس سے پہلے بھی انہوں نے فتنے میں ڈالنا چاہا اور آپ کے لیے کئی معاملات کو الٹ پلٹ کیا یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم غالب ہو گیا حالانکہ وہ ناپسند کرنے والے تھے۔" (48)
سوال 1: ﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ﴾ "بلاشبہ یقیناً اس سے پہلے بھی انہوں نے فتنے میں ڈالنا چاہا اور آپ کے لیے کئی معاملات کو الٹ پلٹ کیا۔" کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ﴾ وہ اس سے پہلے بھی تم میں بگاڑ تلاش کرتے رہتے ہیں یعنی جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اس وقت بھی انہوں نے بگاڑ پیدا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی تھی۔ (2) ﴿وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ﴾ انہوں نے سازشوں کے جال پھیلائے، فتنے اٹھائے تاکہ دین اسلام کی روشنی بجھ جائے۔ (3) انہوں نے نبی ﷺ کی دعوت کا ناکام کرنے کے لیے حیلے کیے اور افکار ہی پلٹ دیئے۔
سوال 2: ﴿حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ﴾ "یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم غالب ہو گیا حالانکہ وہ ناپسند کرنے والے تھے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ﴾ ”یہاں تک کہ حق آگیا۔“ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید آگئی۔(تفسیر منیر:5/589)
(2) ﴿وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کا حکم غالب ہو گیا۔“ اللہ تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو بدر میں فتح عطا فرمائی اور دین اسلام کا بول بالا کیا پھر مکہ فتح ہو گیا تو منافق انگاروں پر لوٹنے لگے۔(3) ﴿وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ ”حالانکہ وہ ناپسند کرنے والے تھے۔“ منافقوں کے دل کی آگ کا ذکر ہے کہ اسلام کا بول بالا ہونے پر وہ کیسے دل میں سلگتے رہے۔

سوال 3: اس سے پہلے منافقوں نے فتنہ انگیزی کی کوشش کب کی تھیں؟

جواب: (1) یہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے۔(2) مدینہ میں رسول اللہ کامیاب ہوئے انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا لیکن ہمیشہ انتظار میں رہے کہ کوئی بُرا وقت آئے تو یہ فائدہ اٹھائیں۔

﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾

”اور ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ آپ مجھے اجازت دے دیں اور مجھے آپ فتنے میں نہ ڈالیں سن لو! فتنے میں تو وہ لوگ پڑے ہوئے ہیں اور یقینا جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے۔“ (49)

سوال 1: ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ﴾ ”اور ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ آپ مجھے اجازت دے دیں اور مجھے آپ فتنے میں نہ ڈالیں۔“ وہ کون تھا جس نے کہا مجھے فتنے میں نہ ڈالئے؟

جواب: وہ جد بن قیس تھا۔ محمد بن اسحٰق نے زہری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جہاد کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ (تبوک کے موقع پر) آپ ﷺ نے بنو سلمہ کے بھائی جد بن قیس سے کہا کہ جد کیا تم کو بنی اصفر (رومیوں) کے ساتھ جہاد میں دلچسپی ہے۔ تو اس نے کہا مجھے اجازت دیں فتنے میں نہ ڈالیں۔ اللہ کی قسم میری قوم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مجھ سے زیادہ عورتوں میں دل چسپی لینے والا کوئی نہیں اور مجھے خوف ہے کہ میں نے رومیوں کی عورتوں کو دیکھا تو صبر نہ کر سکوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس منہ پھیر لیا اور کہا میں نے تجھے اجازت دی اور یہ آیات نازل ہوئی۔

سوال 2: ﴿اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ﴾ ”سن لو! فتنے میں تو وہ لوگ پڑے ہوئے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی وہ گناہ، نافرمانی اور نفاق میں پڑ گیا اور نبی ﷺ سے پیچھے رہا۔(قرطبی:9/72) (2) وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے۔

سوال 3: ﴿وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ ”اور یقینا جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) کافروں اور منافقوں کو جہنم گھیر رہی ہے۔(2) جہنم سے بھاگ کر جانے کی ان کے پاس کوئی صورت نہیں۔(3) وہ اس سے نجات نہیں پائیں گے۔(4) یہ ان کیلئے شدید وعید ہے کیونکہ اہل جہنم اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے جہنم میں پہنچیں گے۔

﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ﴾

”اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں کہ بلاشبہ ہم نے اپنے معاملے میں پہلے ہی احتیاط اختیار کر لی تھی اور اس حال میں پلٹتے ہیں کہ وہ خوش ہوتے ہیں۔“(50)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن ابی حاتم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو منافقین مدینہ منورہ میں رہ گئے تھے اور انہوں نے جہاد میں شرکت نہیں کی تھی وہ لوگوں کو نعوذ باللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بری بری خبریں بیان کرتے تھے اور اس بات کی اشاعت کرتے تھے کہ نعوذ باللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر میں بہت ہی مشقت میں پڑ گئے اور ہلاک ہوئے جب ان لوگوں کی تکذیب اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عافیت معلوم ہو گئی تو لوگوں کو بہت شاق اور ناگوار گزرا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ (تفسیر ابن عباس: 1/519)

سوال 2: ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ﴾ "اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے تو ان کو بری لگتی ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ﴾ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے مثلاً نصرت، غنیمت اور بھلائی کی ہر صورت۔ (ایسر التفاسیر: 556) (2) الحسنہ وہ ہے جس کا حاصل کرنا نفس کے لیے آسان ہو مثلاً فتح و نصرت اور دشمن کے مقابلے میں کامیابی وغیرہ۔ (تفسیر منیر: 5/597) (3) ﴿تَسُؤْهُمْ ۚ﴾ انہیں غم زدہ کر دیتی ہے اور کرب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ (4) قتادہ نے کہا کہ اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے تو ان پر گراں گزرتی ہے اور انہیں برا لگتا ہے۔ (الدر المنثور: 3/445)

سوال 3: مسلمانوں پر مصیبت آئے تو منافقوں کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟

جواب: مسلمانوں پر مصیبت آئے تو منافق خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے پہلے ہی احتیاطی تدابیر اختیار کر لی تھیں۔ اور ہمیں مشکلات سے دوچار نہ ہونا پڑا۔

سوال 4: ﴿وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ﴾ اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں کہ بلاشبہ ہم نے اپنے معاملے میں پہلے ہی احتیاط اختیار کر لی تھی۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ﴾ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مصیبت پہنچے یعنی شکست، قتل اور موت وغیرہ۔ (ایسر التفاسیر: 556) (2) ﴿يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ﴾ منافق کہتے ہیں ہم نے تو پہلے ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے بچاؤ کر لیا تھا اور ہم ان سے کتراتے تھے جس کی وجہ سے ہم اس مصیبت میں مبتلا ہونے سے بچ گئے۔

سوال 5: ﴿وَّيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۰﴾ "اور اس حال میں پلٹتے ہیں کہ وہ خوش ہوتے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: منافق اسلام کے حقیقی دشمن ہیں ان کی عداوت کا یہ حال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نہ ہونے پر خوشی کے شادیانے بجاتے ہیں۔

﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۵۱﴾

" آپ کہہ دیں کہ ہمیں ہرگز کچھ نہیں پہنچے گا مگر جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھ دیا، وہی ہمارا مالک ہے اور لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان لانے والے توکل کریں۔" (51)

سوال 1: ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ﴾ "آپ کہہ دیں کہ ہمیں ہرگز کچھ نہیں پہنچے گا مگر جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھ دیا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیں۔ (2) ﴿لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ﴾ فتح و شکست، ناکامی و کامیابی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے دائرے میں بند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لوح محفوظ میں مقدر کر کہ لکھ دیا ہے۔

سوال2: مسلمان ہر حال میں کیسے فائدہ اٹھاتے ہیں؟
جواب: مسلمان ہر حال میں فائدہ اٹھاتے ہیں اگر فتح ملے تو کامیاب۔ اگر شہادت ملے تو کامیاب۔
سوال3: مومن اور منافق کے نظریات کا فرق ان کی زندگی پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے؟
جواب: منافق جو کچھ بھی کرتا ہے اسے صرف اپنے دنیوی مفاد ملحوظ ہوتا ہے۔ پھر اگر اس کو کامیابی ہو تو وہ اترانے لگتا ہے اور خوشی سے پھولے نہیں سماتا اگر ناکامی ہو تو مایوس ہو کر رہ جاتا ہے جبکہ مومن کی شان یہ ہے کہ جو کچھ بھی کرتا ہے دین کی سربلندی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے اگر کامیاب ہو تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سمجھتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے مگر اترا تا نہیں اور اگر ناکامی ہو تو وہ بھی اس کو مایوس نہیں کرتی اور اسے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھتا ہے کیونکہ اسباب کو اختیار کرنا مومن کا کام ہے اور اس کے اچھے یا برے نتائج پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ لہٰذا وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھتا ہے۔ (تیسیر القرآن:2/ 221)
سوال4: ﴿هُوَ مَوْلٰىنَا﴾ "وہی ہمارا مالک ہے۔" کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) وہی ہمارا مددگار ہے اور اس کا دین سارے ادیان پر غالب آنے والا ہے۔ (فتح القدیر: 2/ 463) (2) اللہ تعالیٰ ہمارا سردار اور ہماری پناہ گاہ ہے اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1/ 729) (3) یعنی وہ ہمارے تمام دینی اور دنیاوی امور کا سرپرست ہے پس ہم پر اس کی قضا و قدر پر راضی رہنا فرض ہے۔ ہمارے ساتھ میں کوئی اختیار نہیں۔ (تفسیر سعدی:1/ 1049) (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝﴾ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اُن لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے اور کافروں کا یقیناً ان کے لیے کوئی مددگار نہیں۔ (محمد:11)
سوال5: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ "اور لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان لانیوالے توکل کریں۔" کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) یعنی ہم مومن ہیں اور ہم اپنے رب پر توکل کرنے والے ہیں۔ (ایسر التفاسیر: 556) (2) توکل علی اللہ کے معنی ہیں اسباب کو اختیار کرنے کے بعد اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔ یہی ایمان کا اصول ہے۔ (تفسیر منیر:5/ 600) (3) یعنی ایمان والوں کو نفع کے حصول اور ضرر کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ کبھی نامراد نہیں ہوتا۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہی اُس کو کافی ہے۔ (الطلاق:3) (5) جو غیر اللہ پر بھروسہ کرتا ہے وہ ناکام و نامراد رہ جاتا ہے اور اپنی امیدوں کے حصول میں ناکام رہتا ہے۔
سوال6: کافر ہر حال میں نقصان میں کیسے رہتا ہے؟
جواب: (1) مسلمانوں کے ہاتھوں دنیا میں عذاب۔ (2) جہنم رسید ہو تو بھی ناکام۔
﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۚ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝﴾
"آپ کہہ دیں تم ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک کے سوا کسی اور کا انتظار نہیں کرتے اور ہم تمہارے لیے اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے تمہیں کوئی عذاب پہنچائے یا ہمارے ہاتھوں سے، سو تم انتظار کرو، یقیناً ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔" (52)

سوال 1:﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ ”آپ کہہ دیں تم ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک کے سوا کسی اور کا انتظار نہیں کرتے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿قُلْ﴾ اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجیے۔(2) ﴿هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ ”تم ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک کے سوا کسی اور کا انتظار نہیں کرتے۔“ تم ہمارے بارے میں ایسی چیز کا انتظار کر رہے ہو جس کا انجام کار ہمارے لیے نفع مند ہے۔ مسلمانوں کو ہر حال میں بھلائی یا کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ یا تو وہ فتح و نصرت حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بلند کریں گے۔ یا شہادت نصیب ہو گی اور اعلیٰ درجات ملیں گے۔

سوال 2: ﴿وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا﴾ ”اور ہم تمہارے لیے اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے تمہیں کوئی عذاب پہنچائے یا ہمارے ہاتھوں سے۔“ مومن منافقوں کے بارے میں کس بات کا انتظار میں رہتے ہیں؟

جواب: اے منافقو! ہم یعنی مسلمان تمہارے بارے میں انتظار کریں گے کہ تمہارا انجام کیا ہوتا ہے یا تو ہمارے بغیر اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے گا جیسے پچھلے لوگ پکڑے گئے یا ہمیں تم پر غالب کرے ہمارے ذریعے تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور جب تم پر ہم قابو پالیں گے تو تمہیں قتل کر دیں گے۔

سوال 3:﴿فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ﴾ ”سو تم انتظار کرو، یقینا ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿فَتَرَبَّصُوْٓا﴾ ”سو تم انتظار کرو۔“ اے منافقو! تم ہمارے بارے میں انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دو میں سے کون سی بھلائی عطا کرتا ہے فتح یا شہادت۔(2) ﴿اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ﴾ ہم بھی تمہارے بارے میں انتظار کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بغیر عذاب دے گا یا ہم سے تمہیں قتل کروائے گا۔

﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾

”آپ کہہ دیں کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز وہ قبول نہ کیا جائے گا۔ بلاشبہ تم ہمیشہ سے نافرمان لوگ ہو۔“

سوال 1:﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ﴾ ”آپ کہہ دیں کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز وہ قبول نہ کیا جائے گا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿قُلْ﴾ اے نبی ﷺ! آپ ان منافقوں سے کہہ دیجیے۔(2) ﴿اَنْفِقُوْا طَوْعًا﴾ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور جہاد میں خوشی سے خرچ کرو۔(3) ﴿اَوْ كَرْهًا﴾ یا مارے، باندھے، ناگواری سے۔(4) ﴿لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ﴾ ”تم سے ہرگز وہ قبول نہ کیا جائے گا۔“ اللہ تعالیٰ تمہارے باطل صدقات کو قبول نہیں کرے گا۔(5) وہ تمہارے کسی عمل کو قبول کرنے والا نہیں کیونکہ تم نافرمان ہو۔(6) تمہارا کفر تمہارے خرچ کی قبولیت کے راستے میں رکاوٹ ہے۔

سوال 2:﴿اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ ”بلاشبہ تم ہمیشہ سے نافرمان لوگ ہو۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿اِنَّكُمْ كُنْتُمْ﴾ اے منافقو! ت(2) ﴿قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ نافرمان لوگ ہو۔(3) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے میں نہیں ہو۔(4) تمہارا اللہ تعالیٰ کی توحید اور نبی ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں۔(5) ایمان کے بغیر اعمال قبول نہیں

ہوتے۔(6) تم نیک اعمال سے تھک جاتے ہو اور اللہ تعالیٰ پاک ہے پاک اعمال کو قبول کرتا ہے۔(7) تمہارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں اور اللہ تعالیٰ تقوی والوں کے اعمال قبول کرتا ہے۔

سوال 3: منافقین مالی تعاون کی پیش کش کیوں کر رہے تھے؟

جواب: منافقین جہاد میں شرکت سے معذوری کر رہے تھے اور مالی تعاون اس لئے پیش کر رہے تھے کہ بدنام نہ ہوں۔

﴿ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ ﴾

"اور کوئی ان کے مانع نہیں ہوا اس سے کہ ان کے خرچ کیے ہوئے مال قبول کیے جائیں مگر یہ کہ یقینا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا، اور وہ نماز کو نہیں آتے مگر اس طرح کہ سست ہوتے ہیں اور وہ خرچ نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناپسند کرنے والے ہیں۔" (54)

سوال 1: ﴿ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ ﴾ "اور کوئی ان کے مانع نہیں ہوا اس سے کہ ان کے خرچ کیے ہوئے مال قبول کیے جائیں مگر یہ کہ یقینا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ ﴾ "اور کوئی ان کے مانع نہیں ہوا اس سے کہ ان کے خرچ کیے ہوئے مال قبول کیے جائیں۔" منافقوں کے صدقات کی عدم قبولیت کے اسباب بیان کیے جا رہے ہیں۔(2) ﴿ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ ﴾ "مگر یہ کہ یقینا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔" قبولیت کے راستے کی پہلی رکاوٹ یہ ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کیا ہے۔(3) ایمان سارے اعمال کے قبول ہونے کی پہلی شرط ہے۔(4) منافق ایمان اور اعمال صالح سے محروم ہیں۔

سوال 2: ﴿ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى ﴾ "اور وہ نماز کو نہیں آتے مگر اس طرح کہ سست ہوتے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) منافقوں کے صدقات کی عدم قبولیت کا دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ افضل ترین بدنی عبادت نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کسمساتے ہوئے اٹھتے ہیں۔(2) نماز پڑھنا منافقوں کے لیے بھاری بوجھ بن جاتی ہے اس لیے بوجھل دل سے اٹھتے ہیں اور کاہل ہو کر سستی سے نماز پڑھتے ہیں۔(4) علما نے لکھا ہے کہ لوگوں کے سامنے ہوا تو نماز پڑھ لی اور اکیلا ہوا تو چھوڑ دی۔ یہ بھی کسل فی الصلوۃ ہے۔(کبیر)(تفسیر اشرف الحواشی: 1/ 235) (5) بندے کے لیے لازم ہے کہ نماز کے لیے دل کی خوشی کے ساتھ حاضر ہو۔

سوال 3: ﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ ﴾ "اور وہ خرچ نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناپسند کرنے والے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) منافقوں کے صدقات کی عدم قبولیت کا تیسرا سبب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں تو اس مقصد کے لیے کہ لوگ مذمت نہ کریں۔(2) منافق شرح صدر اور دل کے یقین کے ساتھ اجر کی نیت سے خرچ نہیں کرتے۔(3) اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ خرچ قبول کیا جاتا ہے جو دل کے ثبات و یقین کے ساتھ ثواب کی امید رکھ کر کیا جائے۔

سوال4: منافق کاہلی اور سستی والی نماز کیوں پڑھتا ہے؟
جواب: منافق کو جو چیز نماز پڑھنے کے لئے مجبور کرتی ہے وہ ان کے اندر نہیں ہوتی اس لئے ان کی نماز دکھاوے کی ہو جاتی ہے۔
سوال5: منافق اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا انکار کیسے کرتا ہے؟
جواب: منافق اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا دل سے انکار کرتا ہے کسل مندی اور کراہت دل کے نہ کھلنے کی علامت ہے۔ سستی کا بنیادی سبب کراہت ہوتی ہے جہاں دل نہ لگے، انسان جس کو فرض نہ سمجھے وہاں سستی سامنے آتی ہے۔
﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۵۵ ﴾
"سو ان کے اموال اور ان کی اولادیں آپ کو بھلی نہ لگیں در حقیقت اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ ان کی وجہ سے انہیں دنیا کی زندگی میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہی ہوں۔" (55)
سوال1: ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ ﴾ "سو ان کے اموال اور ان کی اولادیں آپ کو بھلی نہ لگیں۔" کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ منافقوں کے اموال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالے۔ آپ ﷺ ان کے اموال اور اولاد کی کثرت سے مرعوب نہ ہوں۔ (2) رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝۱۳۱ ﴾ اور آپ نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اس کی طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو سر و سامان دیا ہے، دنیا کی زندگی کی زینت ہے تاکہ ہم انہیں اس آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا رزق ہی بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ (طٰہٰ:131) (3) ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ۝۵۵ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۶ ﴾ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اُنہیں مال اور بیٹوں سے مدد دے رہے ہیں؟ ہم اُنہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم عمل ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے نہیں۔ (مومنون:55-56)
سوال2: مال اور اولاد نعمت کب بنتے ہیں؟
جواب: (1) جب بندے کو شکر کی توفیق ملتی ہے۔ (2) جب بندہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہے۔ (3) جب بندے کا ضمیر مطمئن ہو اور وہ اخلاص سے انفاق فی سبیل اللہ کرتا ہو۔ (4) جب بندہ مال اور اولاد کو آخرت کے لیے لگاتا ہو۔
سوال3: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ "در حقیقت اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ ان کی وجہ سے انہیں دنیا کی زندگی میں عذاب دے۔" کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ مال اور اولاد کے ذریعے دنیا کی زندگی میں عذاب دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ (2) ﴿ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ "کہ ان کی وجہ سے انہیں دنیا کی زندگی میں عذاب دے۔" یہاں عذاب سے مراد وہ مشقت اور کوشش ہے جو اسے حاصل کرنے میں انہیں برداشت کرنی پڑتی ہے اور اس میں دل کی تنگی اور بدن کی مشقت ہے۔ اگر آپ اس مال کے اندر موجود ان کی لذات کا مقابلہ اس کی مشقتوں سے کریں تو ان لذتوں کی ان مشقتوں کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں اور ان لذات نے چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیا ہے اس لئے یہ ان کے لیے اس دنیا میں بھی وبال ہیں۔ ان کا سب سے بڑا وبال یہ ہے کہ ان کا دل انہی لذات میں مگن رہتا ہے اور ان کے ارادے ان لذات سے آگے نہیں

بڑھتے، یہ لذات ان کی منتہائے مطلوب اوران کی مرغوبات ہیں، ان کے قلب میں آخرت کے لیے کوئی جگہ نہیں اور یہ چیز اس بات کی موجب ہے کہ یہ لوگ دنیا سے اس حالت میں جائیں۔(تفسیر سعدی:1/1052)

سوال4:﴿ وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ ”در حقیقت اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ ان کی وجہ سے انہیں دنیا کی زندگی میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہی ہوں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:یعنی ان کی جان اس حالت میں نکلے کہ وہ حق کا انکار کرنے والے ہوں۔اس سے بڑا کیا عذاب ہو سکتا ہے کہ انسان ہمیشہ کی بد بختی اور کبھی دور نہ ہونے والی حسرت میں مبتلا رہے۔

سوال5:مال اور اولاد انسان کے لیے سزا کب بن جاتے ہیں؟

جواب:(1)جب مال اور اولاد کی وجہ سے انسان اذیت میں مبتلا ہوتا ہے۔(2)جب دولت بڑھانے کے لیے انسان کی راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے۔(3)جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا انسان کو مال کی ہلاکت محسوس ہوتا ہے۔(4)جب اولاد بے راہ رو ہو جاتی ہے۔(5)جب اولاد سرکش اور نافرمان ہو جاتی ہے تو عذاب بن جاتی ہے۔

﴿ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴾

”اور وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ضرور وہ تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو ڈرتے ہیں۔“ (56)

سوال1:﴿ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ ﴾ ”اور وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ضرور وہ تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)منافق اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں۔(2)﴿ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ ﴾ وہ مومنوں میں سے ہیں۔(3)﴿ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ ﴾ ”حالانکہ وہ تم میں سے نہیں۔“ یعنی ان کے دل، ان کے چہرے اوران کی مرضی کافروں کے ساتھ ہے۔باطن سے منافق آپ کے ساتھ نہیں ہیں۔

سوال2:منافق مسلمانوں کے سامنے قسمیں کیوں اٹھاتے تھے کہ وہ ان میں سے ہیں؟

جواب:(1)خوف کی وجہ سے مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھاتے تھے۔(2)ان کے مفادات تھے جس کی وجہ سے وہ ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔(3)وہ حالات کے ہاتھوں مجبور ہو گئے تھے۔

سوال3:﴿ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴾ ”بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو ڈرتے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)وہ ایسے لوگ ہیں جو آپ سے خوف زدہ ہیں۔(2)ان کا خوف انہیں بے چین کرتا ہے۔(3)ان کے دل جرأت سے محروم ہیں وہ ڈرتے ہیں کہ اگر اپنا مال ظاہر کر دیا تو ہر طرف سے لوگ ان کے مخالف ہو جائیں گے۔

﴿ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴾

”اگر وہ کوئی جائے پناہ، یا کوئی غاریں، یا کوئی گھس بیٹھنے کی جگہ پالیں تو وہ اس حال میں لوٹ جائیں کہ رسیاں تڑاتے ہوں۔“ (57)

سوال1:﴿ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا ﴾ ”اگر وہ کوئی جائے پناہ، یا کوئی غاریں، یا کوئی گھس بیٹھنے کی جگہ پالیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ لَوْ یَجِدُوْنَ مَلْجَاً ﴾ اللہ تعالیٰ ان کی بزدلی کی انتہا کو بیان فرماتے ہیں کہ اگر وہ کوئی جائے پناہ پالیں مثلاً کوئی قلعہ یا جزیرہ وغیرہ۔(2) ﴿ اَوْ مَغٰرٰتٍ ﴾ یا کوئی غار۔(3) ﴿ اَوْ مُدَّخَلًا ﴾ یا کوئی ایسی جگہ جہاں وہ گھس بیٹھیں یا انہیں ستر چھپانے کی کوئی جگہ مل جائے تو فوراً اس کی طرف بھاگ جائیں۔

سوال2: منافق چھپ جانے کی جگہ اور جائے امن کی تلاش میں کیوں ہوتے ہیں؟

جواب: منافق روحانی طور پر شکست خوردہ اور بزدل ہوتے ہیں منافقوں کو ہر وقت لگتا ہے کہ کوئی مصیبت پیچھا کر رہی ہے اس وجہ سے یہ خوفزدہ اور فرار کی حالت میں ہوتے ہیں۔ وہ بڑی مشقت سے آپ سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ ضرورت سے مجبور ہیں۔

سوال3: ﴿ لَّوَلَّوْا اِلَیْهِ وَهُمْ یَجْمَحُوْنَ ﴾ ”تو وہ اس حال میں لوٹ جائیں کہ رسیاں تڑاتے ہوں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی وہ رسیاں تڑواتے ہوئے تیزی سے اس کی طرف بھاگیں گے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو ثبات نہیں رکھتے۔

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ یُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ یَسْخَطُوْنَ ﴾

”اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو صدقات میں آپ پر طعن کرتا ہے، پھر اگر اس میں سے ان کو دے دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں اس میں سے نہ دیا جائے تب وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔“ (58)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مالوں کو تقسیم فرما رہے تھے، اتنے میں ذوالخویصرۃ التمیمی آیا اور کہنے لگا: انصاف کرو، آپ نے فرمایا: تیرے لیے ہلاکت ہو، اگر میں انصاف نہ کروں گا تو پھر کون انصاف کرے گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ابن ابی حاتم نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کی ہے۔“ (تفسیر ابن عباس: 1/ 521)

سوال2: ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ ۚ ﴾ ”اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو صدقات میں آپ پر طعن کرتا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) منافقوں میں ایسے بھی ہیں جو صدقات کی تقسیم میں اعتراضات کرتے ہیں۔ جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انہیں کچھ دے دیا جائے۔ (2) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رنگے ہوئے چمڑے میں کچھ سونا، جس میں مٹی الگ نہیں کی گئی تھی۔ یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چار آدمیوں عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید الخیل اور علقمہ یا عامر بن طفیل کے درمیان تقسیم کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی نے کہا: اس مال کے تو ہم ان سے زیادہ حق دار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تم لوگوں کو مجھ پر اطمینان نہیں حالانکہ میں آسمان والوں کا امین ہوں۔ میرے پاس صبح و شام والوں کی خبریں آتی ہیں۔“ ایک آدمی جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی، رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی، پیشانی باہر نکلی ہوئی، ڈاڑھی گھنی اور سر منڈا ہوا۔ اپنا تہمد پنڈلیوں سے اٹھاتے ہوئے کھڑا ہو کر کہنے لگا: ”اللہ کے رسول! اللہ سے ڈریئے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تیرے لیے بربادی ہو۔ کیا میں روئے زمین پر اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے کا مستحق نہیں ہوں؟“ وہ آدمی چلا گیا تو خالد بن ولید نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کی گردن نہ اڑا دوں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں شاید وہ نماز پڑھتا ہو۔“ خالد کہنے لگے: ”کتنے ہی نمازی ہیں جو زبان سے ایسی بات کرتے

ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے لوگوں کے دلوں میں نقب لگانے اور ان کے پیٹوں کو چاک کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔" ابو سعید کہتے ہیں کہ جب وہ پیٹھ موڑے کر جا رہا تھا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: "اس کی نسل سے وہ لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کو مزے لے لے کر پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔" سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: اگر میں ان کے دور میں ہوا تو ثمود کی قوم کی طرح ان کو قتل کر ڈالوں گا۔" (صحیح بخاری:4351)

سوال 3: صدقات کی تقسیم پر اعتراضات کیوں کیے جاتے ہیں؟

جواب: (1) اعتراضات اکثر اعتراض کرنے والے کی کمزوری کو ظاہر کرتے ہیں۔ (2) لوگوں کے اندر کی حرص اور انداز فکر کی محدودیت ایسی شکایتیں پاک باز لوگوں کے اندر سے بھی نکال لیتی ہیں۔

سوال 4: انسان کے اعتراضات سب سے زیادہ کسے نقصان دیتے ہیں؟

جواب: انسان کے اعتراضات سب سے زیادہ خود اسی کو نقصان دیتے ہیں۔

سوال 5: ﴿فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝۵۸﴾ "پھر اگر اس میں سے ان کو دے دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں اس میں سے نہ دیا جائے تب وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اگر انہیں دیا جائے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی رضا اور ناراضگی دنیاوی خواہشات کے لیے ہے۔ (2) اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتے یں رب کی رضا پر راضی نہیں ہوتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ» "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات اس چیز کے تابع نہ ہوں جو میں لے کر آیا ہوں۔" (شرح السنۃ:104)

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝۵۹﴾

"اور کاش وہ واقعی راضی ہو جاتے اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے انہیں دیا ہے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں دے گا اور اس کا رسول بھی، یقیناً ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں۔" (59)

سوال 1: ﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ﴾ "اور کاش وہ واقعی راضی ہو جاتے اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے انہیں دیا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی انہیں رسول اللہ ﷺ جو کچھ دیتے وہ اس پر راضی ہو جاتے اور قناعت کر کے شکر بجالاتے۔

سوال 2: انسان اگر ملے پر راضی ہو جائے اور اپنی سوچ کا رخ اللہ کی طرف کر لے تو اسے کیا فوائد نصیب ہو سکتے ہیں؟

جواب: (1) انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے کی وجہ سے نئی ہمت پیدا ہوتی ہے۔ (2) انسان کی چھپی ہوئی صلاحیتیں جھاگ اٹھتی ہیں۔ (3) انسان ملی ہوئی رقم کو زیادہ کار آمد مصرف میں لگا سکتا ہے۔ (4) انسان صدقات پر انحصار کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے نئے معاشی مواقع تلاش کر سکتا ہے۔ انسان دوسروں کو ساتھی بنا کر کام کا نیا ولولہ پیدا کر سکتا ہے۔

سوال3:﴿ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ﴾ ”اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں دے گا اور اس کا رسول بھی۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ”اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں دے گا اور اس کا رسول بھی۔“ یعنی وہ یہ کہتے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں لکھا ہے وہ ہمارے لیے کافی ہے، ہم اس پر راضی ہیں۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے امید رکھتے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہمیں اپنے فضل سے دے گا۔

سوال4:﴿ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴾ ”یقیناہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں۔ اسی کے لیے ہر عمل کو خالص کرتے ہیں۔ اسی پر توکل کرتے ہیں، اسی کو کافی سمجھتے ہیں، اسی سے رغبت رکھتے ہیں، اسی کی طرف جھکتے ہیں اسی سے مانگتے ہیں، اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں، اسی کے احکامات بجالاتے ہیں اور اسی سے ممنوعات سے بچنے کی توفیق مانگتے ہیں۔ اس آیت میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی طرف رغبت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

## رکوع نمبر14

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾

”بلاشبہ صدقات تو فقیروں اور مسکینوں اور ان پر کام کرنے والوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور تاوان بھرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔“ (60)

سوال1:﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ ﴾ ”بلاشبہ صدقات تو۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ ﴾ بلاشبہ صدقات وخیرات (1) اللہ تعالیٰ نے واجب صدقات کی تقسیم کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔ (2) واجب صدقات یعنی زکوٰۃ صرف ان پر خرچ کیے جائیں گے جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔ (3) یہ آیت دلیل ہے کہ واجب صدقات کے آٹھ مصارف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تک ہی زکوٰۃ کو محدود رکھا ہے۔ (4) مستحب صدقات ہر شخص کو دیئے جاسکتے ہیں۔ اس کے لیے کسی کو مختص نہیں کیا گیا۔

سوال2: زکوٰۃ کیا ہے؟

جواب: اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ (2) زکوٰۃ انسان کے مال میں سے اسلام کا مقرر کردہ حصہ ہے جس کی ادائیگی فرض ہے۔ (3) یہ ایک ایسا ٹیکس ہے جو دولت مندوں سے لیا جاتا ہے اور محتاجوں کو دیا جاتا ہے۔ (4) زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام حکومت کا ہے بشرطیکہ حکومت اسلامی ہو شریعت کو نافذ کرنے والی ہو اور زکوٰۃ وہ اسلامی ضوابط کے مطابق وصول اور خرچ کرتی ہو۔ (5) اسلام نے معاشرے کے لیے سوشل سکیورٹی کا جو نظام تجویز کیا زکوٰۃ اسکا حصہ ہے۔

سوال3: زکوٰۃ کی مدات کون سی ہیں؟

جواب:(1) فقراء (2) مساکین (3) عاملین (4) مولفۃ القلوب (5) رقاب (6) غارمین (7) فی سبیل اللہ (8) ابن سبیل (مسافر)

سوال4: ﴿لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ "فقیروں اور مسکینوں۔" فقیر اور مساکین کون ہیں؟

جواب:(1) فقیر اور مسکین دو الگ الگ قسمیں ہیں۔ فقیر مسکین کے مقابلے میں زیادہ ضرورت مند ہوتا ہے۔(2) فقیر سے مراد ایسا شخص ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو یا صرف اتنا ہو جس سے اس کی ضرورت پوری نہ ہو سکتی ہو یا ضرورت کے آدھے سے بھی کم ہو۔(3) مسکین ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس اپنی ضرورت سے نصف یا اس سے زیادہ موجود ہو لیکن اسے کفایت نہ کرتا ہو۔(4) فقراء اور مساکین کو اتنی زکوٰۃ دی جائے گی جس سے ان کا فقر اور مسکنت ختم ہو جائے۔

سوال5: ﴿وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ عاملین سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1) جو لوگ اسلامی حکومت کی طرف سے زکوٰۃ کی وصولی اور حساب کتاب کے کاموں پر مامور ہوں۔(2) یعنی وہ لوگ جو زکوٰۃ کے حوالے سے کسی ذمہ داری کو ادا کر رہے ہوں مثلاً زکوٰۃ وصول کرنے والے، اس کا حساب کتاب کرنے والے اسی زمرے میں آتے ہیں۔

سوال6: ﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ مولفۃ القلوب سے کون سے لوگ مراد ہیں؟

جواب: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو جو اسلام میں کمزور ہوں اس میں کئی قسم کے لوگ آ جاتے ہیں۔(1) جو لوگ نئے اسلام میں داخل ہوں انہیں اسلام پر ثابت قدم رکھنا مطلوب ہو تو ان کی مدد زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے۔(2) ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کو اسلام میں داخل کرنا مطلوب ہو۔(3) مولفۃ القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی قوم ان کی فرماں برداری کرتی ہے۔ جن کے اسلام قبول کرنے کی امید ہو یا جن سے شر کا خطرہ ہو یا انہیں زکوٰۃ دینے سے ان کی ایمانی قوت میں اضافہ ہوتا ہو۔(4) ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اسلام میں داخل ہو گئے ان کو اعزازات اور انعامات دے کر ان کی قوم کو بھی اسلام کی طرف راغب کرنا چاہتے ہوں اس کے بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے۔

سوال7: ﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾ رقاب سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب:(1) رقاب سے مراد غلام ہیں جنہوں نے اپنے مالکوں سے مکاتبت کر کہ آزادی خرید لی ہو۔ زکوٰۃ کی مد سے ان کی مدد کی جا سکتی ہو۔(2) اس سے مراد وہ مسلمان قیدی بھی ہیں جو کافروں کی قید میں ہیں۔ ان کو آزاد کروانے کے لیے زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے۔(3) مسلمان قیدی اس مد کے زیادہ مستحق ہیں۔

سوال8: ﴿وَالْغٰرِمِيْنَ﴾ غارمین سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب:(1) اس سے مراد مقروض لوگ ہیں یا جن پر ضمانت کا بوجھ ہو۔(2) مقروض کو زکوٰۃ کی مد سے اتنا مال دیا جائے جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے۔

سوال9: ﴿وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اسلامی معاشرے کی بھلائی کے کام مراد ہیں:(1) مثلاً دعوت دین اور جہاد فی سبیل اللہ کی مد میں۔ اس مد سے ان مجاہدین کی مدد کی جائے گی جن کا نام باقاعدہ فوج میں درج نہیں ہوتا۔ ان کو زکوٰۃ کی مد میں سے اتنا مال دیا جائے گا جو ان کی سواری، اسلحہ اور گھر والوں کی کفالت کے لیے کافی ہو۔(2) اس مد میں دین کی اشاعت کے سارے کام آ جاتے ہیں۔(3) اس مد میں دعوت دین کے سارے کام آ جاتے ہیں۔

سوال10: ﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ﴾ ابن سبیل سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1) اس سے مراد مسافر ہیں جو اپنے وطن سے دور ہو اگرچہ وہ اپنے مقام پر مال دار ہو۔ (2) مسافر وہ شخص ہے جو وطن سے دور پردیس میں وطن سے کٹ کر رہ گیا ہو۔ زکوٰۃ کی مد میں سے مسافر کو اتنا مال دیا جائے گا جو اسے گھر پہنچانے کیلیے کافی ہو۔

سوال11: زکوٰۃ کے اہم فائدے کون سے ہیں؟

جواب: ☆**انفرادی فائدے:** (1) زکوٰۃ سے فرض ادا ہوتا ہے۔ (2) تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ (3) مومن کا مال پاک ہوتا ہے۔ (4) اس کا بخل دور ہوتا ہے۔ (5) انسان زکوٰۃ دے کر خوشی پاتا ہے۔ ☆**اجتماعی فائدے:** (1) زکوٰۃ بہترین اجتماعی فنڈ ہے۔ جس میں کچھ لوگ کبھی ادائیگی نہیں کرتے مگر مستحق ضرور ہوتے ہیں اس اعتبار سے یہ اجتماعی ضمانت ہے۔ (2) زکوٰۃ اسلام کے سوشل سکیورٹی کے نظام کا حصہ ہے جس کی آمدنی اس کی حقیقی ضروریات سے کم ہو جائے اس کی اس فنڈ سے مدد کی جاتی ہے۔ (3) وہ تمام کام جن پر امت کی زندگی اور سعادت کا انحصار ہے وہ زکوٰۃ سے ادا کئے جاتے ہیں۔

سوال12: زکوٰۃ کن لوگوں کے لیے نہیں ہے؟

جواب:(1) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زکوٰۃ غنی کے لیے حلال نہیں اور نہ تندرست و توانا کے لیے۔ (ابوداؤد ،ترمذی) (2) عبداللہ ابن عدی ابن خبار سے روایت ہے کہتے ہیں کہ دو آدمیوں نے مجھے بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے زکوٰۃ کے لیے درخواست کی رسول اللہ ﷺ نے ان کا جائزہ لیا اور دیکھا کہ وہ دونوں تندرست ہیں تو فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہیں زکوٰۃ دے دیتا ہوں لیکن اصولاً اس میں مال دار اور ایسے شخص کا حصہ نہیں ہے جو قوی ہو اور کمائی کر سکتا ہو۔ (مسند احمد، نسائی، ابوداؤد)

سوال13: ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ "یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے۔ (2) زکوٰۃ ادا کرنے والے کے لیے صالح علاج ہے دل سے حب دنیا کے مرض کے ازالے اور مال کی طرف شدید رجحان کو توڑتی ہے یعنی زکوٰۃ دنیا کی طلب میں غرق ہونے سے پاک اور صاف کرتی ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے لیں اس کے ساتھ آپ انہیں صاف کریں گے اور ان کو پاک کریں گے۔ (التوبہ:103) (3) کے مصارف میں دو امور پائے جاتے ہیں ایک تو وہ لوگ جن کے فائدے اور ضروریات پوری کرنے کے لیے زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کی مسلمانوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ یہ حصہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ (4) زکوٰۃ سے غربت بھی دور ہو سکتی ہے اور سرحدوں کی حفاظت اور دین کی حفاظت کے کام ہو سکتے ہیں۔

سوال14: ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ "اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ علیم ہے زکوٰۃ کو اس نے اپنے علم کے مطابق فرض قرار دیا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ حکیم ہے زکوٰۃ کا فریضہ اس کی حکمت کے مطابق ہے۔

﴿وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾

"اور ان میں سے بعض لوگ نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ شخص کانوں کا کچا ہے، آپ کہہ دیں کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے کانوں کا کچا ہے، وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور مومنوں کے لیے یقین رکھتا ہے اور وہ اُن کے لیے ایک رحمت ہے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔" (61)

سوال1: ﴿وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ﴾ "اور ان میں سے بعض لوگ نبی کو ایذا دیتے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ایذا انسان کے نفس، بدن یا مال میں تھوڑی یا زیادہ تکلیف پیدا کرتی ہے۔(2) یہاں اس سے مراد ہے کہ منافق رسول اللہ ﷺ کی عیب جوئی کرتے تھے اور اپنے کلام اور اعتراضات سے انہیں دکھ دیتے تھے۔

سوال2: ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ﴾ "اور کہتے ہیں کہ وہ شخص کانوں کا کچا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) رسول ﷺ کے بارے میں منافق کہتے تھے یہ کانوں کا کچا ہے۔(2) ﴿هُوَ اُذُنٌ﴾ سے مراد ہے کہ وہ ہر ایک کی سنتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے اور جو سنتا ہے اس کو سچ مان لیتا ہے اور ہر ایک کی بات کی تصدیق کرتا ہے۔ سننے کے لیے کان بطور آلہ استعمال ہوتا ہے۔ مبالغے کے طور پر انہوں نے یہ کہا: ﴿هُوَ اُذُنٌ﴾ (3) منافق کہتے تھے کہ جب ہماری بدگوئی آپ ﷺ تک پہنچتی ہے اور ہم معذرت کرنے آتے ہیں تو وہ قبول کر لیتے ہیں اس لیے وہ آپ ﷺ کو کان کا کچا کہتے تھے۔ (نعوذ باللہ) یعنی آپ ﷺ کو جو کچھ کہا جائے آپ ﷺ مان جاتے ہیں اور سچ اور جھوٹ میں تمیز نہیں کرتے۔ (4) منافق نبی ﷺ کو ایذا پہنچاتے تھے جو انہیں تباہی اور بدبختی سے نکال کر سعادت کا راستہ دکھاتے تھے۔ (5) منافق ایذا رسانی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ (6) منافق نبی ﷺ کی عقل میں عیب جوئی کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ انسانوں میں سب سے زیادہ عقل و بصیرت رکھنے والے تھے۔

سوال3: ﴿قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ﴾ "آپ کہہ دیں کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے کانوں کا کچا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ آپ ﷺ جھوٹے عذر پیش کرنے والوں کے ساتھ سختی نہیں کرتے تو یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے۔(2) آپ ﷺ حق کے ماسوا قبول نہیں کرتے تھے۔ خیر اور معروف کو قبول کرتے تھے۔ اس لیے رب العزت نے فرمایا کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے ہے۔

سوال4: ﴿يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ "وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور مومنوں کیلیے یقین رکھتا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں واضح فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے دل میں کیا ہے۔ آپ ﷺ کی رائے کیا ہے، آپ ﷺ کے دل میں اللہ تعالیٰ کا یقین ہے اسی لیے فرمایا: ﴿يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾، وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے۔(2) ﴿وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ "اور مومنوں کے لیے یقین رکھتا ہے۔" اور اللہ کے نبی ﷺ مومنوں کی بات پر یقین کرتے ہیں۔

سوال5: ﴿وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ "اور وہ ان کے لیے ایک رحمت ہے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے لیے رحمت ہیں جو ایمان لائے اس لیے کہ ایمان والے ہی اس راستے پر چلتے ہیں اور آپ ﷺ کی اتباع کرتے ہیں۔(2) جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ رحمت کو ٹھکراتے ہیں اور خسارہ اٹھاتے ہیں۔

سوال6: ﴿وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ "اور جو لوگ اللہ کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتے ہیں اپنی باتوں یا اپنے اعمال سے۔(2) ﴿لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔(3) نبی ﷺ کو دکھ دینے والے، آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی حتمی سزا قتل ہے۔

سوال7: رسول اللہ ﷺ کی تین اہم خصوصیات یہاں بتائی گئیں وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾، وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہر بات پر اسے کامل یقین ہے۔(2) ﴿وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ وہ اہل ایمان کا اعتبار کرتا ہے ان کی باتوں کو سچ مانتا ہے۔(3) ﴿وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ایمان والوں پر رحمت والا ہے ایمان والوں کو بھلائی کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں یہی رحمت ہے۔

﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝﴾

"وہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں خوش کریں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ وہ اُنہیں خوش کریں، اگر وہ ایمان لانے والے ہیں۔" (62)

سوال1: ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ﴾ "وہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں خوش کریں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) منافق اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ انہوں نے جو ایذا دی ہے اس سے بری الذمہ سمجھے جائیں دوسرے یہ کہ آپ ان سے راضی رہو۔(2) واقعہ یہ ہوا تھا کہ منافقوں میں سے ایک شخص کہہ رہا تھا کہ ہمارے سردار اور رئیس بڑے ہی عقل مند دانا اور تجربہ کار ہیں اگر محمد ﷺ کی باتیں حق ہوتیں تو یہ کیا ایسے بے وقوف تھے کہ انہیں نہ مانتے؟ یہ بات ایک سچے مسلمان صحابی نے سن لی اور اس نے کہا واللہ حضور کی سب باتیں بالکل سچی ہیں اور نہ ماننے والوں کی بے وقوفی اور کوڑ مغز ہونے میں کوئی شک نہیں، جب یہ صحابی دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ بیان کیا کہ آپ ﷺ نے اس شخص کو بلوا بھیجا لیکن وہ سخت قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا میں نے تو یہ بات کہی ہی نہیں یہ تو مجھ پر تہمت باندھتا ہے اس صحابی نے دعا کی کہ پروردگار تو سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا دکھا کر اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(ابن کثیر: 2/ 62) (3) منافق مسلمانوں سے ڈرتے تھے اس لیے کہ مسلمان مدینہ میں طاقت ور تھے اور منافقوں کو نقصان پہنچانے کی پوزیشن میں تھے۔

سوال2: منافق کی دین داری کس بنیاد پر ہوتی ہے؟

جواب: منافق کی دین داری انسان کے ڈر سے ہوتی ہے۔ منافق میں اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں ہوتا نہ اس کو با اخلاق بننے سے دل چسپی ہوتی ہے۔ اسے انصاف کا رویہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

سوال4: رسول اللہ ﷺ کو تو وہ راضی کر رہے تھے پھر کیوں کہا کہ ﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ "حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ وہ انہیں خوش کریں، اگر وہ ایمان لانے والے ہیں۔"؟ کی وضاحت کریں؟

جواب: مومن اللہ تعالیٰ کی رضا پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتا۔ جو شخص ایمان کا دعوی کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی بجائے کسی انسان کو راضی کرنے کی فکر کرے تو یہ ان کے ایمان کی نفی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حق ہے کہ ان کی رضا کو ہر چیز پر مقدم رکھا جائے۔

سوال5:اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے اللہ تعالیٰ کا ڈر انسان کو کیا دیتا ہے؟
جواب:(1)اللہ تعالیٰ کا ڈر انسان کے دل کو نرم کر دیتا ہے۔(2)اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے انسان لوگوں کی بے بنیاد باتوں کو بھی خاموشی سے سن لیتا ہے۔

﴿ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ ۝۶۳ ﴾

"کیا انہوں نے نہیں جانا کہ یقیناوہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے تو بلاشبہ اس کے لیے جہنم کی آگ ہے،اس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے،یہ بہت بڑی رُسوائی ہے۔" (63)

سوال1:﴿ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﴾ "کیا انہوں نے نہیں جانا کہ یقیناوہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے۔"کی وضاحت کریں؟
جواب:(1) ﴿ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا ﴾ کیاوہ علم نہیں رکھتے یعنی یہ کیسا ایمان ہے کہ انہیں اس بات کا علم نہیں۔(2) ﴿ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﴾ "وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے۔"اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرنے سے مراد اس کے حکم کی تحقیر اور مخالفت ہے۔(3)جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پس پشت ڈال کر حرام کاموں کا ارتکاب کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے۔

سوال2:﴿ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ ۝۶۳ ﴾ "تو بلاشبہ اس کے لیے جہنم کی آگ ہے،اس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے،یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔"کی وضاحت کریں؟
جواب:(1) جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ان کے مقابلے پر آیا: ﴿ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ ﴾ اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔(2)﴿ خَالِدًا فِیْهَا ؕ ﴾ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔(3) ﴿ ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ ۝۶۳ ﴾ "یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔"آگ میں رہنے سے بڑھ کر کوئی بڑی رسوائی نہیں کیونکہ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں سے محرومی ہے۔

سوال3:اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والے کیا بھول جاتے ہیں؟
جواب:(1)اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے بھول جاتے ہیں کہ یہ اہل ایمان کی نہیں دراصل اللہ تعالیٰ کی مخالفت ہے۔(2)وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنا عظیم گناہ ہے۔(3)وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتا ہے جہنم اس کے انتظار میں ہے۔(4)وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے غرور اور سرکشی کے بدلے میں انہیں سخت سزا دی جائے گی۔

﴿ یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝۶۴ ﴾

"منافق ڈرتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت ہی نازل نہ کر دی جائے جو انہیں وہ باتیں بتا دے جو اُن کے دلوں میں ہیں۔ آپ کہہ دیں تم مذاق اڑاؤ،اللہ تعالیٰ یقیناوہ باتیں نکالنے والا ہے جن سے تم ڈرتے ہو۔" (64)

سوال1: ﴿ یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ ﴾ "منافق ڈرتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت ہی نازل نہ کر دی جائے جو انہیں وہ باتیں بتا دے جو ان کے دلوں میں ہیں۔"کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ ﴾ منافق ڈرتے ہیں یعنی اپنے راز کھل جانے سے ڈرتے ہیں۔(2) ﴿ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ ”کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت ہی نازل نہ کر دی جائے جو انہیں وہ باتیں بتا دے جو ان کے دلوں میں ہیں۔“یعنی ایسی آیات نازل ہو جائیں جو ان کے دلوں کے حالات کھول دیں اور وہ رسوا ہو جائیں۔(3) منافق دنیا کی رسوائی سے ڈرتا ہے اس لیے کہ وہ دنیا ہی کو اصل حقیقت سمجھتا ہے۔

سوال2: منافقوں کے دلوں کے بھید کیا تھے؟

جواب:(1) اس سورۃ کریمہ کو الفاضحہ (رسوا کرنے والی) سورت کا نام بھی دیا گیا۔ اس میں منافقوں کے بھیدوں کو کھولا گیا ہے۔ لیکن نام نہیں لیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ستار ہے پردہ پوشی پسند کرتا ہے پھر اس مذمت میں اس دور کے منافق بھی ہیں اور قیامت تک آنے والے منافق بھی ہیں۔(2) منافق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہل ایمان سے بغض رکھتے تھے اسی دشمنی کی وجہ سے وہ مذاق اڑاتے تھے۔(3) منافقین رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رسول کے عمل کو کم سمجھ کر ان کا مذاق اڑاتے تھے کسی نے کہا یہ قرآن پڑھنے والے ہمیں تو اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتے کہ ہم میں سب سے زیادہ بھوکے اور ہم میں سب سے زیادہ جھوٹے اور ہم میں سب سے زیادہ بزدل ہیں۔(4) کسی نے کہا:”کیا تم سمجھتے ہو رومیوں سے لڑنا بھی ویسا ہی ہے جیسا عربوں سے لڑنا اللہ کی قسم یہ لوگ کل رسیوں میں بندھے ہوئے آئیں گے۔“ (5) کسی نے کہا:”یہ سمجھتے ہیں کہ وہ روم کے محل اور قلعے فتح کرنے جا رہے ہیں۔“ یہ اور اس طرح کی اور باتیں ان کے دل کے بھید اور زبان سے کی جانے والی بد گوئی تھی۔ رب العزت نے فرمایا:﴿ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ ﴾ یقیناً اگر منافقین اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینہ میں افواہیں پھیلانے والے باز نہ آئے تو ہم آپ کو لازماً ان پر مسلط کر دیں گے، پھر وہ اس شہر میں آپ کی ہمسائیگی میں بہت ہی کم رہیں گے۔ لعنت کیے ہوئے ہوں گے، جہاں کہیں وہ پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں گے، بری طرح ٹکڑے ٹکڑے کیے جانا۔(الاحزاب:60-61)

سوال3: ﴿ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝ ﴾ ”آپ کہہ دیں تم مذاق اڑاؤ اللہ تعالیٰ یقیناوہ باتیں نکالنے والا ہے جن سے تم ڈرتے ہو۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ ﴾ ”آپ کہہ دیں تم مذاق اڑاؤ۔“ یعنی جو کام تم نے کیے ہیں، جو مذاق تم نے اڑایا ہے اسے جاری رکھو۔(2) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝ ﴾ ”یقیناوہ باتیں نکالنے والا ہے جن سے تم ڈرتے ہو۔“ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا اور پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ کریمہ نازل فرمائی جس نے ان کے بھید کھول دیئے اور انہیں رسوا کر دیا۔

سوال4: منافق دلوں کے بھید کھل جانے کا یقین کیسے رکھتے تھے؟

جواب:(1) منافقوں کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی آتی ہے اس لیے وہ ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو دلوں کے بھید کھول دے۔(2) منافق وحی کے نازل ہونے کا یقین رکھتے تھے لیکن دنیا کی محبت کی وجہ سے وحی کے احکامات پر دل سے یقین نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے ان کے قول اور فعل، ظاہر اور باطن میں تضاد تھا۔

﴿ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾

"اور یقیناً اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ در حقیقت بس یونہی ہم ہنس بول رہے تھے اور دل لگی کر رہے تھے۔ آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ سے اور اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کر رہے تھے؟" (65)

سوال 1: ﴿وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ﴾ "اور یقیناً اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ در حقیقت بس یونہی ہم ہنس بول رہے تھے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اگر آپ ان سے اس استہزا کے بارے میں سوال کریں جو انہوں نے طعنے دیے، نبی ﷺ کے بارے میں بری باتیں کیں اور مسلمانوں کے دین کو برا بھلا کہا۔ (2) ﴿لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ﴾ "تو وہ ضرور کہیں گے کہ در حقیقت بس یونہی ہم ہنس بول رہے تھے۔" یعنی ہم تو ویسے ہی بات کر رہے تھے، ہم کوئی عیب بیان نہیں کر رہے تھے، ہم کسی کو نشانہ نہیں بنا رہے تھے، نہ طعنہ دے رہے تھے ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔

سوال 2: رسول اللہ ﷺ نے منافقوں کو بلا کر ان باتوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کیا جواب دیا؟

جواب: انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو ہنسی کھیل کی باتیں کر رہے تھے۔

سوال 3: ﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝﴾ "آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ سے اور اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کر رہے تھے؟" اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کا کیا جواب دیا؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نبی ﷺ! آپ کہہ دو۔ (2) ﴿اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝﴾ "کیا تم اللہ تعالیٰ سے اور اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کر رہے تھے۔" کیا تمہارے مذاق کی جگہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہیں؟ (3) اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاق کرنا کفر ہے جو اسلام کے دائرے سے خارج کر دیتا ہے۔ (4) دین کی بنیاد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کے دین کی تعظیم پر ہے۔ (5) منافق جب معذرت کرتے ہوئے آئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ... لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ﴾

سوال 4: ہر دور کے منافق دین کا مذاق کیوں اڑاتے ہیں؟

جواب: ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی بات کسی انسان کی زبان سے ہی بلند ہوتی ہے۔ جب دیکھنے والوں کی نظر میں کوئی انسان معمولی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ، اس کے دین اس کے رسول کو بھی معمولی سمجھ لیتے ہیں اور ان کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔

﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝﴾

"بہانے مت بناؤ، بلاشبہ تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیں تو ایک گروہ کو ہم ضرور عذاب دیں گے، اس وجہ سے کہ یقیناً وہ مجرم تھے۔" (66)

سوال 1: ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ﴾ "بہانے مت بناؤ، بلاشبہ تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا﴾ بہانے مت بناؤ! اپنی گواہیاں نہ دو۔ (2) ﴿قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ﴾ "بلاشبہ تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔" تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لیے اب معذرتیں نہ کرو۔ (3) ابن ابی حاتم نے

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ تبوک میں ایک شخص نے ایک دن ایک مجلس میں کہا کہ میں نے ان مہمانوں جیسا اور نہ ان سے زیادہ خواہش والا اور نہ ان سے زیادہ جھوٹا اور نہ ان سے زیادہ زد شمن کے مقابلے کے وقت بزدل کسی کو دیکھا ہے ایک شخص یہ سن کر کہنے لگا تو جھوٹا ہے اور یقیناً تو منافق ہے میں تیرے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کروں گا چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہو گئی اور اس کے متعلق یہ آیت نازل ہو گئی۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے پیچھے لٹکا ہوا تھا اور وہ کہہ رہا تھا یا رسول اصلی اللہ علیہ وسلم اللہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کی آیات کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی کرتے تھے۔ اس کے بعد دوسرے طریقہ پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت ہے اور اس روایت میں اس منافق کا نام عبداللہ بن ابی بیان کیا ہے نیز کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ مخشی بن حمیر نے کہا کہ میری یہ خواہش ہے کہ تم میں سے ہر ایک کے سو کوڑے لگانے کا فیصلہ کیا جائے تاکہ ہمیں اس بات سے نجات مل جائے کہ ہمارے بارے میں کوئی حکم قرآنی نازل ہو چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ہو گئی تو منافقین عذر پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ تم اب عذاب کرو، تو ان لوگوں میں سے مخشی بن حمیر کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا: چنانچہ اس کا نام عبدالرحمن رکھا گیا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے شہادت نصیب ہو اور میری شہادت کی جگہ کا کسی کو علم نہ ہو چنانچہ جنگ یمامہ میں وہ مارے گئے نہ ان کی شہادت کی جگہ کا علم ہو سکا اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ کس نے ان کو شہید کیا ہے۔ نیز ابن جریرؒ نے سیدنا قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ کچھ منافقین نے غزوہ تبوک میں کہا کہ یہ شخص (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) یہ چاہتے ہیں کہ شام کے قلعے اور محلات فتح ہو جائیں، کیسی نازیبا بات ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس بات پر مطلع کر دیا، چنانچہ یہ منافقین آپ کی خدمت میں آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے ایسی ایسی بات کی ہے وہ کہنے لگے کہ ہم تو محض ہنسی مذاق کر رہے تھے چنانچہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن عباس: 1/524-525)

سوال 2: منافق ایمان کے بعد کفر میں کیسے مبتلا ہوتا ہے؟

جواب: منافق اسلام اختیار کرنے کے بعد مرتد کی طرح کھلم کھلا تو کفر کا اظہار نہیں کرتا لیکن اس کا دل اور اس کا ذہن اسلام سے دور ہو کر کفر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

سوال 3: منافقوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا کیا فیصلہ ہے؟

جواب: منافقوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ (1) اگر توبہ کر لو تو معافی مل سکتی ہے۔ (2) اگر بدستور نفاق پر قائم رہے مذاق اڑاتے رہے تو عذاب کے مستحق ہو جاؤ گے۔

سوال 4: ﴿ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴾ ”اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیں تو ایک گروہ کو ہم ضرور عذاب دیں گے، اس وجہ سے کہ یقیناً وہ مجرم تھے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ ﴾ ”اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیں۔“ یعنی منافقوں کی توبہ واستغفار اور ان کی ندامت کی وجہ سے اگر ہم انہیں معاف کر دیں۔ (2) ﴿ نُعَذِّبْ طَآىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴾ ”تو ایک گروہ کو ہم ضرور عذاب دیں گے، اس وجہ سے کہ یقیناً وہ مجرم تھے۔“ اگر ہم تم میں سے کسی کو معاف کر دیں تو دوسروں کو

سزا دیئے بغیر نہیں رہیں گے کیونکہ وہ مجرم ہیں اپنے نفاق پر قائم ہیں۔(3) یہ آیات کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جو کوئی اپنا بھید چھپاتا ہے خاص طور پر وہ بھید جس میں اللہ تعالیٰ کے دین کے خلاف سازش، اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ استہزاء ہو تو اللہ تعالیٰ اس بھید کو کھول دیتا ہے، اس شخص کو رسوا کرتا ہے اور اسے سخت سزا دیتا ہے اور جو کوئی کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت ثابتہ کے ساتھ کسی قسم کا استہزا کرتا ہے، یا ان کا تمسخر اڑاتا ہے، یا ان کو ناقص گردانتا ہے، رسول اللہ ﷺ سے استہزاء کرتا ہے یا آپ ﷺ کو ناقص کہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے ہر قسم کے گناہ کی توبہ قبول ہو جاتی ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔(تفسیر سعدی:1/1060-1061)

## رکوع نمبر 15

﴿ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

"منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے میں سے ہیں وہ بُرائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں، وہ بھول گئے اللہ تعالیٰ کو تو اس نے بھی انہیں بھلا دیا یقیناً منافق ہی نافرمان ہیں۔"(67)

سوال 1: ﴿ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ﴾ "منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے میں سے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ اَلْمُنٰفِقُوْنَ ﴾ یعنی وہ لوگ جو اپنی زبانوں سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں کفر چھپا ہوا ہوتا ہے۔(ایسر التفاسیر:563) (2) ابو یحییٰ نے کہا: حذیفہ سے سوال کیا گیا منافق کون ہے؟ انہوں نے کہا جو اسلام کی صفت رکھتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا۔(ابن ابی حاتم:6/1833) (3) ﴿ وَ الْمُنٰفِقٰتُ ﴾ معلوم ہوا کہ کچھ عورتیں بھی منافق تھیں۔ (تفسیر کبیر) (4) ﴿ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ ﴾ "ایک دوسرے میں سے ہیں۔" یعنی وہ اپنے اعتقاد، اپنے قول اور اپنے عمل میں متشابہ ہیں ان کا معاملہ ایک ہے۔(ایسر التفاسیر:563) (5) مومنوں کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ ﴾ اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ ان کے دل باہمی محبت، نرمی اور الفت میں متحد ہیں جب کہ منافقوں کے دل مختلف ہیں۔ ان میں نفاق ہی قدر مشترک ہے۔(6) اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مومنوں اور منافقوں کے درمیان موالات کا رشتہ منقطع ہے۔(تفسیر سعدی:1/1061)

سوال 2: منافقین اور منافقات کی فطرت اور مزاج میں یکسانیت کیوں ہوتی ہے؟

جواب: منافقین کے اقوال اور اعمال مختلف ہو سکتے ہیں لیکن ایک ہی سرچشمے سے ان کا مزاج تشکیل پاتا ہے۔ مثلاً (1) کینہ پروری یہ مشترکہ مزاج ہے۔(2) خفیہ سازشیں کرنا۔(3) بے جا تنقیدیں کرنا۔(4) کھل کر سامنے آنے سے کترانا۔(5) کھل کر بات کرنے کی جرأت نہ کرنا۔(6) بد فطرتی، یہ ہے منافق کا مزاج۔

سوال 3: ﴿ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ "وہ بُرائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ﴾ ”وہ برائی کا حکم دیتے ہیں۔“ یہ ان کے دل اور عقل کے بگاڑ کی دلیل ہے۔ یہ آئینہ ہے، عکس ہے کہ ان کے عقل مند انہیں کیا حکم دیتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:564) (2) ﴿بِالْمُنْكَرِ﴾ جس سے شریعت نے اس کے نقصان کی وجہ سے روکا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے کفر کرتا ہے۔ (3) منکر سے مراد کفر اور نافرمانی کے کام ہیں مثلاً جھوٹ ،خیانت وعدہ خلافی۔ جیسے نبی ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔(4) ﴿وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ﴾ ”اور بھلائی سے منع کرتے ہیں۔“معروف وہ ہے جسے شریعت نے نفع مند قرار دیا ہو اور اس کا حکم دیا ہو جیسے ایمان اور عمل صالح۔ (ایسر التفاسیر:563) (5) معروف سے مراد ایمان اور اطاعت ہے۔(تفسیر قاسمی:8/256) (6) ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کی شہادت دینا اور اقرار کرنا سب سے بڑا معروف ہے۔(فتح القدیر: 2/ 477) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: پانچ نمازیں اور فرض زکوٰۃ۔ (7) معروف سے مراد ایمان، اخلاق فاضلہ ،اعمال صالحہ اور آداب حسنہ ہیں۔(تفسیر سعدی: 1/ 1061) (8) ﴿وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ﴾ ”اور اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں۔“مجاہد نے کہا: حق کے لیے خرچ کرتے ہوئے نہیں کھلتے۔(ابن ابی حاتم) (9) قتادہ نے کہا: ہر چیز سے ہاتھ بند رکھتے ہیں۔ صدقہ اور بھلائی کے راستوں سے۔(9) پس اللہ تعالیٰ نے ان کو بخل کی صفت سے موصوف کیا ہے۔(تفسیر سعدی:1/ 1061-1062) (10) انفاق فی سبیل اللہ کے لیے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:563)

سوال4: منافق کا طرز عمل کیا ہے؟

جواب:(1) منافق منکر کا حکم دیتے ہیں، چھپ چھپا کر کام کرتے ہیں۔(2) بھلائی کے کاموں سے روکتے ہیں اشاروں کنایوں سے بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں۔ (3) بخیل ہیں، اگر خرچ کرتے ہیں تو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ (4) انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا، لہذا ان کے ہر کام کا مقصد یا تو لوگوں کی خوشی ہوتا ہے یا مالی مفاد ہوتا ہے۔ (5) یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے لوگوں سے بہت ڈرتے ہیں اور یہ آخرت سے غافل رہتے ہیں۔

سوال5: ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ﴾ ”وہ بھول گئے اللہ تعالیٰ کو تو اس نے بھی انہیں بھلا دیا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿نَسُوا اللّٰهَ﴾ ”وہ بھول گئے اللہ تعالیٰ کو“ ابن عباسؓ نے کہا: ﴿نَسُوا اللّٰهَ﴾ سے مراد ہے انہوں نے اللہ کو چھوڑ دیا۔ (2) ﴿فَنَسِيَهُمْ ؕ﴾ ”تو اس نے بھی انہیں بھلا دیا۔“ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت اور ثواب کو چھوڑ دیا۔(ابن ابی حاتم:6/ 1832) (3) ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت چھوڑ دی کہ انہیں ایمان اور عمل صالح عطا فرمائے۔(الدر المنثور:3/ 458) (4) منافق اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اطاعت کو بھول گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت اور فضل کرنے کو بھلا دیا۔(تفسیر قاسمی:8/ 256) (5) پس وہ بہت کم اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی: 1/ 1062) (6) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَ قِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝﴾ اور کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں بھلائے دیتے ہیں جس طرح تم اپنے اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔(الجاثیہ:34)

سوال6: منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے کیوں بھلا دیا؟

جواب: منافقوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا اس لئے ان کا کوئی اعتبار نہیں آخرت سے غافل ہیں، دنیا سے دلچسپی رکھتے ہیں، بھلائی کے کاموں میں تعاون سے دور، نمائشی کاموں کی طرف راغب ہیں اس لئے ایسے ناکارہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ یاد نہیں رکھتا ان میں سربلند ہونے کی کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ جن انسانوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈر نہیں لگتا پھر سب سے ڈر لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں نہ بسایا تو ساری زندگی انجانے خوف میں لگتی ہے۔

سوال 7: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۶۷﴾ "یقینا منافق ہی نافرمان ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) منافق حق اور استقامت کے راستے سے نکل گئے ہیں گمراہی کے راستے پر چل نکلے ہیں اور کفر میں جا پڑے ہیں۔ (تفسیر منیر: 652/5) (2) اللہ تعالیٰ نے فسق کو منافقین میں محصور کر دیا، کیونکہ ان کا فسق دیگر فساق کے فسق سے زیادہ بڑا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کو دیا جانے والا عذاب دوسروں کو دیے جانے والے عذاب کی نسبت زیادہ برا ہے نیز اہل ایمان جب ان کے درمیان رہ رہے تھے تو ان منافقین کے باعث ان کو آزمائش میں ڈالا گیا اور ان سے بچنے کی نہایت سختی سے تاکید کی گئی۔ (تفسیر سعدی: 1062)

سوال 8: منافق فاسق ہیں کہہ کر اللہ تعالیٰ نے کیا فیصلہ کر دیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ منافق دائرہ ایمان سے نکل گئے ہیں۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۶۸﴾

"اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا ہے، اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، وہی اُنہیں کافی ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اُن کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔" (68)

سوال 1: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ﴾ "اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا ہے، اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ﴾ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ منافقوں، کافروں اور منافقات سے کہ انہیں لعنت او جہنم میں اکھٹا کر دے گا اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے دنیا میں بھی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی اور اس کے احکامات کے انکار پر متحد تھے۔

سوال 2: ﴿وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۶۸﴾ "اور اُن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اُن کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ﴾ "اور اُن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی۔" اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا آخرت میں بھی ایک ہی جگہ پر ہوں گے یہ ان کے حسب حال ہے۔ (2) ﴿وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۶۸﴾ "اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہو گا جو کبھی ختم نہیں ہو گا۔ (3) وہ ہمیشہ کے لیے مذمت زدہ شیاطین کے ساتھ لعنت پاتے رہیں گے۔ (تفسیر منیر: 65/5)

سوال 3: منافقوں کے لیے جہنم کی سزا اور لعنت کیوں ہے؟

جواب: (1) منافق اپنے ظاہری اسلام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔ (2) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے کفر، دین اسلام سے انکار کی وجہ سے ان پر لعنت ہے اور جہنم کی سزا ہے۔

﴿ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ ﴾

"ان لوگوں کی طرح جو تم سے پہلے تھے، وہ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور اموال اور اولاد میں بہت زیادہ تھے، سو انہوں نے اپنے حصے سے فائدہ اُٹھایا پھر تم نے بھی اپنے حصے سے فائدہ اُٹھایا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے سے فائدہ اُٹھایا اور تم نے فضول باتیں کیں جس طرح انہوں نے فضول باتیں کیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ خسارہ اُٹھانے والے ہیں۔" (69)

سوال 1: ﴿ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ ﴾ "ان لوگوں کی طرح جو تم سے پہلے تھے، وہ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور اموال اور اولاد میں بہت زیادہ تھے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ "ان لوگوں کی طرح جو تم سے پہلے تھے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم بھی اپنے نفاق میں ڈوبے رہو جیسے تم سے پہلے لوگ ڈوبے رہے۔ (2) ﴿ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ ﴾ "وہ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور اموال اور اولاد میں بہت زیادہ تھے۔" وہ تم سے زیادہ دنیا سے فائدہ اٹھانے والے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے ،اس کی اطاعت سے ،اس کے تقویٰ سے غافل رہے انہوں نے انبیاء کا مذاق اڑایا اور تم نے بھی، ان کے پاس تم سے زیادہ قوت تھی، زیادہ سخت جان تھے، زیادہ مال اور اولاد رکھتے تھے، انہوں نے دنیا سے خوب فائدہ اٹھایا جیسے تم اٹھا رہے ہو، وہ بھی دنیا میں ڈوبے رہے جیسے تم ڈوبے ہوئے ہو ان کے اعمال انہیں بربادی کی طرف لے گئے۔ دنیا اور آخرت میں ان کے اعمال نے انہیں فائدہ نہ دیا خسارے میں رہے اسی طرح تم بھی دنیا اور آخرت میں خسارے میں ہو تمہارے اعمال بھی ایک جیسے ہیں اور انجام بھی۔

سوال 2 : ﴿ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ ﴾ "سو انہوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا پھر تم نے بھی اپنے حصے سے فائدہ اُٹھایا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے سے فائدہ اُٹھایا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ ﴾ "سو انہوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا۔" انہوں نے دنیا کے حصے سے، مال اولاد اور قوت سے، دنیاوی منافع کے جو حصے مقرر تھے خوب فائدہ اٹھایا۔ (2) ﴿ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ ﴾ "پھر تم نے بھی اپنے حصے سے فائدہ اُٹھایا۔" تم نے بھی اپنے دنیا کے نصیب سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں یعنی اپنی قوت مال اور اولاد سے، تمہارا ارادہ بھی، تمہارے حوصلے بھی، پہلوں کی طرح دنیا تک محدود رہے۔ (3) ﴿ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ ﴾ "جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے سے فائدہ اُٹھایا۔" یعنی تمہارا معاملہ اور تم سے پہلے لوگوں کا معاملہ برابر ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: جیسے آج اور کل کی رات میں مشابہت ہے اسی طرح مسلمانوں اور اسرائیلیوں میں مشابہت آجائے گی میرے خیال میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم ان کے قدم بہ قدم چلو گے اگر ان میں سے کوئی گوہ کے بل میں بھی گھسا ہو گا تو تم بھی اس میں گھس جاؤ گے۔ (مختصر ابن کثیر: 1/738)

سوال 3: ﴿ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ ﴾ "اور تم نے فضول باتیں کیں جسطرح انہوں نے فضول باتیں کیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) جیسے پہلے لوگوں نے جھوٹ بولے، حق کے خلاف کج بحثیاں کیں، حق کا مزاق اڑایا اوران کے اعمال ضائع ہو گئے ایسے ہی منافق بھی ان کے راستے پر ہیں۔(2) زید بن اسلم نے کہا: خوض سے مراد ہے باطل سے باطل کرنا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے بارے میں بحثیں کرتے تھے اور اسے جھٹلاتے تھے۔(ابن ابی حاتم:6/ 183) (3) یعنی تم بھی (پہلوں کی طرح) باطل اور جھوٹ میں مستغرق ہو اور حق کو ناکام کرنے کے لیے تم باطل کے ذریعے سے جھگڑتے ہو، پس یہ ہیں ان کے اعمال وعلوم ،نصیب دنیا سے استفادہ کرنا اور باطل میں مستغرق رہنا اس لیے یہ بھی عذاب اور ہلاکت کے مستحق ہیں جیسے پہلے لوگ اس ہلاکت کے مستحق ٹھہرے جن کے وہی کرتوت تھے جو ان کے ہیں۔رہے اہل ایمان۔۔۔۔اگر انہوں نے دنیاوی نعمتوں میں اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا ہے۔۔۔۔۔تو صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مدد لینے کے لیے۔رہے ان کے علوم تو یہ درحقیقت انبیاء ورسل کے علوم ہیں جو تمام مطالب عالیہ میں یقین کی منزل تک پہنچاتے ہیں اور باطل کو سرنگوں کرنے کے لیے حق کے ذریعے سے مجادلہ کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی:1/ 1063)

سوال4: مالی قوت اور افرادی قوت سے انسان فتنے میں کیسے پڑ جاتا ہے؟

جواب:(1) جن لوگوں کا رابطہ بڑی قوتوں سے ہوتا ہے وہ چھوٹی قوتوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔(2) یہ لوگ قوت کی وجہ سے بڑی قوتوں کی سمع وطاعت بھی کرتے ہیں۔(3) یہ لوگ بڑی قوت کی بات کو اونچا کرنے کے لیے جد وجہد کرتے ہیں۔(4) جن لوگوں کی فطرت میں حق سے ہٹنا ہوتا ہے وہ قوت کے سرچشمے کو نہیں پاتے اور غرور، سرکشی اور تکبر اختیار کر لیتے ہیں۔(5) سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنی سرگرمیوں کو کھانے پینے تک محدود کر دیتے ہیں جس طرح مویشی کھاتے پیتے ہیں۔

سوال5: ﴿ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ ﴾ اعمال سے مراد وہ کام ہیں جو اطاعت کی صورت میں کیے۔ اس سے مراد نافرمانی کے کام نہیں ہیں۔(فتح القدیر:2/ 476) (2) ان کے اعمال باطل ہو گئے، فاسد ہو گئے، ان کا دنیا اور آخرت کا فائدہ جاتا رہا اور وہ دونوں جہانوں میں ثواب کے مستحق نہ ٹھہرے۔ (3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴾ آپ کہہ دیں کیا ہم تمہیں بتائیں جو لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں؟ وہ لوگ جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ہی کھو گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناوہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں۔(الکھف:103۔104) (2) ﴿ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ رب العزت کا فرمان ہے: اے منافقو! تم کفر، تکذیب، مال اور اولاد کے معاملے میں دھوکے کے راستے پر چلے اب تمہارا بھی وہی انجام ہے جو کافروں کا ہے یہی کھلا خسارہ ہے۔

سوال6: حبط اعمال کا مطلب کیا ہے؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال کی جڑ خراب ہو گئی اب یہ ایسا پودا ہے جو نہ سرسبز ہوتا ہے نہ پھلتا پھولتا ہے۔ایسا پودا لگانے والے گھاٹے میں رہتے ہیں کیونکہ ان کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

﴿ اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ۙ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ ﴾

"کیاان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو اُن سے پہلے تھے؟ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والے اور اُلٹی ہوئی بستیوں والے، ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو ایسا نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔" (70)

سوال1: ﴿ اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ۙ ﴾ "کیاان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو اُن سے پہلے تھے؟ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو جھٹلانے والے منافقوں کو نصیحت کی ہے کہ اپنے سے پہلے لوگوں پر عبرت کی نگاہ ڈالو۔ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر اللہ تعالیٰ نے کیسے عذاب نازل کر دیا!(2) قوم نوح کو دیکھو کیسے ان پر پانی کا طوفان آیا جس کی وجہ سے زمین کے تمام جاندار غرق ہو گئے اللہ تعالیٰ نے نوح کی کشتی پر بیٹھنے والے مومنوں کو بچا لیا اور مجرم ہلاک کر دیے گئے!(3) قوم عاد پر خیر سے خالی آندھی مسلط کر دی گئی، ہود اور ان کے مومن ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے نکال لیا اور مجرموں کو ہلاک کر دیا گیا۔ (4) قوم ثمود کو کیسے ایک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا!

سوال2: ﴿ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ ﴾ "اور ابراہیم کی قوم اور مدین والے اور اُلٹی ہوئی بستیوں والے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ ﴾ "اور ابراہیم کی قوم۔" تو جب نمرود اور اس کی قوم نے جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے کیسے ابراہیم علیہ السلام کی غیبی مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور نمرود کو غارت کر دیا۔(2) ﴿ وَ اَصْحٰبِ مَدْیَنَ ﴾ اور مدین والے سخت جھٹکے سے اور بادل والے دن کے عذاب سے ہلاک ہوئے۔(3) ﴿ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ ﴾ اور الٹی ہوئی بستیوں والے یعنی قوم لوط جنہوں نے لوط کو جھٹلایا اور ایسے شرم ناک کام کیے جو ان سے پہلے دنیا والوں نے نہیں کیے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین دوز کر دیا۔

سوال3: ﴿ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ ﴾ "ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) "ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے۔" پچھلی قوموں کے پاس رسول بھیجے تھے جو صاف صاف دلائل لے کر آئے، جنہوں نے حق کو واضح کیا مگر انہوں نے ٹھکرا دیا انبیاء کو نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب مسلط کر کے انہیں تباہ کر دیا۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مزے لوٹنے والوں کو ان حالت کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے احساس دلایا ہے کہ دیکھو تم بھی اسی طرح ہلاکت کے راستے پر چل رہے ہو جیسے قوم نوح، قوم ابراہیم، اصحاب مدین اور الٹائی گئی بستیوں کے لوگ چلے تھے۔(2) کل کے لوگوں نے بھی نصیحت کو پلے نہیں باندھا تھا جیسے آج تم نصیحت سے منہ موڑ رہے ہو۔ ان کے پاس بھی رسول آئے تھے جیسے تمہارے پاس آئے ہیں۔(3) یہ دیکھ لو کہ قوم نوح کو طوفان نے گھیر لیا، قوم عاد کو آندھی نے آ لیا، قوم ثمود کو ایک چیخ نے ہلاک کر دیا۔ قوم ابراہیم کو ہلاک کر کے اللہ تعالیٰ نے سیدنا

ابراہیم علیہ السلام کو نجات دی۔ اصحاب مدین کو زلزلے نے آلیا، قوم لوط پر پتھر پڑے اور سمندر کے پانی کو ان کے اوپر چڑھا دیا گیا اب یہ بتاؤ کہ تم کیسے بچو گے؟

سوال 5: ﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝﴾ "تو ایسا نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ﴾ "تو ایسا نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرتا۔" اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا کیونکہ اس نے عذاب سے پہلے رسول بھیج کر حجت پوری کر دی تھی۔ (2) اللہ تعالیٰ نے کتابیں بھیج کر ان کے شکوک دور کر دیے تھے۔ (3) ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝﴾ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا جب رسولوں کو جھٹلایا، حق کا انکار کیا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں، رسولوں کی اطاعت نہ کی اور نافرمانوں اور سرکشوں کی اتباع کی۔

سوال 6: اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا لوگ خود پر کیسے ظلم کرتے ہیں؟

جواب: (1) انسان قوت اور اقتدار پا کر سرکش ہو جاتے ہیں یہ سرکشی ان کے اپنے حق میں ظلم ہے۔ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا مستحق بنا دیتی ہے۔ (2) مال و دولت کی وجہ سے انسان اندھے ہو جاتے ہیں ماضی کے واقعات سے نصیحت حاصل نہیں کرتے، یوں اندھے، بہرے بننے سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم کرے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔" (71)

سوال 1: ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ﴾ "اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور ایمان لانے والے مرد جو اپنے اللہ تعالیٰ پر اور رسول پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں پر یقین رکھنے میں سچے ہیں۔ (2) ﴿وَالْمُؤْمِنٰتُ﴾ اور ایمان لانے والی عورتیں۔ جو دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر یقین رکھتی ہیں۔ (3) ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ﴾ ایک دوسرے کے والی اور مددگار ہیں ایک دوسرے کی مصیبتوں اور سختیوں میں مدد کرنے والے ہیں۔ (4) ان کے دل باہمی محبت، ہمدردی اور نرمی میں متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور دین کے کاموں نے انہیں جمع کر دیا ہے۔ (فتح القدیر: 2/ 477) (5) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضاً» "ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کے مانند ہے جس کی بعض اینٹیں بعض کو سہارا دیتی ہیں۔" (ابن کثیر)

سوال 2: اہل ایمان کا مزاج کیا ہوتا ہے؟

جواب:(1) اہل ایمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی سچی لگن ہوتی ہے۔(2) انہیں آخرت کی فکر ہوتی ہے۔(3) دنیا کی چیزوں سے ضرورت کے مطابق تعلق رکھتے ہیں۔(4) اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں کی طرف ان کا دل کھنچتا ہے۔(5) برائی کے کام سے انہیں نفرت ہوتی ہے۔(6) ان کا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے۔(7) وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے ہوتے ہیں۔

سوال3:﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) معروف ایسے کاموں کے لیے جامع نام ہے جن کی بھلائی تسلیم شدہ ہو مثلاً عقائد، اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ وغیرہ۔ (2) ایمان والے نیکی کا حکم دیتے ہیں اور سب سے پہلے خود نیکی کرتے ہیں۔(3) ﴿وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ باطل عقائد، برے اعمال اور اخلاق سیئہ کے لیے جامع نام ہے۔ وہ منکر سے روکتے ہیں سب سے پہلے خود رکتے ہیں پھر دوسروں کو روکتے ہیں۔

سوال4:﴿وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ ” اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ اور نماز قائم کرتے ہیں اہل ایمان پانچ نمازیں قائم کرتے ہیں اور منافق جب نماز قائم کرتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے کام کرتے ہیں۔(تفسیر منیر:5/ 663) (2) ﴿وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ وہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ (3) مومن فرض زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور صدقات بھی اور منافق بخل کرتے ہیں اور انفاق فی سبیل اللہ کے لیے ہاتھ بند رکھتے ہیں۔(4) ﴿وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ اطاعت کرتے ہیں۔“ فرائض میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔(5) ﴿وَ رَسُوْلَهٗ﴾ ”اور اس کے رسول کی۔“ اطاعت کرتے ہیں یعنی جو انہوں نے ہمارے لیے اپنی سنت چھوڑی ہے۔(تفسیر قرطبی:4/ 105) (6) عطانے کہا: اطاعت رسول کتاب وسنت کی اتباع ہے۔(تفسیر ابن ابی حاتم:6/ 1839)

سوال5: اہل ایمان کی خصوصیات کیا ہیں؟

جواب:(1) مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں۔(2) بھلائی کا حکم دیتے ہیں۔(3) برائی سے روکتے ہیں۔(4) نماز قائم کرتے ہیں۔(5) زکوٰۃ دیتے ہیں۔(6) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

سوال6: اہل ایمان کو کیا چیز ایک دوسرے کے قریب کر دیتی ہے؟

جواب:(1) سب کی دوڑ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔(2) سب کی اطاعت کا مرکز اللہ تعالیٰ کا رسول اور اولی الامر ہوتے ہیں۔ (3) جب ملتے ہیں تو باہمی دل چسپی کی چیزیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور بھلائی کے کام ہوتے ہیں۔(4) اہل ایمان تعلق باللہ، اطاعت رسول اور خیر کے کاموں سے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اسی کی بنیاد پر ان کے تعلق قائم ہوتے ہیں۔(5) خیر کے کاموں کی وجہ سے مقصد ان کے ہاتھ آتا ہے جس کے لئے متحدہ کوششیں ہوتی ہیں۔

سوال7: خیر کو حاصل کرنے اور شر کی مخالفت کے لئے جماعت کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟

جواب:(1) خیر کا حصول اور شر کی مخالفت اعلیٰ اور مشکل مقاصد ہیں ان کے لئے ایسے افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو باہم محبت کرنے والے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہوں۔(2) شر کے مقابلے میں ایسے افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو مقابلہ کرتے ہوئے صف آراہوں ان میں تفرقہ اور جدائی نہ ہو۔(3) مشترکہ کوششوں کے نتیجے میں ہی بڑے اہداف، خیر کا حصول اور شر کی مخالفتیں ممکن ہو سکتی ہے۔

سوال8: دنیامیں اہل ایمان کی زندگی آخرت کی تمثیل ہے کیسے وضاحت کریں؟

جواب: دنیامیں اہل ایمان سرسبز وشاداب باغ کی طرح زندہ رہتے ہیں جیسے ایک باغ میں بہت سے درخت ہوں ہر ایک دوسرے کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ ان درختوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف میں نکلنے والے آنسو سیراب کرتے ہیں ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا خیر خواہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے پورا ماحول امن کا گہوارہ بن جاتا ہے یہی زندگی آخرت کی جنتی زندگی میں بدل جائے گی۔

سوال9: اقامت صلوٰۃ کس چیز کی علامت ہے؟

جواب: (1) اقامت صلوٰۃ دنیامیں اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے مسلمانوں کے اٹھنے کی علامت ہے۔ (2) اقامت صلوٰۃ مسلمانوں کی ولایت کے تعلق کی علامت ہے۔ (3) اقامت صلوٰۃ باہمی تعلق مضبوطی کی علامت ہے۔ (4) اقامت صلوٰۃ مشترکہ مقصد کی علامت ہے۔ (5) اقامت صلوٰۃ ایک قیادت کے زیر سایہ ایک ہونے کی علامت ہے۔

سوال10: ادائیگی زکوٰۃ سے مسلمانوں کے کیسے تعلقات سامنے آتے ہیں؟

جواب: ادائیگی زکوٰۃ سے مسلمانوں کی جماعت باہم مربوط ہوتی ہے۔ کمزور کے لئے مال دار پشت پناہ بنتا ہے تو کمزوری دور ہو جاتی ہے اور مسلمان اپنے مقصد زمین کی اصلاح، اللہ تعالیٰ کے کلمے کی بلندی کے لئے زیادہ موثر انداز میں کوششیں کرنے لگتے ہیں۔

سوال11: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی مسلمانوں کے لئے کیا اہمیت ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت مسلمانوں کا اصلی ہدف ہیں۔ (2) مسلمانوں کے لئے یہی اطاعت، حکم اور قانون ہے۔ (3) جب کسی معاملے کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کر دیں تو چوں چرا کی اجازت نہیں ہوتی۔ (4) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی مسلمانوں کی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بناتی ہے۔

سوال12: ﴿اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ ”یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم کرے گا، یقینا اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم کرے گا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں دردناک عذاب سے نجات دے گا۔ (تفسیر سمرقندی: 2/74) (2) اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کے سائے تلے لے گا اور ان پر مہربانی فرمائے گا عزت والا رب اپنے بندوں کو عزت عطا فرماتا ہے۔ (3) ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب اور طاقت ور ہے۔ (4) ﴿حَكِيْمٌ ۝﴾ اللہ تعالیٰ کمال حکمت والا ہے وہ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھتا ہے۔ حق داروں کو عزت دیتا ہے جو حکم دیتا ہے اس پر اس کی حمد کی جاتی ہے۔

سوال13: اللہ تعالیٰ کی رحمت کن لوگوں پر ہوتی ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی رحمت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والوں پر ہوتی ہے۔ (2) اس کی رحمت اقامت صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے والوں پر ہوتی ہے۔ (3) اس کی رحمت اس جماعت پر ہوتی ہے جو خیر کے کاموں کو کرنے اور شر کو روکنے کے لیے وجود میں آتی ہے۔

سوال14: اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے ہوتی ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ کی رحمت دل کے اطمینان کی شکل میں ہوتی ہے۔(2)اللہ تعالیٰ کی رحمت تعلق باللہ کی شکل میں ہوتی ہے۔ (3)اللہ تعالیٰ کی رحمت حادثوں اور فتنوں سے بچانے کی شکل میں ہوتی ہے۔(4)اللہ تعالیٰ کی رحمت جماعت کی اصل کی شکل میں ہوتی ہے۔(5)اللہ تعالیٰ کی رحمت ثابت قدمی کی شکل میں ہوتی ہے۔(6)اللہ تعالیٰ کی رحمت جماعت کے افراد کے درمیان باہمی محبت کی صورت میں ہوتی ہے۔(7)اللہ تعالیٰ کی رحمت ایک دوسرے کی کفالت کی صورت میں ہوتی ہے۔(8) للہ تعالیٰ کی رحمت جذبہ اخلاص پیدا ہو جانے کی صورت میں ہوتی ہے۔(9)اللہ تعالیٰ کی رحمت رضائے الٰہی کی صورت میں ہوتی ہے۔

سوال 15: مومنین کی چار صفات منافقوں کی چار صفات کے بالمقابل ہیں۔ان صفات کا انجام مختلف ہے موازنہ کر کے بتائیں؟

| جواب: مومن | منافق |
|---|---|
| 1۔امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینا)۔ | 1۔امر بالمنکر (برائی کا حکم دینا)۔ |
| 2۔نہی عن المنکر (برائی سے روکنا)۔ | 2۔نہی عن المعروف (بھلائی سے روکنا) |
| 3۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا۔ | 3۔اللہ تعالیٰ کو بھلا دینا۔ |
| 4۔اقامت صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ۔ | 4۔بخل کرنا۔ |

ان صفات کے نتیجے میں :

| | |
|---|---|
| 1۔مومنوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔ | 1۔منافقوں پر لعنت۔ |
| 2۔اللہ تعالیٰ کا مومنوں سے وعدہ فتح ونصرت اور زمین پر اقتدار دوں گا۔اس طرح وہ پوری انسانیت کے مصلح اور نگران بن جائیں۔ | 2۔منافقوں کے لیے جہنم کی آگ کا وعدہ ہے۔ |

3۔اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾

"اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغات کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور پاکیزہ رہائش گاہوں کا جو ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضامندی سب سے بڑی ہے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔" (72)

سوال 1: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ "اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغات کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں سے جنت کے باغات کا وعدہ کیا ہے جہاں ہر طرح کی نعمتیں ہیں۔(2)جنت کے محلات، درختوں اور گھروں کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔(3)جنتوں کی خیر وبرکت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

سوال 2: ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ﴾ "ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور پاکیزہ رہائش گاہوں کا جو ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گی۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ مومن جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جنت سے وہ کسی اور مقام پر جانا نہیں چاہیں گے۔(2) ﴿وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ ''اور پاکیزہ رہائش گاہوں کا جو ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گی۔'' اللہ تعالیٰ نے ان گھروں کو اپنے متقی بندوں کے لیے سجایا ہے، جنت کے نظارے خوب صورت ہیں جنت ایک ایسا مقام ہے جس سے بڑھ کر کوئی آرزو کرنے والا آرزو نہیں کر سکتا۔ وہاں ایسے بالا خانے ہیں جن کے اندر سے باہر کا نظارہ کیا جاسکے گا، جنت میں دل سکون پائیں گے ،پیاسی روحیں سراب ہوں گی اور مومن ابد الاباد تک اس میں رہیں گے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے دنیا کی دعوتی واصلاحی سرگرمیوں کے نتیجے میں کیا وعدہ کر رکھا ہے؟

جواب:(1) جنت میں باعزت طور پر ہمیشہ رہیں گے۔(2) اعلیٰ رہائش گاہیں ہوں گی۔(3) اللہ تعالیٰ کی رضا۔

سوال 4: ﴿وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضامندی سب سے بڑی ہے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی جو جنت والوں کے لیے ہو گی۔(2) ﴿اَكْبَرُ ؕ﴾ سب سے بڑی یعنی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہو گی۔(3) رب کی رضا کے بغیر کوئی نعمت اچھی نہیں لگے گی۔(4) اللہ تعالیٰ کی رضا جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔(5) آسمانوں کے رب کی جنت، زمینوں کے رب کی جنت، انسانوں کے رب کی جنت بہت عظیم نعمت ہے اور رب کائنات کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے۔(6) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جنت والوں سے فرمائے گا: اے جنت والو! کیا تم خوش ہو گئے وہ عرض کریں گے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم خوش کیوں نہ ہوں تو نے ہمیں وہ کچھ عنایت فرمایا: جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیا میں تمہیں ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر ایک اور نعمت نہ دوں؟ وہ عرض کریں گے: اب اس سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہیں اپنی خوشنودی سے نوازتا ہوں اب کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔(ابن کثیر)(تفسیر اشرف الحواشی: 1/239)

(7) ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ﴾ ''یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔'' سب سے بڑی کامیابی جنت کا حصول، بڑی کامیابی رب کی رضا، سب سے بڑی کامیابی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جس کے بعد کوئی خوف نہ ہو گا، خوش گوار زندگی، نعمتیں ہی نعمتیں، سکون ہی سکون، اطمینان ہی اطمینان۔ اللهم إني اسئلك الجنة

سوال 5: اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطے کا اعلیٰ مقام انسان کو کب ملتا ہے؟

جواب: انسان کی آنکھ رب کو دیکھ نہیں سکتی۔ اور اعلیٰ مقام آنکھ سے دیکھنے کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے سوال کیا کہ احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب فرمایا: تم اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تمہیں دیکھتا ہے۔ انسان کو یہ تعلق کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں غور و فکر کر کے، اس کے کلام سے اس کی صفات کو جان کر، اسی کی ذات کے احسانات اپنے اوپر محسوس کر کے، اللہ تعالیٰ کی یادوں میں جینے سے، انسان کے دل کی گہرائیوں سے روشنی نکلتی ہے اس کا تعلق روح سے ہوتا ہے، یہ مقام کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، اس کا ایک لمحہ بھی پوری زندگی کے مال و متاع سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام اس سے بھی بڑا مقام ہے۔

# رکوع نمبر16

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۷۳ ﴾

''اے نبی! جہاد کریں کافروں اور منافقوں سے، اور اُن پر سختی کریں اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ لوٹ کر جانے کی بری جگہ ہے۔''

سوال 1: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ ﴾ ''اے نبی! جہاد کریں کافروں اور منافقوں سے، اور اُن پر سختی کریں۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی ﷺ کو کافروں اور منافقوں سے جہاد کا حکم دیا ہے۔ اس آیت میں کفار اور منافقین دونوں سے جہاد اور ان کے معاملہ میں شدت اختیار کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا ہے، ظاہری کفار سے جہاد کا معاملہ روا واضح لیکن منافقین سے جہاد کا مطلب خود رسول اللہ ﷺ کے تعامل سے یہ ثابت ہوا کہ ان کے ساتھ جہاد سے مراد زبانی جہاد ہے کہ ان کو اسلام کی حقانیت سمجھنے کی طرف دعوت دیں تاکہ وہ اپنے دعوی اسلام میں مخلص ہو جائیں۔ (قرطبی) (تفسیر معارف القرآن: 4/ 422)

(2) ﴿ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ ﴾ ''اور ان پر سختی کریں۔'' الغلظ رافت اور نرمی کو ختم کرنے والا ہے۔ یہ دل کی سختی ہے جو زبان میں نہیں بلکہ کرنے والے کے کام میں ہوتی ہے۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝۱۵۹ ﴾ پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں اور اگر آپ بد خُلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناوہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے، سو آپ انہیں معاف کر دیں اور ان کے لئے بخشش مانگیں اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (آل عمران:159) (4) امام قرطبی نے فرمایا کہ اس جگہ غلظت استعمال کرنے سے عملی غلظت مراد ہے کہ ان پر احکام شرعیہ جاری کرنے میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے زبان اور کلام میں غلظت اختیار کرنا مراد نہیں کیونکہ وہ سنت انبیاء کے خلاف ہے وہ کسی سے سخت کلامی اور سب و شتم نہیں کرتے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اگر تمہاری کوئی کنیز زنا کی مرتکب ہو تو اس کی سزا حد شرعی اس پر جاری کر دو مگر زبانی ملامت اور طعن و تشنیع نہ کرو۔'' اور رسول اللہ ﷺ کے حال میں خود حق تعالیٰ نے فرمایا: ''یعنی اگر آپ ﷺ سخت کلام سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔'' نبی ﷺ کے تعامل میں بھی کہیں یہ ثابت نہیں کہ کفار و منافقین سے گفتگو اور خطاب میں کبھی غلظت اختیار فرمائی ہو۔ (معارف القرآن: 4/ 422) جہاد میں تلوار کا جہاد اور حجت و دلیل کا جہاد سب شامل ہیں۔ پس جو جنگ کرتا ہے اس کے خلاف ہاتھ، زبان اور شمشیر وسناں کے ذریعے سے جہاد کیا جائے اور جو کوئی ذمی بن کر یا معاہدہ کے ذریعے سے اسلام کی بالادستی قبول کرتا ہے، تو اس کے خلاف دلیل و برہان کے ذریعے سے جہاد کیا جائے۔ اس کے سامنے اسلام کے محاسن اور کفر و شرک کی برائیاں واضح کی جائیں۔ پس یہ تو وہ رویہ ہے جو دنیا میں ان کے ساتھ ہونا چاہیے۔ (تفسیر سعدی: 1/ 1066-1067)

سوال 2: ﴿ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۷۳ ﴾ ''اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ لوٹ کر جانے کی بری جگہ ہے۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) منافقوں کی جائے قرار جہنم ہے جہاں سے وہ کبھی نہیں نکلیں گے۔(2) ﴿وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝﴾ ”اور وہ لوٹ کر جانے کی بری جگہ ہے۔“ جہنم بہت ہی برا ٹھکانہ اور لوٹ کر جانے کی بری جگہ ہے، جہاں نہ موت ہو گی نہ زندہ رہ پائیں گے اور جہاں منافق سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

﴿یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا ۚ وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ۝﴾

”وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے بات نہیں کی حالانکہ بلاشبہ انہوں نے کافرانہ بات کی ہے اور اپنے اسلام کے بعد انہوں نے کفر کیا اور اس چیز کا ارادہ کیا جو انہوں نے نہیں پائی اور انہوں نے انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ اُن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ چنانچہ اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہو گا اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور زمین میں اُن کے لیے نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی مددگار۔“ (74)

سوال 1: اس آیت کا سبب نزول کیا ہے؟

جواب۔ ابن ابی حاتم نے سیدنا ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جلاس بن سوید بن صامت نے غزوہ تبوک میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ شرکت نہیں کی تھی اور اس نے کہا تھا کہ اگر یہ شخص یعنی نبی کریم ﷺ سچا ہو تا ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں، عمیر بن سعید نے اس چیز کی رسول اکرم ﷺ کو اطلاع دی، جلاس نے اللہ کی قسم کھائی کہ میں نے یہ بات نہیں کہی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یعنی وہ لوگ قسمیں کھاجاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی الخ۔ جلاس بن سوید نے توبہ کر لی تھی اور ان کی توبہ بھی قبول ہوئی۔ نیز کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے اور ابن سعد نے طبقات میں اسی طرح عروہ سے روایت کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے اس دوران سیدنا زید بن ارقم نے منافقوں میں سے ایک شخص سے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ اگر رسول اکرم ﷺ سچے ہوں تو ہم گدھوں سے زیادہ بدتر ہیں، رسول اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ کے پوچھنے پر اس کہنے والے نے انکار کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ نیز ابن جریر نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک درخت کے سایہ میں تشریف رکھتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: عنقریب تمھارے پاس ایسا شخص آئے جو شیطان کی دونوں آنکھوں سے دیکھتا ہے، چنانچہ اتنے میں ایک نیلی آنکھوں والا آیا، آپ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا کہتے ہیں۔ یہ سن کر وہ شخص چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر آیا، سب نے آ کر قسمیں کھانی شروع کر دیں کہ ہم نے ایسا نہیں کیا، چنانچہ آپ نے ان کو معاف کر دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت فرمائی۔ (تفسیر ابن عباس: 1/528-529)

سوال 2: ﴿یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ﴾ ”وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے بات نہیں کی حالانکہ بلاشبہ انہوں نے کافرانہ بات کی ہے اور اپنے اسلام کے بعد انہوں نے کفر کیا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا﴾ ”وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے بات نہیں کی۔“یعنی جب انہوں نے اس شخص کی مانند بات کہی تھی جس نے یہ کہا تھا:﴿لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ عزت دار، ذلیل لوگوں کو مدینہ سے باہر نکال دیں گے۔“(المنافقون:8)اور وہ باتیں جو دین اور رسول(ﷺ) کے ساتھ استہزاء کرتے ہوئے ایک کے بعد دوسرا کرتا تھا۔جب ان کو یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی باتیں معلوم ہو گئی ہیں تو وہ قسمیں کھاتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ انہوں نے یہ بات ہر گز نہیں کہی۔(تفسیر سعدی:1/1067) (2) ﴿وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ ”حالانکہ بلاشبہ انہوں نے کافرانہ بات کی ہے۔“گزشتہ وقت میں ان کے اسلام قبول کرنے نے اگرچہ ان کو ظاہری طور پر دائرہ کفر سے نکال دیا تھا، مگر ان کا یہ آخری کلام اسلام کے متناقض ہے جو انہیں کفر میں داخل کر دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:1/1067) (3)منافقوں نے کئی مواقع پر کفر کے کلمے کہے تھے۔(4)سیدنا زید بن ارقم کہتے ہیں کہ ایک لڑائی میں (غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر جب مہاجرین اور انصار میں جھگڑا ہوا تو)میں نے عبداللہ بن اُبی کو یہ کہتے ہوئے سنا:”لوگو!تم ایسے کرو کہ پیغمبر کے پاس جو لوگ (مہاجرین)جمع ہو گئے ہیں تم ان کو خرچ کے لیے کچھ نہ دو۔وہ خود باخود اس کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اگر ہم لڑائی سے واپس پہنچے تو عزت والا(یعنی عبداللہ بن اُبی)ذلت والے (یعنی محمد ﷺ) کو نکال باہر کرے گا۔میں نے اس کی یہ بات اپنے چچا(سعد بن عبادہ) سے یا عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیں۔انہوں نے آپ ﷺ کو بتلا دیں۔آپ ﷺ نے پہلے مجھے بلایا اور دریافت کیا تو میں نے ان باتوں کا اقرار کیا۔پھر آپ نے عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا تو وہ مکر گئے اور قسمیں کھانے لگے کہ ہم نے ایسا ہر گز نہیں کہا تھا۔آپ ﷺ نے مجھے جھوٹا سمجھا اور عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کو سچا(کیونکہ اس کے ساتھی بھی قسمیں کھا رہے تھے)مجھے اس بات کا اتنا رنج ہوا جتنا پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔میں گھر میں بیٹھا رہا۔میرے چچا کہنے لگے:”ارے!یہ تم نے کیا کیا۔آخر رسول اللہ ﷺ نے تجھے جھوٹا سمجھا اور ناراض ہوئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورۃ منافقون نازل فرمائی تو آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور سورۃ منافقون مجھے پڑھ کر سنائی۔بعد میں فرمایا:”زید اللہ نے تمہاری تصدیق کر دی۔“(صحیح بخاری:4900)

سوال 3:﴿وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا﴾ ”اور اس چیز کا ارادہ کیا جو انہوں نے نہیں پائی۔“سے کون سا واقعہ مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد وہ واقعہ ہے جب انہوں نے غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکے سے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جس میں منافقوں نے معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے کی سازش تیار کر رکھی تھی اور ان سازشیوں کو بعد میں اہل عقبہ (گھاٹی والے)کا نام دیا گیا۔ان کا پروگرام یہ تھا کہ رات کے وقت پہاڑی کے دشوار راستوں پر چلتے چلتے گھاٹی کی جگہ آپ ﷺ کو لشکر سے الگ لے جا کر اچانک آپ پر حملہ کر دیا جائے اور آپ ﷺ کو سواری سے نیچے گھاٹی میں پھینک کر ہلاک کر دیا جائے اور اس واقع کی کسی کو خبر بھی نہ جب آپ ﷺ اس گھاٹی پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو مطلع فرما دیا۔اس وقت سے آپ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ سارے لشکر میں منادی کر دے کہ کوئی شخص گھاٹی کی طرف نہ آئے اور بطن وادی کی طرف سے جائے جو آسان اور کھلا راستہ ہے۔اس وقت سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی اونٹنی کو آگے سے پکڑے چل رہے تھے اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پیچھے سے چلا رہے تھے اس اعلان پر سب مسلمانوں نے بطن وادی کی راہ لی مگر یہ منافقین آپ ﷺ کے حکم کی پروانہ کرتے ہوئے اپنے ناپاک ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے درپے تھے اچانک چار افراد چہروں پر ڈھاٹے باندھے آپ ﷺ تک پہنچ گئے۔آپ ﷺ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان منافقوں کی سواریوں کے چہروں پر کاری ضربیں

لگائیں۔ انہوں نے اپنی ڈھال سے ان کی سواریوں کے چہروں پر زور سے حملے کیے، ساتھ یہ کہتے جاتے تھے: ”اللہ کے دشمنو! دفع ہو جاؤ۔“ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس پکار سے منافقوں کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارادہ کی اطلاع ہو چکی ہے۔ چنانچہ وہ جلدی جلدی مسلمانوں کے لشکروں سے جا ملے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقوں کے اور یہاں تک کہ ان کے باپوں کے نام تک سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتلا دیئے تھے اور یہ بھی کہ دیا کہ ان کے نام کسی کو نہیں بتلائے جائیں۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کو پوری طرح پہنچانتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ راز افشا نہیں کرتے تھے اسی لیے آپ کو 'رازدان رسول' کہا جاتا تھا۔ ایک دفعہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ اور عقبہ والوں میں سے ایک شخص کے درمیان جھگڑا ہوا۔ اس شخص نے کہا: ”میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ عقبہ والے کون تھے؟ لوگوں نے کہا کہ جب وہ پوچھتا ہے تو آپ بتلا دیجئے۔ سیدنا حذیفہ کہنے لگے: ”ہمیں خبر دی گئی تھی کہ وہ چودہ تھے اور اگر تم بھی ان میں شامل تھا تو پندرہ تھے اور اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان میں سے بارہ تو دنیا اور آخرت میں اللہ اور رسول اللہ کے دشمن ہیں۔ باقی رہے تین تو انہوں نے عذر کیا تھا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منادی کی آواز نہیں سنی تھی۔ اور نہ ہمیں یہ معلوم ہو سکا کہ ان لوگوں کا ارادہ کیا تھا۔“ (مسلم:3037)(تیسیر القرآن:2/236-237)

سوال4: ﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ﴾ ”اور انہوں نے انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ اُن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَمَا نَقَمُوْٓا﴾ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراضگی رکھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیب جوئی کی۔ (2) ﴿اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ﴾ ”مگر یہ کہ اُن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔“ منافقوں کے عجیب حال کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس ہستی کی توہین کرتے ہیں جو انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے اور فقر کے بعد مال داری کا سبب بنے۔ (3) ان کا اسلام پر غصہ اس وجہ سے ہے کہ اسلام نے انہیں مالدار بنا دیا۔ اب یہ خوش حالی کی مستیاں ہیں جو یہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ (4) کیا اللہ تعالیٰ کے نبی کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ ان کی تعظیم کریں اور اس پر ایمان لائیں۔

سوال5: ﴿فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ﴾ ”چنانچہ اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہو گا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو سچے دل سے توبہ کرنے کی نصیحت کی کہ اگر توبہ کر لی تو دنیا و آخرت کی سعادت بنیاد بن جائے گی۔

سوال6: ﴿وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ”اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ”اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔“ اگر وہ توبہ اور ایمان سے منہ موڑ لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں عذاب دے گا۔ دنیا کا عذاب مسلمانوں کی فتح اور عزت کی صورت میں ملنے والا حزن و ملال، قتل اور قید ہونا ہے اور آخرت میں ان کو جہنم کا عذاب ملے گا۔

سوال7: اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کیوں کھلا رکھا ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ اس لئے کھلا رکھا کہ جو اپنا بھلا چاہتا ہے وہ دوڑ کر اندر داخل ہو جائے۔ (2) اگر توبہ کا دروازہ نہ کھلے تو انسانوں کو دنیا و آخرت میں دردناک عذاب سے دوچار ہونا پڑے۔ (3) اگر توبہ کا دروازہ نہ کھلے تو انسان ملامت زدہ ہو جائے۔

سوال8: ﴿وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝﴾ ”اور زمین میں ان کے لیے نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی مدد گار۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ان کا کوئی مدد گار، دوست اور سرپرست نہیں ہو گا جو ان کے معاملات کی سرپرستی کرے اور انہیں مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے مدد دے۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾

”اور ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ یقیناً اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے دیا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور ہم ضرور نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔“ (75)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: یہ آیت ثعلبہ بن حاتم انصاری کے بارے میں نازل ہوئی اس نے نبی ﷺ سے درخواست کہ کہ میرے لیے مال داری کی دعا کیجئے آپ نے فرمایا: تھوڑا مال جس کا شکر ادا ہو اس سے بہت اچھا ہے جو اپنی طاقت سے زیادہ ہو۔ اس نے دوبارہ پھر وہی درخواست کی کہ میرے لیے مال داری کی دعا کیجئے آپ ﷺ نے پھر سمجھایا تھوڑا مال جس کا شکر ادا ہو اس بہت سے اچھا ہے جو اپنی طاقت سے زیادہ ہو اس نے پھر درخواست کی تو آپ ﷺ نے پھر سمجھایا کہ تو اپنا حال اللہ کے نبی جیسا رکھنا پسند نہیں کرتا؟ واللہ اگر میں چاہتا تو یہ پہاڑ سونے چاندی کے بن کر میرے ساتھ چلتے، اس نے پھر کہا: حضور واللہ میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ مجھے مال دار کر دے تو میں خوب سخاوت کی داد دوں ہر ایک کو اس کا حق ادا کروں۔ آپ نے اس کے لئے برکت کی دعا کی اس کی بکریوں میں اس طرح زیادتی شروع ہوئی جیسے کیڑے بڑھ رہے ہوں یہاں تک کہ مدینہ اس کے جانوروں کے لیے تنگ ہو گیا یہ ایک میدان میں نکل گیا۔ ظہر عصر تو جماعت کے ساتھ ادا کرتا باقی نمازیں جماعت کے ساتھ نہیں ملتی تھیں۔ جانوروں میں اور برکت ہوئی اسے اور دور جانا پڑا اب سوائے جمعے کے باقی سب جماعتیں اس سے چھوٹ گئیں مال بڑھتا گیا۔ ہفتے بعد جمعہ کے لیے آنا بھی اس نے چھوڑ دیا آنے جانے والے قافلوں سے پوچھ لیا کرتا تھا کہ جمعہ کے دن کیا بیان ہوا؟ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے اس کا حال دریافت کیا لوگوں نے سب کچھ بیان کر دیا آپ ﷺ نے اظہار افسوس کیا ادھر آیت اتری کہ ان کے مال سے صدقہ لے لو اور صدقہ کے احکام بھی بیان ہوئے آپ نے دو شخصوں کو جن میں ایک قبیلہ جہنیہ کا اور دوسرا قبیلہ سلیم کا تھا انہیں تحصیل دار بنا کر صدقہ لینے کے احکام لکھ کر انہیں پروانہ دے کر بھیجا اور فرمایا کہ ثعلبہ سے اور فلاں نے بنی سلیم سے صدقہ لے آؤ یہ دونوں ثعلبہ کے پاس پہنچے فرمانِ پیغمبر دیکھا یا صدقہ طلب کیا تو وہ کہنے لگا واہ واہ یہ تو جزیہ کی بہن ہے یہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے کافروں سے جزیہ لیا جاتا ہے یہ کیا بات ہے؟ اچھا اب تو جاؤ لوٹتے ہوئے آنے دوسرا شخص سلمی جب اسے معلوم ہوا تو اس نے اپنے بہترین جانور نکالے اور انہیں لے کر خود ہی آگے بڑھا انہوں نے ان جانوروں کو دیکھ کر کہا نہ تو یہ ہمارے لینے کے لائق نہ تجھ پر ان کا دینا واجب ہے اس نے کہا میں تو اپنی خوشی سے بہترین جانور دینا چاہتا ہوں آپ انہیں قبول فرمائیے۔ بالآخر انہوں نے لے لیے اوروں سے بھی وصول کیا اور لوٹتے ہوئے پھر ثعلبہ کے پاس آئے اس نے کہا: مجھے وہ پرچہ تو پڑھاؤ جو تمہیں دیا گیا ہے پڑھ کر کہنے لگا بھئی یہ تو صاف صاف جزیہ ہے کافروں پر جو ٹیکس مقرر کیا جاتا ہے یہ تو بالکل ویسا ہی ہے اچھا تم جاؤ میں سوچ سمجھ لوں۔ یہ واپس چلے گئے انہیں دیکھتے ہی رسول اللہ ﷺ نے ثعلبہ پہ اظہارِ افسوس کیا اور سلمی شخص کے لیے برکت کی دعا کی اب انہوں نے بھی

ثعلبہ اور سلمی کا واقعہ کہہ سنایا پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ثعلبہ کے قریبی رشتہ دار نے جب یہ سب سنا تو ثعلبہ سے جا کر واقعہ بیان کیا اور آیت بھی پڑھ کر سنائی یہ حضرت کے پاس آئے اور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا یہ اپنے سر پہ خاک ڈالنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو سب تیرا ہی کیا دھرا ہے میں نے تو تجھے کہا تھا لیکن تو نہ مانا یہ واپس اپنی جگہ چلا گیا نبی ﷺ نے انتقال تک اس کی کوئی چیز قبول نہ فرمائی پھر یہ خلافت صدیقی میں آیا اور کہنے لگا میری جو عزت نبی ﷺ کے پاس تھی وہ اور میرا جو مرتبہ انصار میں ہے وہ آپ خوب جانتے ہیں آپ میرا صدقہ قبول فرمایئے آپ نے جواب دیا کہ جب نبی ﷺ نے قبول نہیں فرمایا: تو میں کون؟ غرض آپ نے بھی انکار کر دیا جب آپ کا بھی انتقال ہو گیا اور امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے والی ہوئے یہ پھر آیا اور کہا کہ امیر المؤمنین آپ میرا صدقہ قبول فرمایئے آپ نے جواب دیا کہ جب نبی ﷺ نے قبول نہیں فرمایا: اور خلیفہ اول نے قبول نہیں فرمایا: تو اب میں کیسے قبول کر سکتا ہوں؟ چنانچہ آپ نے بھی اپنی خلافت کے زمانے میں اس کا صدقہ قبول نہیں فرمایا: پھر خلافت سیدنا عثمان کے سپرد ہوئی یہ ازلی منافق پھر آیا اور لگا منت سماجت کرنے لیکن آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ خود نبی ﷺ اور آپ کے دونوں خلیفہ نے تیرا صدقہ قبول نہیں فرمایا: تو میں کیسے قبول کر لوں؟ چنانچہ قبول نہیں کیا اسی اثنا میں یہ شخص ہلاک ہو گیا۔ (ابن کثیر: 2/375)

سوال 2: ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝﴾ ”اور ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ یقیناً اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے دیا۔“ کن لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اپنے فضل سے ہمیں نوازا تو خیرات کریں گے اور صالح بن کر رہیں گے؟

جواب: (1) ﴿وَ مِنْهُمْ﴾ منافقوں میں سے۔ (2) ﴿مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ﴾ ”جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا۔“ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ شخص انصار میں سے تھا۔ (قرطبی: 4/107) (3) ﴿لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ منافقوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر آپ نے ہمیں کشادگی عطا کی اور اپنے فضل سے ہمیں مال دیا تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں دے کر نیک لوگوں میں شامل ہو جائیں گے یعنی ہم حق کے راستے میں مال لگا کر دین کی حفاظت کریں گے، صلہ رحمی کریں گے، مہمان نوازی کریں گے اور نیک اعمال کریں گے۔

سوال 3: انسان کے پاس مال نہیں ہوتا تو وہ کیا کرتا ہے؟

جواب: (1) مال کے لئے دعائیں کرتا ہے۔ (2) مال والوں کو برا کہتا ہے کہ یہ لوگ اسے غلط کاموں میں برباد کرتے ہیں۔ (3) یہ لوگ کہتے ہیں اللہ مال دے دے تو اس کی راہ میں خرچ کریں۔

سوال 4: مال پانے پر منافقوں کا رویہ کیسا ہو جاتا ہے؟

جواب: (1) مال پانے کے بعد وہ مال کو اپنی محنت اور لیاقت کا نتیجہ سمجھ لیتا ہے۔ (2) اور مال کا تنہا مالک بن جاتا ہے۔ (3) منافق مال میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا بھول جاتا ہے۔

﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝﴾

”پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا تو انہوں نے اس پر بخل کیا اور اس حال میں منہ موڑ گئے کہ وہ اعراض کرنے والے تھے۔“ (76)

سوال1:﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ﴾ ”پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا تو انہوں نے اس پر بخل کیا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کر دیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدے کو پورا نہ کیا۔(2)﴿بَخِلُوْا بِهٖ﴾ انہوں نے اس پر بخل کیا۔(3)بخل واجب کے روک لینے کو کہتے ہیں اور شح مستحب روک لینے کو کہتے ہیں۔(4)رب العزت نے فرمایا:﴿وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۱۸۰﴾ ”اور جو لوگ بخل کرتے ہیں اس میں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے وہ ہر گز گمان نہ کریں کہ ان کے لئے وہ بہتر ہے بلکہ ان کے لئے وہ بہت ہی برا ہے، جلد ہی قیامت کے دن انہیں اس کا طوق پہنایا جائے گا جو انہوں نے بخل کیا اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“ (آل عمران:180)

سوال2:﴿وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝﴾ ”اور اس حال میں منہ موڑ گئے کہ وہ اعراض کرنے والے تھے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَ تَوَلَّوْا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑ گئے۔(تفسیر منیر:5/ 675) (2)﴿وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝﴾ وہ اسلام سے منہ موڑنے والے ہیں یعنی بھلائی سے منہ موڑ کر عہد کو پورا نہیں کرتے۔

سوال3:انسان بخیل کیسے بن جاتا ہے؟

جواب:(1)انسان ایمان سے خالی ہوتا ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔(2)جب اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو فقیر ہونے کا ڈر اسے بخیل بنا دیتا ہے۔

سوال4:بخیل کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟

جواب:(1)بخیل کو چین نہیں ملتا۔(2)بخیل بے قرار رہتا ہے۔(3)بخیل اللہ تعالیٰ کے عہد کی خلاف ورزی کرتا ہے۔(4)بخیل کا دل نفاق سے پاک نہیں ہو سکتا۔(5)بخیل جھوٹ بولتا ہے۔(6)بخیل امانت میں خیانت کرتا ہے۔

سوال5:مومن بخل سے کیسے بچ سکتا ہے؟

جواب:(1)مومن اللہ تعالیٰ کے بچانے سے ہی بخل سے بچ سکتا ہے۔(2)وہ لوگ بخل سے بچتے ہیں جن کے دل ایمان سے معمور ہوتے ہیں۔(3)وہ لوگ بخل سے بچتے ہیں جن کی نظریں آخرت پر لگی ہوتی ہیں۔(4)وہ لوگ بخل سے بچتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں۔(5)وہ لوگ بخل سے بچتے ہیں جو دنیا کی ضروریات سے اپنے آپ کو اوپر کر لیتے ہیں۔(6)وہ لوگ بخل سے بچ سکتے ہیں جو لالچ اور مفاد چھوڑ سکتے ہوں۔(7)وہ لوگ بخل سے بچ سکتے ہیں جو انفاق کر کے مسکین ہونے سے نہ ڈرتے ہوں۔(8)وہ لوگ بخل سے بچ سکتے ہیں جنہیں یہ یقین ہو کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے ختم ہونے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خزانے میں جو کچھ ہے باقی رہنے والا ہے۔(9)وہ لوگ بخل سے بچ سکتے ہیں جنہیں یقین ہوتا ہے کہ اگر مال چلا بھی گیا تو آخرت کا اجر تو اجر عظیم ہے۔

﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝﴾

”چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق کی سزا دی اس دن تک کے لیے جب وہ اس سے ملیں گے اس وجہ سے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی خلاف ورزی کی جو انہوں نے اس سے وعدہ کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔“ (77)

سوال1: ﴿ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ ﴾ "چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق کی سزادی اس دن تک کے لیے جب وہ اس سے ملیں گے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ "چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق کی سزادی۔" بخل کا وارث نفاق ہوتا ہے جو دل سے چپک جاتا ہے اور اس دن تک جدا نہیں ہو گا جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہو گی۔(ایسر التفاسیر:568)

سوال2: اللہ تعالیٰ منافقوں کے دلوں میں نفاق کیوں بٹھادیتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ منافقوں کے دلوں میں بدعہدی اور جھوٹ بولنے کی وجہ سے بخل اور نفاق بٹھادیتا ہے۔

سوال3: نفاق کب تک پیچھا نہیں چھوڑتا؟

جواب: اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن تک نفاق پیچھا نہیں چھوڑتا۔

سوال4: ﴿ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴾ "اس وجہ سے جو اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی خلاف ورزی کی جو انہوں نے اس سے وعدہ کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ ﴾ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے وعدہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے۔(2) ﴿ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴾ اور جھوٹ بولنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ منافق کے دل میں نفاق بٹھادیتا ہے۔(3) بندہ مومن کو اس برے وصف سے بچنا چاہیے۔ (تفسیر سعدی:1/1068)

﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾

"کیا وہ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے راز اور ان کی سرگوشی تک کو جانتا ہے؟ اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب غیبوں کو بہت خوب جاننے والا ہے۔" (78)

سوال1: ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ "کیا وہ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے راز اور ان کی سرگوشی تک کو جانتا ہے؟ اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب غیبوں کو بہت خوب جاننے والا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا ﴾ اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ کیا انہیں اس بات کا علم نہیں ہے۔(2) ﴿ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے چھپے بھید جانتا ہے اور ان کی سرجو سینے کے اندر ہوتا ہے۔ نجویٰ جو آپس میں ہونے والی باتوں کو لوگوں کے درمیان کیا جاتا ہے اور غیب جو مخلوق سے چھپا ہوا ہوتا ہے۔(تفسیر منیر:5/678) (3) ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ "اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب غیبوں کو بہت خوب جاننے والا ہے۔" اللہ تعالیٰ زمین یا آسمان کے ہر غیب کو جانتا ہے۔ (ایسر التفاسیر:568)

سوال2: اللہ تعالیٰ منافقوں کی وعدہ خلافیوں اور جھوٹ کو روکنے کے لئے اپنے ﴿ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ ہونے کا احساس کیسے دلاتا ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ انسانی شعور کو جھنجھوڑتے ہیں کہ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ باتوں سے خبردار ہے یعنی نیتوں تک کا حال جانتا ہے پھر بھی وعدہ خلافی کرتے اور جھوٹ بولتے ہو۔(2) اللہ تعالیٰ تم کو احساس دلاتے ہیں کہ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ سرگوشیوں اور خفیہ باتوں کا جاننے والا ہے پھر بھی وہ جھوٹ بولتے اور وعدہ خلافیاں کرتے ہیں۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

”جو لوگ خوش دلی سے حصہ لینے والے مومنوں پر ان کے صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور ان پر بھی جو اپنی محنت کے سوا کچھ نہیں پاتے سو وہ ان سے مذاق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے مذاق کیا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

سوال 1: ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ﴾ ”جو لوگ خوش دلی سے حصہ لینے والے مومنوں پر ان کے صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اہل ایمان کو صدقات کی ترغیب دی تو مسلمانوں نے رغبت اور سرعت سے اس کلمہ کی تعمیل کی اور اس موقع پر مسلمانوں میں سے ہر امیر غریب نے مال خرچ کیا۔ اور منافقوں نے نکتہ چینی کی کہ وہ شہرت اور ریاکاری کیلیے مال خرچ کرتے ہیں اسی بارے میں رب العزت نے فرمایا: (1) ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ﴾ وہ لوگ جو عیب جوئی کرتے ہیں اور طعن کرتے ہیں۔ (2) ﴿الْمُطَّوِّعِيْنَ﴾ یعنی وہ لوگ جو فرض زکوٰۃ سے زیادہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ (ایسر التفاسیر:569)

(3) سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب ہمیں صدقہ کرنے کا حکم ہوتا ہے تو ہم محنت مزدوری کر کے اپنے کمروں پر بوجھ اٹھا کر کچھ مال حاصل کرتے تھے۔ (جس کو صدقہ میں پیش کر دیتے تھے) (صحیح بخاری: 2/673) (4) اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ دینے کی ترغیب دی تو سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم پیش کر دیئے اور عاصم بن عدی نے سو وسق کھجوریں حاضر کر دیں اس پر منافقین نے طنز کیا کہنے لگے اجی کچھ نہیں یہ تو ریاکاری ہے۔ ایک صحابی سیدنا ابو عقیل بھی تھے وہ ایک صاع کھجور لے کر آئے اور صدقہ کے مال میں ڈال دیا۔ اس پر منافقین آپس میں ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ کو اس کے ایک صاع کی کیا ضرورت تھی؟ (چونکہ یہ صدقہ تھوڑا سا تھا اس لیے ان لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابو عقیل نے خوب زیادہ محنت کر کے دو صاع کھجوریں حاصل کیں (ایک صاع 2، 2/1 سیر کا ہوتا تھا) ان میں سے ایک صاع گھر والوں کو دے دیا اور ایک صاع لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوری صورت حال عرض کر دی آپ نے فرمایا: اس کو مال صدقہ میں ڈال دو۔ منافق ان کا تمسخر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس مسکین کے صدقہ سے اللہ بے نیاز تھا (کیا ذرا سی چیز لے کر آیا) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تمسخر کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس تمسخر پر سزا دے گا اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: 2/375-376)

سوال 2: منافق کی بگڑی ہوئی طبیعت انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں کیا سوچتی ہے؟

جواب: (1) منافق اللہ تعالیٰ کی راہ میں زیادہ خرچ کرنے والوں کو ریاکار سمجھتے ہیں۔ (2) اگر کوئی کم خرچ کرتا ہے تو سوچتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کے صدقے کی کیا ضرورت تھی۔ (3) منافقین کی سمجھ میں مسلمانوں کا اخلاص اور پاکیزہ جذبات نہیں آتے تھے۔ (4) منافقین کے دل بجھے ہوئے تھے اس لئے وہ مسلمانوں کے دلوں کی بے تابی کو نہیں پا سکتے تھے۔

سوال 3: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ﴾ ”اور ان پر بھی جو اپنی محنت کے سوا کچھ نہیں پاتے سو وہ ان سے مذاق کرتے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) مسلمانوں میں سے جو لوگ اپنی محنت کے سوا صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہیں پاتے منافق ان کا مذاق اڑاتے اور کہتے تھے اللہ تعالیٰ ان صدقات سے بے نیاز ہے۔

سوال 4: منافق مذاق اڑانے کا کام کیوں کرتے تھے؟

جواب: منافق اپنے بخل کو چھپانے کے لیے مذاق اڑاتے تھے۔

سوال5: ﴿سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۗ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ ”اللہ تعالیٰ نے ان سے مذاق کیا ہے اوران کے لیے دردناک عذاب ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۗ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان سے مذاق کیا ہے کیونکہ انہوں نے مخلص مومنوں پر نکتہ چینیاں کیں، انہیں طعنے دیے، چغل خوریاں کیں جو کہ کبیرہ گناہ ہیں اور نیکی کے کاموں میں طعنہ دینا بہت بڑا گناہ ہے۔(2) نیکی کے کاموں میں تعاون کا حکم ہے جب کہ منافقین کا مقصد نیک کاموں سے روکنا ہے۔(3) صدقہ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے ہاں انسان صدقہ کرنے کا اجر پائے گا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝﴾ تو جو ذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔(الزلزال:7) (4) ﴿وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ ”اوران کے لیے دردناک عذاب ہے۔“ نیکی سے روکنے پر ان کی جزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرے گا اوران کے لیے دردناک عذاب ہے۔(5) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے استہزاء کرنے والوں کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور ان سے کہا جائے آجاؤ وہ اپنی بے چینی اور غم کے ساتھ آئیں گے اور داخل ہونے والے ہی ہوں گے کہ دروازہ بند کر لیا جائے گا۔ یہ مذاق ان سے اس حد تک ہوتا رہے گا کہ آخر کار جب ان کے لیے جنت کا کوئی دروازہ کھولا جائے گا اوران سے داخل ہونے کو کہا جائے گا۔ تو ناامید ہو جانے کی وجہ سے کوئی آگے نہیں بڑھے گا۔(تفسیر مظہری:5/247)

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾

”آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لیے بخشش مانگیں اللہ تعالیٰ انہیں ہر گز نہیں بخشے گا، یہ اس وجہ سے کہ یقیناً انہوں نے اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

سوال1: ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ﴾ ”آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لیے بخشش مانگیں اللہ تعالیٰ انہیں ہر گز نہیں بخشے گا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے نبی علیہ السلام! آپ ان منافقوں کے لیے استغفار کریں۔(2) ﴿اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ﴾ یا ان کے لیے مغفرت کی دعا نہ کریں ان کے حق میں برابر ہے۔ (تفسیر قاسمی:8/363) (3) ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ مغفرت کی دعا کریں یہ استغفار کی کثرت کے لیے مبالغہ ہے۔ (تفسیر منیر:5/682) (4) ﴿فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ﴾ اللہ تعالیٰ انہیں ہر گز نہیں بخشے گا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں رب العزت نے فرمایا: ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾ آپ ان کے لیے بخشش کی دعا کریں یا نہ کریں ان پر برابر ہے، اللہ تعالیٰ اُنہیں ہر گز معاف نہ کرے گا، اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔(المنافقون:6)

سوال2: منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کیا فیصلہ کر دیا؟

جواب:(1)منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیاہے کہ وہ انہیں نہیں بخشے گا ان کا انجام طے شدہ ہے اس لئے استغفار کریں یا نہ کریں فائدہ نہیں ہو گا۔(2)منافقین کے انجام میں تبدیلی ممکن نہیں۔(3)اگر ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو فائدہ نہیں ہو گا۔

سوال3: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۭ﴾ "یہ اس وجہ سے کہ یقیناانہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیاہے۔"کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے مغفرت نہ کرنے کا سبب بتایاہے ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۭ﴾ "یہ اس وجہ سے کہ یقیناً انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیاہے۔"اس آیت میں دلیل ہے کہ کافر جب تک اپنے کفر پہ قائم رہتا ہے اسے نہ استغفار کام دے سکتی ہے،نہ کوئی عمل صالح۔

سوال4:منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اتناسخت کیوں ہے؟

جواب:(1) منافق کی اصلاح کی کوئی امید نہیں ہوتی۔(2) منافق کا دل بگڑ چکا ہوتا ہے اوراس کی اصلاح ممکن نہیں ہوتی۔(3)منافق گمراہی میں حد سے گزر جاتاہے اور اس کی واپسی کی امید نہیں ہوتی اس لیے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اتناسخت ہے۔

سوال5:﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾ اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جن کا وصف فسق بن چکاہے۔(2)اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت سے یعنی نفع مند علم اور عمل صالح کی توفیق سے محروم کر دیتے ہیں۔

## رکوع نمبر17

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝﴾

"پیچھے چھوڑ دیے گئے لوگ،اللہ تعالیٰ کے رسول کے پیچھے اپنے بیٹھنے کی وجہ سے خوش ہوگئے اور انہوں نے ناپسند کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کریں اور انہوں نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو۔آپ کہہ دیں کہ جہنم کی آگ گرمی میں اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔کاش وہ سمجھتے ہوتے!" (81)

سوال1:﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ "پیچھے چھوڑ دیے گئے لوگ،اللہ تعالیٰ کے رسول کے پیچھے اپنے بیٹھنے کی وجہ سے خوش ہوگئے۔"کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ پیچھے رہنے پر خوشی کا اظہار کرنے والوں کے بارے میں وضاحت فرماتے ہیں کہ خوش ہوگئے پیچھے رہ جانے والے۔(2) ﴿بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ "اللہ تعالیٰ کے رسول کے پیچھے اپنے بیٹھنے کی وجہ سے۔"قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یہاں پیچھے رہنے سے مراد غزوہ تبوک سے پیچھے رہناہے۔(جامع البیان:16963) (3) یہاں ایک تو ہے پیچھے رہ جانا لیکن پیچھے رہنے والوں کی نفسیاتی صورتحال کو سب کے سامنے رکھاہے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں عریاں کر دیا۔وہ جو اندر چھپی ہوئی تھی،وہ جو جذبے تھے،احساسات تھے!اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کے سامنے کھول کر رکھ گیا۔اب آپ دیکھئے

گا اس نفسیاتی تصویر کشی میں پہلی بات ہے خوشی کی، منافق ہیں! خوش ہو رہے ہیں، بغلیں بجا رہے ہیں کہ نکل گیا قافلہ ہم ٹھیک ہیں۔(4) جہاد سے منہ موڑنا حرام ہے اس نافرمانی پر منافق کے سوا کون ہے جو خوشی محسوس کر سکتا ہے۔

سوال2: جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے ان سے یہ جرم کس وجہ سے سرزد ہوا؟

جواب: (1) پیچھے رہ جانے والے آرام طلبی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔(2) انفاق فی سبیل اللہ میں کمی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ (3) کم ہمتی اور دلی کمزوری نے انہیں پیچھے رہنے پر آمادہ کیا۔(4) پیچھے رہنے کا جرم دنیا پرستی کی وجہ سے ہوا۔(5) پیچھے رہنے کا جرم ان کے اس قول کی وجہ سے ہوا انہوں نے کہا گرمی میں نہ نکلو۔

سوال3: ﴿وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ”اور انہوں نے ناپسند کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کریں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ نکلنا ناپسند کیا۔(2) اللہ تعالیٰ نے اس فرحت کے ساتھ دوسری چیز ان پر واضح کی کہ کراہت ہے۔ اندر ہی اندر خوشی کے اندر سے کراہت بھی اٹھ رہی ہے۔ نفرت! نفرت کس چیز سے ہے؟ جہاد سے! یہ خوشی اور کراہت دونوں آپس میں مل گئیں اور اب ایک انسان کی گفتگو بھی بدل گئی۔ اندر کے جذبوں کو اظہار کا موقع مل گیا۔ ہمدرد بن بن کر دوسروں، بھی روکتے ہیں۔(3) اہل ایمان کا معاملہ ان کے متضاد ہوتا ہے اگر وہ عذر پر بھی بیٹھے رہ جائیں تو غمگین ہوتے ہیں۔

سوال4: ﴿وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو آپ کہہ دیں کہ جہنم کی آگ گرمی میں اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ کاش وہ سمجھتے ہوتے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو۔“ منافق ہمدرد بن کر دوسروں کو بھی جہاد سے روکتے ہیں کہ گرمی بہت ہے، موسم شدید ہے، سفر صعوبتوں بھرا ہے اور فصلیں پک کر تیار ہیں ایسی گرمی میں نہ نکلو۔(2) ﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱﴾ ”آپ کہہ دیں کہ جہنم کی آگ گرمی میں اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ کاش وہ سمجھتے ہوتے۔“ منافقوں نے عارضی آرام کو ہمیشہ کے آرام وسکون پر ترجیح دی۔ انہوں نے ہمیشہ کی مشقت اٹھانا گوارا کر لیا تو رب العزت نے فرمایا: جہنم کی آگ تو بہت شدید ہے۔(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری یہ آگ جس کو ابن آدم جلاتا ہے (یعنی گرمی کا حصہ) جہنم کی گرمی کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا یہی (دنیا کی آگ) کافی نہ تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے انہتر حصے گرمی کے جہنم میں گرمی زیادہ ہے۔ ہر حصے میں اتنی ہی گرمی ہے۔(صحیح مسلم:7165) (4) سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دوزخیوں میں سے کچھ کو آگ ان کے ٹخنوں تک پکڑے گی اور ان میں سے کچھ کو ان کے گھٹنوں تک اور ان میں سے کچھ ان کی کمر تک اور ان میں سے کچھ کو ان کی گردن تک آگ پکڑے گی۔(صحیح مسلم:7169)

(5) ﴿لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱﴾ ”کاش وہ سمجھتے ہوتے۔“ کاش ان میں سمجھ ہوتی کہ جہنم کیسی وحشت ناک جگہ ہے تو وہ کبھی اسے ہمیشہ کا گھر نہ بناتے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۝۱۵﴾ ہرگز نہیں! یقیناً وہ شعلہ مارتی ہوئی آگ ہے۔(المعارج:15)

(6) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا

الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کا کفر کیا بہت جلد ہم انہیں آگ میں ڈالیں گے، جب کبھی ان کی کھالیں گل سڑ جائیں گی تو ہم انہیں اس کے علاوہ کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (النساء:56)

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے منافق کے شعور کو کیسے بے دار کیا ہے؟

جواب: (1) دنیا میں تو ٹھنڈی چھاؤں مل جائے گی آخرت کی گرمی کا کیا علاج کرو گے؟ (2) وہاں ہمیشہ کی آگ میں رہو گے۔ (3) دنیا میں تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کی جانے والی کوشش بہت تھوڑی مدت کے لیے ہے اور جہنم کا عرصہ بہت طویل ہے کاش تم سمجھ جاؤ۔

﴿ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ ﴾

"پس لازم ہے کہ وہ ہنسیں بہت کم اور روئیں بہت زیادہ اس کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے ہیں۔" (82)

سوال 1: ﴿ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ ﴾ "پس لازم ہے کہ وہ ہنسیں بہت کم اور روئیں بہت زیادہ۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ ﴾ "پس لازم ہے کہ وہ ہنسیں بہت کم اور روئیں بہت زیادہ۔" (1) رب العزت نے منافقوں کو حکم دیا کہ ختم ہونے والی قلیل دنیا سے خوب فائدہ اٹھالو پھر رونا ہی رونا ہے۔ (2) ابورزین کہتے ہیں کہ دنیا بہت کم ہے پھر اس میں جتنا چاہو ہنس لو۔ ظاہر ہے کہ ہنسی کی مدت کم نکلے گی اور جب اللہ تعالیٰ کے پاس جا پہنچو گے تو بہت روؤ گے کہ رونا کبھی ختم نہیں ہو گا۔ (جامع البیان:16966) (3) ربیع بن حیثم کہتے ہیں اس سے مراد ہے کہ تم دنیا میں جتنا بھی ہنس لو بہت تھوڑا ہے۔ "اور چاہیے کہ روئیں بہت زیادہ۔" کہ آخرت میں بہت رونا ہو گا۔ (جامع البیان:16967) (4) سیدنا ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "دنیا کی مٹھاس آخرت کی کڑواہٹ ہے اور دنیا کی کڑواہٹ آخرت کی مٹھاس ہے۔ (صحیح الجامع الصغیر:3150) (5) ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ﴿ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: دنیا قلیل ہے وہ یہاں جتنا چاہیں ہنس لیں، جب دنیا ختم ہو جائے گی اور اللہ کے پاس پہنچیں گے تو ایسا رونا ہو گا جو دوامی ہو گا۔ (تفسیر مظہری:245)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے زیادہ رونے اور کم ہنسنے کا حکم کیوں دیا؟

جواب: (1) جو لوگ بدی کماتے ہیں ان کی جزا ایسی ہے جس پر رونا چاہیے۔ (2) یہاں کی ہنسی کی مدت کم ہے کیونکہ دنیا کی زندگی چھوٹی زندگی ہے اور آخرت میں پھر ہمیشہ کے لیے رونا ہے۔

سوال 3: ﴿ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ ﴾ "اس کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: منافقوں نے اپنے رب کی نافرمانیاں کیں ان کی جزا ہے، بدلہ ہے، ظلم نہیں ہے۔

﴿ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ ﴾

"چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے کسی گروہ کی طرف آپ کو واپس لے آئے، چنانچہ وہ آپ سے (جہاد پر) نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیں کہ تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکلو گے اور تم میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے ہر گز نہیں لڑو گے۔ بلاشبہ تم پہلی بار بھی بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے، چنانچہ تم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔" (83)

سوال 1: ﴿ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ﴾ "چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے کسی گروہ کی طرف آپ کو واپس لے آئے چنانچہ وہ آپ سے (جہاد پر) نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیں کہ تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکلو گے اور تم میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے ہر گز نہیں لڑو گے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ جب ہم آپ ﷺ کو اس جنگ سے واپس لے جائیں گے اور آپ ﷺ پیچھے رہ جانے والوں کے کسی گروہ سے ملیں گے۔ (2) ﴿ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ ﴾ "چنانچہ وہ آپ سے (جہاد پر) نکلنے کی اجازت مانگیں۔" پھر وہ لوگ آپ سے کسی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت طلب کریں تو آپ ﷺ سزا کے طور پر انہیں جواب دیں۔ (3) ﴿ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ﴾ "تو آپ کہہ دیں کہ تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکلو گے اور تم میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے ہر گز نہیں لڑو گے۔" کہ اب تم کسی جنگ میں میرے ساتھ نہیں جاسکتے نہ میرے ساتھ دشمن سے لڑ سکتے ہو۔

سوال 2: ﴿ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴾ "بلاشبہ تم پہلی بار بھی بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے، چنانچہ تم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ کیوں تم نے پہلی بار گھروں میں بیٹھ رہنا پسند کیا تھا اس لیے۔ (2) ﴿ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴾ "چنانچہ تم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔" تو اب تم پیچھے رہنے والی عورتوں اور بچوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ (3) عمرہ حدیبیہ کے سلسلے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ جب تم مالِ غنیمت کی طرف چلو گے تاکہ تم اسے حاصل کرو پیچھے رہ جانے والے جلد ہی کہہ اٹھیں گے: "ہمیں بھی اجازت دو ہم بھی تمہارے پیچھے آئیں۔" وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیں کہہ دو: تم ہمارے پیچھے ہر گز نہیں آؤ گے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی یہ فرمادیا ہے، تو جلد ہی وہ کہیں گے: "بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو۔" بلکہ یہ لوگ کم ہی بات کو سمجھتے ہیں۔ (الفتح:15)

سوال 3: جہاد کے مقابلے میں آرام پسند کرنے والوں کو آئندہ جہاد کرنے سے محروم کیوں کر دیا گیا؟

جواب: (1) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جہاد کے مقابلے میں آرام کو پسند کیا اور اسلامی لشکر سے پیچھے رہ گئے اس لیے یہ کسی بھی مشکل مہم کے لیے نااہل ثابت ہوئے۔ (2) اسلام کو سلیم الفطرت، مضبوط اور پختہ ارادے والے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوں جو طویل مشقت برداشت کر سکیں لیکن جب عیش و آرام طلب لوگ شامل ہو جاتے ہیں تو وہ شکست کا باعث بنتے ہیں اس لیے ان کو جہاد میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ (3) مشکل اوقات میں کمزور ارادے کے

لوگ انتشار کا باعث بنتے ہیں۔اس لیے کہا گیا صاف کہہ دو تم میرے ساتھ ہر گز نہیں چل سکتے۔(4) تبوک میں نکلنے کی بجائے پیچھے رہنا پسند کیا اس لیے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہے۔

﴿ وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾

"اور ان میں سے جو کوئی مر جائے تو اس کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھنا اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہونا یقیناً انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ نافرمان تھے۔" (84)

سوال 1: ﴿ وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ ﴾ "اور ان میں سے جو کوئی مر جائے تو اس کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھنا اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ ﴾ "اور ان میں سے جو کوئی مر جائے تو اس کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھنا۔" نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ منافقین میں سے کوئی مر جائے تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔(2) ﴿ وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ ﴾ "اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔" ان میں سے کسی کی قبر پر دعائے مغفرت کے لیے نہ کھڑے ہوں کیونکہ زندگی میں بھی انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور کفر پر ہی انہوں نے جان دی۔(3) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب عبداللہ بن اُبی کی وفات ہوئی تو اس کے لڑکے (حضرت عبداللہ) جو کہ مخلص اور اکابر صحابہ تھے رسول اللہ ﷺ! کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی قمیض مجھے عطا فرمایئے تاکہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن دوں اور آپ ﷺ ان کی جنازہ پڑھا دیں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کریں چنانچہ جب آپ ﷺ نے اپنی قمیض انہیں عطا فرمائی اور فرمایا کہ نہلا دھلا کر مجھے اطلاع دی۔ نبی ﷺ تشریف لائے تاکہ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع نہیں فرمایا؟ اور فرمایا ہے کہ ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو یا مغفرت کی دعا نہ کرو اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کروگے تب بھی اللہ انہیں ہر گز نہیں بخشے گا، پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ "اور ان میں سے کسی پر جو مر گیا ہو ہر گز نہ پڑھئے۔" اس کے بعد نبی ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھنی بھی چھوڑ دی۔(صحیح بخاری:5796)

سوال 2: نبی ﷺ کو منافقوں کا جنازہ پڑھانے اور ان کی قبر پر کھڑے ہونے سے کیوں روکا گیا؟

جواب:(1) منافقوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔(2) منافق بے عمل اور فاسق تھے۔(3) نماز جنازہ اور قبر پر کھڑے ہونے سے میت کو اعزاز ملتا ہے اس اعزاز سے محروم کیا گیا تاکہ آئندہ مسلمانوں کو یہ پتہ چل جائے کہ جو لوگ مشکلات میں ثابت قدم رہیں گے وہی اسلامی تحریک میں اعزاز پائیں گے۔

سوال 3: ﴿ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ یقیناً انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ نافرمان تھے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ﴾ منافقوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔وہ بے عمل اور فاسق تھے۔(2) ﴿ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ "اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ نافرمان تھے۔" وہ کافر تھے اور کفر کی حالت میں

انہوں نے جان دی اس لیے آپ ﷺ کی شفاعت ان کے کام نہیں آئے گی۔(3)مسند احمد میں ہے جب آپ ﷺ کو کسی جنازے کی طرف بلایا جاتا تو آپ ﷺ پوچھ لیتے اگر لوگوں سے بھلائیاں معلوم ہوتیں تو آپ جاکر اس کے جنازے کی نماز پڑھاتے اور اگر کوئی ایسی ویسی بات کان میں پڑتی تو صاف انکار کر دیتے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ آپ ﷺ کے بعد یہ رہا کہ جس کے جنازے کی نماز سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ پڑھتے اس کے جنازے کی نماز آپ بھی پڑھتے جس کی سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نہ پڑھتے آپ بھی نہ پڑھتے اس لئے کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے منافقوں کے نام گنوا دیئے تھے اور صرف انہی کو یہ نام معلوم تھے اسی بنا پر انہیں رازدان رسول کہا جاتا تھا۔(ابن کثیر:381) (4)بغوی نے لکھا ہے کہ رسول ﷺ نے عبد اللہ بن اُبی سے(اس کے مرنے کے بعد)جو سلوک کیا(یعنی قمیص مبارک اس کو پہنایا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھی)اس کے متعلق صحابہ نے آپ سے کچھ کلام کیا(یعنی مؤدبانہ شکایت کی)نبی ﷺ نے فرمایا:میرا کرتہ اور میری نماز اللہ(کے عذاب)سے اس کو نہیں بچائے گی۔خدا کی قسم میری خواہش تو یہ تھی کہ اس کی وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں۔راوی کا بیان ہے کہ ابن ابی کی قوم والوں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے قمیض سے اس نے تبرک حاصل کیا تو ایک ہزار آدمی مسلمان ہو گئے،بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کسی منافق کی نماز نہیں پڑھی اور وقت وفات تک کسی منافق کی قبر پر دعا کرنے نہیں کھڑے ہوئے۔(تفسیر مظہری:248)

﴿ وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾

”اور ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو بھلے نہ لگیں یقیناً اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ ان کے ذریعے انہیں دنیا ہی میں سزا دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہی ہوں۔“ (85)

سوال 1:﴿ وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ ﴾ ”اور ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو بھلے نہ لگیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ ﴾ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اگر مال اور اولاد دیے ہیں تو دھوکہ نہ کھائیں۔

سوال 2:اقامت دین کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر ہدایت کیا ہے؟

جواب:(1)کسی کو اس کے مال و دولت اور اولاد کی وجہ سے اعزاز نہ دیا جائے۔(2)کسی کے مال یا اولاد کی وجہ سے دل یا شعور میں گہرا اثر نہ لیا جائے۔(3)ظاہری مال داری سے متاثر ہونا بھی مال والوں کے لیے اعزاز ہے اور اللہ تعالیٰ مومن کے شعور میں تقویٰ کے سوا کسی اور اعزاز کو آنے نہیں دینا چاہتے۔

سوال 3:اسلامی نقطہ نظر سے مال قابل رشک کیوں نہیں؟

جواب:مال اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے اس لحاظ سے مال عبرت کا باعث بنتا ہے۔

سوال 4:دنیا پرست اللہ تعالیٰ کا وفادار کیوں نہیں بنتا؟

جواب:(1)دنیا پرست دنیا کی رونقوں میں گھرا ہوا ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنا چاہتا ہے تو اسے لگتا ہے کہ سب کچھ کھو دیں گے قربانی کی ہمت نہ ہونے کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کا وفادار نہیں بن پاتا۔(2)دنیا پرست اپنی انا کی قربانی نہیں دے سکتا۔

(3) دنیا پرست زندگی اور مال کی قربانی نہیں دے سکتا۔ (4) شہرت اور مقبولیت کی قربانی نہیں دے سکتا۔ (5) دنیا پرست بے حس ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ تڑپ ختم ہو جاتی ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچتی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر راضی نہیں رہنے دیتی۔

سوال 5: ﴿ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الدُّنْیَا ﴾ "یقیناً اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ ان کے ذریعے انہیں دنیا ہی میں سزا دے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّعَذِّبَهُمْ ﴾ منافقوں اور دنیا کی محبت میں ڈوبے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے۔ (2) ﴿ اَنْ یُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الدُّنْیَا ﴾ کہ مال اور اولاد کی وجہ سے دنیا میں ہی عذاب میں مبتلا کر دے اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مال کے پیچھے بھاگتے ہیں، مال کے کم ہونے سے خوف زدہ رہتے ہیں اور مال سے لطف نہیں اٹھاپاتے۔ (3) وہ مال اولاد کی فکر میں آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ دنیا چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ (4) اسی لیے رب العزت نے فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ تعالیٰ کی یاد سے تمہیں غافل نہ کر دیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ (المنافقون:9)

(5) رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے تین دوست ہیں، ایک اس کی رُوح قبض ہونے تک ساتھ رہتا ہے، دوسرا دوست مال ہے، قبر تک ساتھ دیتا ہے اور تیسرا محشر تک ساتھ دیتا ہے، روح قبض ہونے تک ساتھ دینے ولا دوست مال ہے، قبر تک ساتھ دینے ولا دوست اہل وعیال ہیں، اور حشر تک ساتھ دینے ولا دوست اس کا عمل ہے۔ (طبرانی کبیر)

سوال 6: ﴿ وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ "اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہی ہوں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: ان کی جانیں، مال اور اولاد کی محبت میں سرشار ہونے کی حالت میں نکل گئیں جب موت آئی تو دل ابھی دنیا میں ہی ڈوبے ہوئے تھے اس حال میں کہ وہ کافر تھے۔

﴿ وَ اِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِیْنَ ۝ ﴾

"اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائو اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کرو تو ان میں سے مال والے لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجیے کہ ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔" (86)

سوال 1: ﴿ وَ اِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ ﴾ "اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کرو تو ان میں سے مال والے لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ وَ اِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ ﴾ "اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کرو۔" اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی مذمت کی ہے کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے اور انہیں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا جاتا ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِیْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ

الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ﴾ ”اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی سورت نازل کیوں نہیں کر دی گئی؟ چنانچہ جب کہ ایک محکم سورت اتار دی جاتی ہے اور اس میں جنگ کا ذکر کیا جاتا ہے آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں ایسے شخص کی طرح دیکھنا جس پر موت سے غشی ڈال دی گئی ہو، پس اُن کے لئے بہت بہتر ہے۔ (محمد:20)

(2) ﴿اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ﴾ ”تو ان میں سے مال والے لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں۔“ ان کے دولت مند لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال اور بیٹے عطا فرمائے ہیں جن کے پاس کوئی عذر نہیں وہ مال دار طبقہ آکر کہتا ہے کہ آپ ﷺ ہمیں معاف رکھیں اور گھروں میں رہنے دیں۔ (3) وہ سستی اور کاہلی کا شکار ہیں اور پیچھے بیٹھنے کی اجازت مانگتے ہیں۔

سوال2: ﴿وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجیے کہ ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) وہ کہتے ہیں ہمیں گھروں میں چھوڑ دیجئے تاکہ عورتوں اور بچوں کی طرح گھر بیٹھے رہیں۔

سوال3: جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے جس میں جہاد کا حکم ہوتا ہے تو استطاعت رکھنے والوں کا طرز عمل کیا ہوتا ہے؟

جواب: (1) منافق اپنی مالی حیثیت کے مطابق آگے نہیں بڑھتے۔ (2) ذلت اور شرمندگی کی روش اختیار کرتے ہیں۔ (3) یہ لوگ عورتوں کے ساتھ بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ (4) ہر قیمت پر زندہ رہنا چاہتے ہیں خواہ ذلت کی زندگی ہو۔

﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾

”وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں، اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، سو وہ نہیں سمجھتے۔“

سوال1: ﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ ”وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: وہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے جو جہاد کے لیے نہیں نکلیں۔

سوال2: مدینہ میں عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہنے والے لوگ کیسے تھے؟

جواب: پیچھے رہنے والے لوگ:

(1) زندگی سے محبت رکھنے والے تھے۔ (2) مال سے محبت رکھنے والے تھے۔ (3) آرام سے محبت رکھنے والے تھے۔ (4) کمزوری اور ذلت کا مزاج رکھنے والے تھے۔ (5) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کے فہم نے کام کرنا چھوڑ دیا۔

سوال3: ﴿وَ طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ ”اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، سو وہ نہیں سمجھتے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ان کے دلوں میں مہر لگا دی گئی یعنی ان کے دل ارادوں سے خالی ہیں۔ (2) ﴿فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ منافق اپنے مصالح کو نہیں سمجھتے۔ اگر وہ سمجھتے تو ان حالات میں رہنا کبھی گوارا نہیں کرتے۔

﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

”لیکن خود رسول نے بھی اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔“ (88)

سوال 1: ﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ ”لیکن خود رسول نے بھی اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ ”لیکن خود رسول نے بھی اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے۔“ یہاں مدینہ سے نکلنے والے رسول اللہ ﷺ اور ان کے۔(2) مجھے ابو عبس نے خبر دی آپ کا نام عبد الرحمن بن جبر ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بندے کے بھی قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہو گئے، انہیں (جہنم کی) آگ چھوئے؟ (یہ ناممکن ہے) (صحیح بخاری:2811) (3) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”کوئی شخص بھی ایسا نہ ہو گا جو جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرے خوہ اسے ساری دنیا مل جائے سوائے شہید کے، اس کی یہ تمنا ہو گی کہ دنیا میں دوبارہ واپس جا کر دس مرتبہ اور (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) قتل ہو کیونکہ وہ شہادت کی عزت وہاں دیکھتا ہے۔“ (صحیح بخاری:2817)

سوال 2: مدینہ سے نکلنے والے رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی کیسے تھے؟

جواب:(1) وہ ایمان کے تقاضے پورے کرنے والے۔(2) اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کرنے والے تھے۔

سوال 3: ﴿وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸۸﴾ ”اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫﴾ جن کے لیے بھلائیاں ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔(2) ﴿وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸۸﴾ ”اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔“ یہی لوگ ہیں جو کمال درجے کی جنتوں میں جانے کے لیے کامیاب ٹھہرائے گئے ہیں۔

﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۸۹﴾

”اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“ (89)

سوال 1: ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ﴾ ”اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت کے باغات تیار کر رکھے ہیں۔(2) ﴿مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی جو خوب صورتی میں اضافہ کریں گی۔(3) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں وہاں سے کبھی کہیں اور منتقل نہیں ہوں گے۔ (4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے (ایسی ایسی نعمتیں) تیار کر رکھی ہیں کہ جن کو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل پر تو ان کا خیال گزرا۔ یہ نعمتیں ان کے لئے جمع کر رکھی ہیں بلکہ ان کا ذکر چھوڑ دو، جن نعمتوں کی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اطلاع دے رکھی ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ”کسی نفس کو معلوم نہیں کہ جو نعمتیں ان کے لئے چھپا رکھی ہیں ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، بدلہ ہے اس کا جو وہ کرتے تھے۔“ (صحیح مسلم:7134) (5) ”محمد (ابن سیرین) سے روایت ہے کہ لوگوں نے اس بات پر فخر کیا یا اس بات کا ذکر کیا کہ جنت میں زیادہ

تعداد مردوں کی ہو گی یا عورتوں کی۔ تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا ابو لقاسم نے نہیں فرمایا کہ جنت میں جو سب سے پہلا گروہ داخل ہو گا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہو گی جو گروہ ان کے بعد جنت میں داخل ہو گا ان کی صورتیں چمکتے ہوئے ستاروں کی طرح روشن ہوں گی۔ اور ان میں سے ہر ایک جنتی کے لیے دو بیویاں ہوں گی۔ جن کی پنڈلیوں کا مغز گوشت کے پیچھے سے چمکے گا اور جنت میں کوئی آدمی بھی بیوی کے بغیر نہیں ہو گا۔" (صحیح مسلم:7147) (6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہو گا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی، وہ جنت میں نہ تھوکیں گے اور نہ ناک صاف کریں گے اور نہ ہی پاخانہ کریں گے، ان کے برتن اور ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی اور ان کی انگیٹھیوں میں عود سلگ رہی ہوں گی اور ان کا پسینہ مشک کی طرح ہو گا اور ان جنتیوں میں سے ہر ایک کے لئے دو بیویاں ہوں گی جن کی پنڈلیوں کا مغز خوبصورتی کی وجہ سے گوشت کے اندر دکھائی دے گا۔ نہ ہی آپس میں بغض رکھیں گے۔ ان کے دل ایک دل کی طرح ہوں گے۔ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کریں گے۔ (صحیح مسلم:7151)

سوال 2: ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾ "یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: "یہ بہت بڑی کامیابی ہے" حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی، مال، صلاحیتیں، قوتیں، جو کچھ ملا ہے اولاد، گھر، جو کچھ بھی ملا اس لیے ملا کہ ان کے توسط سے انسان اپنی جنت تک پہنچ جائے اور انسان کو یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ وہ انہیں میں گم ہو کے رہ جاتا ہے۔ اقبال نے کہا:

انہی روز و شب میں الجھ کے نہ رہ جا
کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں

حقیقت یہ ہے کہ مومن کا مکان، مومن کا اصلی گھر جنت ہے۔ اس جنت کی تلاش میں انسان ازل سے مصروف عمل ہے لیکن اس کا ذہن شیطان ایسے خراب کر دیتا ہے کہ وہ دنیا میں اپنی جنت تلاش کرنے لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی جتنی نعمتیں ہیں جنت کا نعم البدل نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے اس جنت کی تلاش میں جو لگ جائے۔ اس جنت میں جو پہنچ جائے وہی بڑی کامیابی حاصل کرتا ہے۔

## آخری آیات

﴿ وَ جَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾

"اور دیہاتیوں میں سے بہانے بنانے والے آئے کہ انہیں اجازت دی جائے اور وہ لوگ بیٹھے رہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، عنقریب اُنہیں ایک دردناک عذاب پہنچے گا۔" (90)

سوال 1: ﴿ وَ جَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ ﴾ "اور دیہاتیوں میں سے بہانے بنانے والے آئے کہ انہیں اجازت دی جائے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَ جَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ ﴾ دیہاتیوں میں سے عذر کرنے والے، بہانے بنانے والے آئے۔ (2) ﴿ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ ﴾ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب کوئی عذر پیش کرتا تو اسے قبول فرما لیتے تاکہ انہیں رخصت مل جائے۔

سوال2:عذر کرنا کس نوعیت کا کام ہے؟
جواب: دعوت دین کی جدوجہد میں جب زندگی اور مال کا تقاضا ہو عذر کر کے بیٹھنا بہت بڑا جرم ہے۔
سوال3:ایک مسلمان کا دینی کاموں کے مقابلے میں بے حسی اختیار کرنا کس بات کا ثبوت ہے؟
جواب: دینی کاموں کے معاملے میں بے حسی اختیار کرنا غداری ہے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں حصہ پانے کے حقدار نہیں۔
سوال4:عذر تراشنے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق کیوں نہیں ہوسکتے؟
جواب: جو لوگ اپنے پاس موجود چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش نہیں کرسکتے تو اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ کس لیے انہیں دے گا۔
سوال5:﴿ وَ قَعَدَ الَّذِیْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ ﴾ "اور وہ لوگ بیٹھے رہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:(1) ﴿ وَ قَعَدَ الَّذِیْنَ ﴾ اور بیٹھے رہے۔(2) وہ لوگ ﴿ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ ﴾ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے اپنے ایمان کے دعوے میں اور اپنے عمل کو نہ کرنے میں جھوٹ بولا۔
سوال6: ﴿ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ ﴾ "ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، عنقریب انہیں ایک دردناک عذاب پہنچے گا۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:(1) عذر کرنے والوں میں سے وہ لوگ جو شرعی طور پر معذور ہیں مگر کفر کر رہے ہیں ان کے لیے عذاب الیم ہے۔
(2)رب العزت نے واضح فرمایا ہے ایسے لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت کا رسوا کن عذاب ہے۔
﴿ لَیْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ ﴾
"کمزوروں پر اور بیماروں پر اور ان لوگوں پر کوئی حرج نہیں جو وہ چیز نہیں پاتے جسے وہ خرچ کریں جب وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے رسول کے لیے خلوص رکھیں۔ نیکی کرنے والوں پر اعتراض کا کوئی راستہ نہیں اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔"
سوال1: ﴿ لَیْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ ﴾
"کمزوروں پر اور بیماروں پر اور ان لوگوں پر کوئی حرج نہیں جو وہ چیز نہیں پاتے جسے وہ خرچ کریں جب وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے رسول کے لیے خلوص رکھیں۔" کی وضاحت کریں؟
جواب:اس آیت میں جہاد میں شامل نہ ہونے والوں کے شرعی عذروں کا ذکر ہے۔(1) پہلا عذر کمزوری ہے:﴿ لَیْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ ﴾ کمزور جسم، کمزور نظر والوں کے لیے کوئی عذر نہیں کیونکہ وہ لوگ جہاد کے لیے باہر نکلنے اور دشمن سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔(2) ﴿ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى ﴾ "اور بیماروں پر" اس میں تمام بیماریاں شامل ہیں مثلاً لنگڑا پن، اندھا پن، بخار، نمونیہ اور فالج وغیرہ۔(3) تیسرا عذر:﴿ وَ لَا عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ ﴾ "اور ان لوگوں پر کوئی حرج نہیں جو وہ چیز نہیں پاتے جسے وہ خرچ کریں۔" یعنی نہ ان کے پاس سفر خرچ ہے، نہ سواری۔(4) ﴿ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ ﴾ "جب وہ

اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے رسول کے لیے خلوص رکھیں۔" جب اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے ساتھ خیر خواہ ہوں۔(5) تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دین نصیحت کا نام ہے! انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتائیں کس کے لیے خیر خواہی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور مسلمانوں کے آئمہ کے لیے اور ان کے عام لوگوں کے لیے۔(صحیح مسلم:95) (6) سیدنا جریر بن عبد اللہ بجلی سے سنا، انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔(صحیح بخاری:57)

سوال2: حقیقی معذور کون ہیں؟

جواب:(1) ضعیف (2) مریض (3) جو لوگ اپنے لئے سفر کا خرچ نہیں پاتے۔

سوال4: ﴿ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۹۱ ﴾ "نیکی کرنے والوں پر اعتراض کا کوئی راستہ نہیں اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ ﴾ "نیکی کرنے والوں پر اعتراض کا کوئی راستہ نہیں۔" نیکی کرنے والوں کے پاس ایسا راستہ نہیں ہے جس سے کسی نیکی کرنے والے کو تکلیف نہ پہنچے۔(2) اس آیت سے یہ دلیل ملتی ہے کہ محسن پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ محسن وہ ہے جس کا دل، ضمیر اور جذبات اللہ تعالیٰ اور رسول کے ساتھ ہیں۔(3) غیر محسن اسے کہتے ہیں جو کام کو اچھے طریقے سے انجام نہ دے۔(4) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا سورہ برات جب اتری تھی میں اسے بھی لکھ رہا تھا میرے کان میں قلم اڑا ہوا تھا جہاد کی آیتیں اتر رہی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم منتظر تھے کہ دیکھیں اب کیا حکم نازل ہوتا ہے اتنے میں ایک نابینا صحابی آئے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں جہاد کے احکام اس اندھے پن میں کیسے بجالا سکتا ہوں؟ اس وقت یہ آیت اتری۔(تفسیر ابن کثیر:384) (5) ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ ﴾ اللہ تعالیٰ کی مغفرت وسیع ہے وہ کمزوریوں کو معاف کرتا ہے۔ (6) اللہ تعالیٰ رحیم ہے وہ نیت کے مطابق ثواب عطا فرماتا ہے۔ (7) اللہ تعالیٰ بے بس لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔(8) غزوۂ بدر کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین بدر کے بارے میں ان کی شان کے بارے میں کچھ چیزیں نازل کیں، اور گھر بیٹھ رہنے والوں کے بارے میں انہیں بہت زیادہ فضیلت دی۔ جو مجاہدین اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کر رہے تھے مقصد یہ تھا کہ اللہ کی راہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں! اور گھر میں بیٹھنے والے اپنی اس عادت کو ترک کر دیں۔ یہ آیت سن کر سیدنا عبد اللہ بن ام مکتوم بڑے غمگین ہوئے اور انہیں شرکت جہاد کے اعزاز سے محرومی بڑی دشوار محسوس ہوئی فوراً خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں معذور نہ ہوتا تو جہاد میں ضرور شریک ہوتا۔ حضور ہم تو جہاد کی فضیلت سے محروم ہو گئے پھر اس افسردگی کے عالم میں بے ساختہ ان کی زبان سے یہ دعائیہ کلمات نکلے: الٰہی! میرے عذر کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنا حکم نازل فرما! الٰہی! میرے عذر کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنا حکم نازل فرما! الٰہی! میرے عذر کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنا حکم نازل فرما! اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل سے نکلی ہوئی دعا کو فوراً قبول کر لیا۔ کاتب وحی سیدنا زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غنودگی کی کیفیت طاری ہو گئی اور اسی اثناء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تھوڑے ہی عرصے میں غنودگی کی یہ کیفیت جاتی رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: زید لکھو میں نے عرض کی کیا لکھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آیت لکھو۔ ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ

اَلْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ ”مومنوں میں سے بیٹھ رہنے والے اور اپنے مال وجان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں۔“ سیدنا عبداللہ بن اُم مکتوم نے عرض کی جو لوگ معذور ہیں کیا ان کے لیے کیا حکم ہے؟ ابھی گفتگو ہو رہی تھی کہ آپ ﷺ پر پھر غنودگی طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ کیفیت جاتی رہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: زید جو پہلے لکھا ہے اسے پڑھو۔ میں نے پڑھا: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ آپ نے فرمایا: اس کے آگے یہ الفاظ لکھ دو: ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ ”بغیر کسی تکلیف کے۔“ یہ سن کر سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا وہ حکم نازل ہو گیا جس کی دل میں تمنا لیے ہوئے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے معذور لوگوں کو جہاد سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا۔ لیکن سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے دل میں اس خیال نے انگڑائی لی کہ کیا ہوا اگر میں معذور ہوں کیوں نہ جہاد میں شریک ہو کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لوں! حقیقت یہ ہے کہ جن دلوں کے اندر تڑپ ہوتی ہے، لگن ہوتی ہے وہ آگے بڑھ کر سنہری تاریخ رقم کر جاتے ہیں۔ اپنے لیے بے شمار اجر حاصل کر لیتے ہیں۔

﴿ وَّ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ ؕ﴾

”اور نہ ان لوگوں پر کوئی حرج ہے کہ جب بھی وہ آپ کے پاس آئے تاکہ آپ انہیں سواری دیں تو آپ نے کہا کہ میں وہ چیز نہیں پاتا جس پر میں تمہیں سوار کر دوں تو وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں، اس غم سے کہ وہ نہیں پاتے جو وہ خرچ کریں۔“(92)

سوال 1: ﴿وَّ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ﴾ ”اور نہ ان لوگوں پر کوئی حرج ہے کہ جب بھی وہ آپ کے پاس آئے تاکہ آپ انہیں سواری دیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ان لوگوں پر بھی کوئی حرج نہیں جنہوں نے آپ سے سواریاں مانگیں۔ (1) مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ آیت بنو مقرن جو مزینہ میں سے تھے ان کے بارے میں نازل ہوئی۔ (2) انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: مدینہ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جہاں بھی تم چلے اور جس وادی کو بھی تم نے قطع کیا وہ (اپنے دل سے) تمہارے ساتھ ساتھ تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگرچہ ان کا قیام اس وقت بھی مدینہ ہی میں رہا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں وہ مدینہ میں رہتے ہوئے بھی (اپنے دل سے تمہارے ساتھ تھے) وہ کسی عذر کی وجہ سے رک گئے تھے۔ (صحیح بخاری: 4423)

سوال 2: ﴿قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ ؕ﴾

”تو آپ نے کہا کہ میں وہ چیز نہیں پاتا جس پر میں تمہیں سوار کر دوں تو وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں، اس غم سے کہ وہ نہیں پاتے جو وہ خرچ کریں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جواب دیا کہ میرے پاس سواریاں نہیں تو وہ روتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس سے گئے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے میرے ساتھیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ میں آپ سے ان کے لیے سواری کے جانوروں کی درخواست کروں۔ وہ لوگ آپ کے ساتھ جیش وعسرت یعنی غزوہ تبوک میں شریک ہونا چاہتے

تھے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مجھے میرے ساتھیوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ ان کے لیے سواری کے جانوروں کا انتظام کرادیں، آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں تم کو سواری کے جانور نہیں دے سکتا۔ میں جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپ ﷺ غصہ میں تھے اور میں اسے معلوم نہ کر سکا تھا، آپ ﷺ کے انکار سے میں بہت غمگین واپس ہوا، یہ خوف بھی تھا کہیں آپ سواری مانگنے کی وجہ سے خفا نہ ہو گئے ہوں میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور انہیں نبی ﷺ کے ارشاد کی خبر دی، لیکن ابھی کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ میں نے بلال کی آواز سنی، وہ پکار رہے تھے اے عبداللہ بن قیس! میں نے جواب دیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ تمہیں بلا رہے ہیں۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دو جوڑے اور یہ دو جوڑے اور یہ دو جوڑے، اونٹ کے لے جائو۔ آپ ﷺ نے چھے اونٹ عنایت فرمائے۔ ان اونٹوں کو آپ ﷺ نے اسی وقت سعد سے خریدا تھا اور فرمایا کہ انہیں اپنے ساتھیوں کو دے دو اور انہیں بتائو کہ اللہ اللہ تعالیٰ یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے ہماری سواری کے لیے انہیں دیا ہے، ان پر سوار ہو جائو، میں ان اونٹوں کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے گیا اور ان سے میں نے کہا آپ ﷺ نے تمہاری سواری کے لیے یہ عنائیت فرمائے ہیں لیکن خدا کی قسم! کہ تمہیں اب ان صحابہ کے پاس چلنا پڑے گا جنہوں نے رسول کا انکار فرمانا سنا تھا، کہیں تم یہ خیال نہ کر بیٹھو کہ میں نے تم سے نبی ﷺ کے ارشاد کے متعلق کوئی غلط بات کہہ دی تھی انہوں نے کہا کہ تمہاری سچائی میں ہمیں کوئی شبہ نہیں لیکن اگر آپ کا اصرار ہے تو ہم ایسا بھی کر لیں گے ابو موسیٰ ان میں سے چند لوگوں کو لے کر ان صحابہ کے پاس آئے جنہوں نے آپ ﷺ کا وہ ارشاد سنا تھا کہ آپ ﷺ نے پہلے تو دینے سے انکار کیا لیکن پھر عنایت فرمایا، ان صحابہ نے بھی اس طرح حدیث بیان کی جس طرح ابو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے بیان کی تھی۔ (صحیح بخاری:4415)

کیونکہ وہ عاجز اور بے بس ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے لیے کوئی حرج نہیں جب وہ استطاعت نہیں رکھتے تو ان کی جانب سے یہ پورا فعل شمار کیا جائے گا۔

﴿ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَ هُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾ ﴾

”یقیناً اعتراض کا راستہ ان لوگوں پر ہے جو آپ سے اجازت مانگتے ہیں حالانکہ وہ مالدار ہیں، وہ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی سو وہ نہیں جانتے۔“ (93)

سوال 1: ﴿ اِنَّمَا السَّبِيْلُ ﴾ ”یقیناً اعتراض کا راستہ ان لوگوں پر ہے جو آپ سے اجازت مانگتے ہیں حالانکہ وہ مالدار ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّمَا السَّبِيْلُ ﴾ یقیناً اعتراض کا راستہ ان لوگوں پر ہے جو جہاد کے لیے نکلنے پر قادر ہیں۔ (2) گناہ اور ملامت ان کے لیے ہے جن کے پاس کوئی عذر نہیں۔ (3) ﴿ وَ هُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ ﴾ وہ جہاد کے لیے نکل سکتے ہیں اور دولت مند بھی ہیں یعنی گھر بیٹھنے پر راضی ہیں۔

سوال 2: ﴿ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ ﴾ ”وہ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:یعنی وہ اس بات پر خوش اور مطمئن ہیں کہ پیچھے رہنے والی عورتیں اور بچوں کے ساتھ ہو جائیں۔

سوال3: ﴿وَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝۹۳﴾ ”اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی سو وہ نہیں جانتے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اب ان کے دلوں میں کوئی بھلائی داخل نہیں ہو سکتی ان پر مہر لگ گئی ہے اسی وجہ سے دینی اور دنیاوہ مصالح کو نہیں سمجھتے۔(2) ﴿فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝۹۳﴾ اب وہ نہیں جانتے کہ اس گناہ کی کیا سزا ہے جس میں وہ مبتلا رہے۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:بندہ جب ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ڈال دیا جاتا ہے اور جب وہ گناہ سے باز آجاتا ہے اور استغفار اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو وہ نقطہ بڑھ جاتا ہے حتی کہ وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔(جامع الترمذی:3334)

سوال4:اللہ تعالیٰ نے قدرت کے باوجود جہاد نہ کرنے والوں کو کیا سزا دی ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے عذر کرنے والوں،گھر بیٹھنے والوں کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔